سلسلۂ ندوۃ المصنفین

(۵۴)

سلسلۂ مشائخ ہند

حیات
شیخ عبدالحق محدث دہلوی

از

خلیق احمد نظامی

اُستاذ شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

رفیق اعزازی ندوۃ المصنفین

ندوۃ المصنفین اُردو بازار دہلی

تعداد صفحات ۳۰۸



قیمت غیر مجلد

قیمت مجلد

محرم الحرام ۱۳۸۴ھ مطابق مئی سنہ ۱۹۶۴ء

مطبوعہ یونین پرنٹنگ پریس دھلی



انتساب

گردِ خود گردم چو بینم در ہوائے کیستم
ذرہ ام اما بخورشیدم مقابل کردہ اند

ذاکر صاحب!

مشہور ہے کہ جب سُہیل چمکتا ہے تو اس کی ضَو سے بدرنگ اور کم بہا ادیم رنگین اور بیش قیمت ہو جاتا ہے، اسی طرح کیا عجب کہ آپ کی نظرِ کیمیا اثر سے دیدہ وروں کی نگاہ میں میری اس متاعِ کم ارز کی قدر و قیمت بھی بڑھ جائے۔ ؎

کہ گل بدستِ تو از شاخ تازہ تر ماند

خاکسار

نظامی

فہرستِ مضامین

پیش لفظ

از افضل العلماء جناب ڈاکٹر عبدالحق صاحب ایم اے۔ ڈی فل

ممبر پبلک سروس کمیشن مدراس

ہندوستان میں اسلامی عہدِ حکومت کی تاریخ کے بعض علمی اور ثقافتی پہلو ابھی تک تشنۂ مفصل تحقیق ہیں۔ زمانے کے اقتضاء، ماحول کے رنگ اور وسائل کے فقدان کو دیکھ کر کبھی کبھی یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ نغمے شاید ہی پردہائے ساز سے باہر نکلیں، اور اس زریں عہد کی تاریخ کی ازسرِ نو تشکیل کا خواب شاید ہی شرمندۂ تعبیر ہوسکے لیکن بعض خوش آیند واقعات اور غیر متوقع اسباب کی بدولت یہ اُمید بندھ جاتی ہے کہ وہ دن دور نہیں جب کہ ہمارے قابلِ فخر مورخین کا طبقہ شاید اس مشکل کام کا بیڑا اُٹھائے اور اسے کامیابی سے انجام کو پہنچائے۔

قرونِ وسطیٰ کی تاریخ ہند کی ازسرِ نو تشکیل و ترتیب میں علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے اور اس سلسلے میں اس شعبہ کی مساعی نہایت ہی ہمت افزا ہیں۔ ایک زمانہ سے مجھے پروفیسر حبیب اور اُن کے رفقائے کار کی بعض مساعی کا اندازہ تھا۔ خوش قسمتی سے گزشتہ سال چند مہینوں کے لیے علی گڈھ میں قیام اور مسلم یونیورسٹی کی خدمت کا موقعہ ملا تو سب سے پہلے اپنی دیرینہ خواہش کی تکمیل ہوئی اور میں نے نزدیک سے شعبہائے تاریخ و سیاسیات کے کارکنوں کو دیکھا اور اُن کی مساعی کا ایک ادھورا سا اندازہ کرلیا اور مجھے اس امر کے اظہار میں دلی مسرت ہے کہ ان شعبوں کے ممتاز افراد کا

تحقیق وتحسین قابل داد ہے اور جو کچھ کیا جا رہا ہے وہ ہمارے ملک وملت کی تاریخ کے لیے باعثِ نازش سرمایہ ہے اور اُس کی افادی حیثیت مسلّم ہے۔

اس سلسلہ میں ہندوستان میں اسلامی علوم کے نشوو ارتقا کی تاریخ اور مشائخ وصوفیہ کی علمی اور ثقافتی خدمات کی ترتیب وتہذیب کی اہمیت ہرگز نظرانداز نہیں کی جاسکتی، کیونکہ اس کی بدولت نہ صرف تاریخ کے ان مخفی زوایا پر روشنی پڑتی ہے جو ہمارے محققین اور مصنفین کی نگاہوں سے ابھی تک پنہاں ہیں بلکہ ان سے سیرت سازی اور تعمیرِ کردار میں بڑی حد تک مدد ومعاونت حاصل ہوتی ہے۔ اس قسم کی ثقافتی تاریخ میں بہت سے ایسے نشانِ راہ اور مینار ملیں گے جن کی روشنی سے صرف اُن کے عہد کی تاریکیوں کا ازالہ ہی نہ ہوا بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے وہ مشعل راہ کا کام دے رہے ہیں۔ اس عہد کی علمی تاریخ میں بہت سے ایسے علماء اور صلحاء کے کارنامے پیش نظر ہوں گے جنہوں نے ناسازگار ماحول میں حق پسندی کا دامن اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ ان علماء اور مجددین میں شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلویؒ کا ایک ممتاز موقف ہے کیونکہ اس وقت جب کہ علماء سوء کی وجہ سے دین میں رخنے پڑ رہے تھے اور مذہب کی بنیادیں کھوکھلی کی جا رہی تھیں، شاہ صاحب کی ہمت اور خلوص کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان میں علم حدیث کو فروغ حاصل ہوا۔ شاہ صاحب کی زندگی اور سیرت کے مطالعہ کے بغیر اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے کہ اُن کے دل میں علوم حدیث اور ان کی ترویج واشاعت کا کیسا جذبہ تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ شاہ صاحب کے علمی انہماک، درس وتدریس اور مجالسِ ارشاد وہدایت کی کہانی نہایت ہی دلچسپ ہے اور اس کا صحیح اندازہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ اس عہد کے پس منظر کا حقیقی نقشہ پیش نظر ہو۔ اکبری دور کے ملحدانہ خیالات کی رو میں جاہ پرست علماء کے قدم ڈگمگا گئے تھے لیکن شاہ صاحب کے خاندانی ماحول اور تربیت اور سفرِ حرمین شریفین کی وجہ سے ان میں وہ خوبیاں ابھر آئی تھیں جن کی بدولت ہندوستان میں علوم حدیث کے احیاء اور ترویج واشاعت کا سہرا اُن کے

سرہا۔ اس بنا پر شاہ صاحب کی سیرت کی ترتیب و تدوین کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔

بڑی مسرت کی بات ہے کہ اس اہم کام کو مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کے ایک ہونہار کارکن اور قابل فخر نوجوان خلیق احمد صاحب نظامی نے نہایت ہی خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے۔ خلیق صاحب کی گراں قدر خدمات کا اندازہ اُن کی تصانیف سے ہو سکتا ہے، بالخصوص "تاریخ مشائخ چشت" اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے اور اس کے غائر مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں وہ ذوق نصیب ہے جس کا ذکر اُنہوں نے شیخ محدثؒ کے طرز نگارش میں کیا ہے۔ شیخ کا مقولہ حقیقت پر مبنی ہے۔

بے ذوق چہ نویسد کہ رونق سخن در ذوق است

وہی ذوق خدائے پاک انہیں کامل طور پر عطا فرمائے، اور ان کی تصنیف کو قبولیت کا شرف حاصل ہو۔

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ!

مدراس　　　　　　　　　　　　عبدالحق

تعارُف

از جناب پروفیسر شیخ عبدالرشید صاحب صدر شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

ہندوستان کی سیاسی اور تمدنی تاریخ میں سولھویں اور سترھویں صدی عیسوی کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس زمانہ میں ایک طرف اگر پُرانا سیاسی نظام منہدم ہوا تو دوسری طرف فکر و نظر کے پرانے سانچے بھی ٹوٹ گئے۔ نئی نئی علمی اور مذہبی تحریکیں منصۂ شہود پر آنے لگیں۔ مسلمانوں کے لیے بعض تحریکیں ہمدردانہ تھیں بعض معاندانہ۔ بہرکیف جب متضاد نظریات آپس میں ٹکرائے تو عمل اور ردِ عمل کا ایک ایسا سلسلہ قائم ہوگیا جس نے فکر و عمل کی صدہا نئی راہیں کھول دیں۔ مذہب کے نظریات بدلے، سماج کی بنیادیں بدلیں، سیاست کے اصول بدلے۔ اس ہمہ گیر تبدیلی کے دور میں اسلامی سماج، مذہب اور معاشرہ کو مختلف منزلوں سے گزرنا پڑا۔ مغلوں کے عروج سے مسلمانوں کے گرتے ہوئے سیاسی ستون کو سہارا مل گیا اور سیاسی استحکام کا نیا دور شروع ہوا۔ دوسری طرف مذہبی انتشار اور دینی گمراہیوں کو دور کرنے کے لیے متعدد مذہبی اور اصلاحی تحریکیں وجود میں آئیں۔ سید محمد مہدی جون پوری سے لے کر حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ تک دینی اصلاح و تربیت کے لیے پُرخلوص اور مسلسل جد و جہد جاری رہی۔ ان بزرگوں کی راہیں مختلف تھیں، بعض اوقات طریقۂ کار بھی مختلف تھا لیکن منزلِ مقصود ایک تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی دینی فکر کو اس طرح بیدار کیا جائے جس سے اسلامی معاشرہ کو صحیح اصولوں پر منظم کرنے کا کام لیا جاسکے۔ اور جس کے سایہ میں اسلام ایک علیحدہ مستقل دینی ادارہ کی حیثیت سے قائم رہ سکے۔

اکبر نے اپنی غیر مسلم رعایا پر قابو پانے کے لیے جو طریقے اختیار کیے اُن سے علماء میں

کافی اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ ایک طبقہ اس کے طریقۂ کار اور اعمال کی پُرجوش تائید کرتا تھا، دوسرا طبقہ اس کی حرکات کو قطعی طور پر شریعت اسلامی کے منافی قرار دیتا تھا حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اکبر کے ان غیر شرعی اعمال کا سختی سے مقابلہ کرتے ہوئے اس کے دربار کے بعض ممتاز امراء کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اس طرح اس درباری جماعت میں بھی رخنہ پڑ گیا، جو اکبری طریقۂ کار کو سراہا کرتی تھی بہر حال حضرت مجدد الف ثانی کی تحریک جس میں حکومت کے اعمال سے تعرض تھا ایسی نہ تھی جس میں اختلاف رائے نہ ہوتا، برخلاف اس کے حضرت شیخ عبدالحق دہلوی کی تحریک خالص مذہبی تحریک تھی جو ایسے اختلاف کی زد میں نہ آسکی کیونکہ وہ تمام عالم کے مسلمانوں کے لیے جس میں حکمراں اور غیر حکمراں طبقے سب ہی داخل تھے، اسوۂ رسول ﷺ کو ایک عملی پروگرام کی حیثیت سے پیش کرتی تھی۔ اسی لیے اربابِ حکومت سے کسی قسم کا تصادم نہ ہوا لیکن اثرات بہت گہرے ہوئے اور ہندوستان میں اسلامی علوم کے احیاء کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی سب سے بڑی خدمت یہی تھی کہ اُنھوں نے مسلمانانِ ہند کے بکھرے ہوئے شیرازے کو درسِ حدیث کے ذریعے منظم کر دیا، اور ان میں دینی غور و فکر کی وہ صلاحیتیں اُبھار دیں جنھوں نے مسلمانوں کے معاشرہ میں ایک نئی جان ڈال دی۔ علاوہ ازیں انھوں نے حدیث کی مستند کتابوں کو فارسی میں منتقل کر کے اور مدارج النبوۃ کی ترتیب فرما کر ہندی مسلمانوں پر جو احسان کیا ہے وہ اسلامی تاریخ کا طالب علم کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ سترہویں صدی میں مسلمانوں کی مذہبی سیاسی، علمی اور سماجی اصلاح و تربیت کا سہرا حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ہی کے سر ہے۔ ان دونوں بزرگوں نے اپنے زمانے کی مذہبی بے راہ روی کو دور کیا اور علوم اسلامی کے احیاء کے لیے پُرخلوص جد و جہد کی۔ حضرت مجدد صاحبؒ سے متعلق پچھلے دنوں میں کچھ کام گو کسی حد تک نامکمل ہی سہی ہو چکا ہے لیکن شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے

حالات زندگی اب تک تشنۂ تغیر و تعبیر تھے۔ مجھے خوشی ہے کہ اس کمی کو ایک ایسے شخص نے پورا کیا ہے جس سے بہتر اس کام کو کوئی دوسرا انجام نہیں دے سکتا تھا۔

میرے نوجوان دوست اور شریک کار خلیق احمد صاحب نظامی نے قرونِ وسطیٰ کے دینی اور تمدنی حالات زندگی کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ اس میں مستقل انہماک نے اُن کی نظر میں بڑی گیرائی اور خیالات میں بڑی وسعت پیدا کر دی ہے۔ پیش نظر کتاب پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔ شروع میں ایک مقدمہ ہے اور آخر میں تعلیقات، مقدمہ میں مصنف نے شیخ محدث ؒ سے قبل ہندوستان میں علوم اسلامی کے نشو و نما کا جائزہ لیا ہے اور اسلامی ہند کے مختلف زمانوں میں علوم دینی کی حالت پر بحث کی ہے۔ اس مقدمہ کے مطالعہ سے ہندوستان کی علمی اور دینی تاریخ میں شیخ محدث ؒ کا صحیح مقام متعین کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ حصہ اول میں جو سوانح سے متعلق ہے چودہ باب ہیں جن میں شیخ کی زندگی کا ایک ایک گوشہ اُجاگر کیا گیا ہے۔ اُن کے خاندان کے حالات، ابتدائی تعلیم و تربیت، حجاز میں تعلیم، ہندوستان میں قیام درس گاہ وغیرہ پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ اور خود شیخ کی تصانیف اور معاصرین کے تذکروں سے اُن کے حالاتِ زندگی بڑی محنت سے جمع کیے گئے ہیں۔ حصہ دوم تصانیف سے متعلق ہے اور سولہ ابواب پر مشتمل ہے۔ ان میں شیخ کی ایک ایک تصنیف پر بحث کی گئی ہے قلمی نسخوں کا پتہ لگایا گیا ہے اور مطبوعہ نسخوں کی تفصیل دی گئی ہے۔ کتاب کے تیسرے حصے میں شیخ محدث ؒ کے اپنے معاصرین سے تعلقات پر بحث کی گئی ہے۔ اور مجدد صاحب ؒ، عبد الرحیم خان خاناں، فیضی وغیرہ سے ان کے تعلقات کی نوعیت بتائی گئی ہے۔ چوتھے حصہ میں شیخ کی اولاد کا تذکرہ ہے۔ پانچویں باب میں مصنف نے شیخ محدث ؒ کی علمی اور دینی خدمات کا جائزہ بڑی گہری نظر سے لیا ہے۔ اور شیخ کا ماحول بیان کرنے کے بعد اُن کی خدمتِ حدیث، فقہ، تاریخ، ادب وغیرہ پر بحث کی ہے۔ آخر میں تعلیقات ہیں۔ جن میں دو نادر اور نایاب علمی جواہر پارے درج ہیں۔ ایک شیخ محدث ؒ کا وہ رسالہ جو اُنھوں نے مجدد صاحب ؒ کے بعض نظریات

کی تردید میں لکھا تھا اور دوسرے فیضی کے وہ غیر مطبوعہ مکتوبات جو اس نے شیخ کے نام لکھے تھے یہ دونوں چیزیں پہلی مرتبہ شائع ہو رہی ہیں اور نظامی صاحب قابلِ مبارکباد ہیں کہ ان کی تشنگیٔ طلب نے اُن کو ان نوادر تک پہنچایا۔

خلیق احمد صاحب نظامی نے شیخ محدثؒ کی اتنی مکمل اور جامع حیات طیبہ لکھ کر اسلامی ہند کی علمی اور ذہنی تاریخ کا ایک اہم پہلو اُجاگر کر دیا ہے۔ ضیاء الدین برنی نے کہا ہے:

"نفاست علم تاریخ آنست کہ از دانستن علم تاریخ شیم ناجیان و عادلان و نیکوکاران و نجات وہ درجات ایشاں در دل می نشیند"

حقیقۃً نظامی صاحب نے یہی خدمت انجام دی ہے۔ شیخ محدثؒ کی طرح جن کے حالاتِ زندگی انھوں نے مرتب کیے ہیں، خود انھوں نے کمال غیر جانبداری اور غور و فکر کے ساتھ لکھا ہے۔ اور شیخ کے زمانے کے سماجی اور ذہنی ماحول کی ایسی مکمل اور جامع تصویر بہم پہنچائی ہے جو بلا شبہ عرصہ تک اپنے موضوع پر سب سے زیادہ مستند اور معتبر سمجھی جائیگی کیونکہ یہ ایسے شخص کے قلم سے نکلی ہوئی تصنیف ہے جس نے ہندی مسلمانوں کی علمی اور دینی تاریخ کا غائر نظر سے مطالعہ کیا ہے۔

۸۔ شبلی روڈ
مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

شیخ عبدالرشید

مُقدّمہ

ہندوستان میں علومِ اسلامی کا نشوونما

شیخ محدث سے قبل

۸۶

حضرت شیخ عبدالحقؒ محدث دہلویؒ کو اسلامی ہند کی علمی اور مذہبی تاریخ میں ایک خاص اہمیت اور عظمت حاصل ہے۔ تقریباً نصف صدی تک دہلی میں اُن کی خانقاہ علم و فضل کا گہوارہ اور ارشاد و تلقین کا مرکز رہی ہے۔ ہزاروں تشنگان علم نے یہاں آکر اپنی پیاس بجھائی ہے اور سیکڑوں گم گشتگانِ علم نے وہاں آکر روشنی حاصل کی ہے۔

سالہا گوش جہاں زمزمہ زا خواہد بود
زیں نواہا کہ دریں گنبد گردوں زدہ است

یہ زمانہ وہ تھا جب دنیا پرستی کی لعنت نے عزم و راستی کی روح کو مردہ کر دیا تھا۔ مذہبی گرمی کے سوت، محلوں سے پھوٹ کر جھونپڑوں میں بہہ رہے تھے۔ مذہب "ذکر یک شب ماتبؒ" کی صورت ہو چکا تھا، شریعت و سنت سے بے اعتنائی بڑھ رہی تھی۔ علماء کے دامن ہوا و حرص میں آلودہ تھے، صوفیہ دنیا پرستی میں غرق تھے۔ سرمایہ ملت منتشر ہو رہا تھا۔ قرآن و حدیث سے رابطہ ٹوٹ چکا تھا۔ الحاد و زندقہ حکمت و اجتہاد کے دل فریب عنوان سے پھیلایا جا رہا تھا۔۶

غرض فتنوں کی شوریدہ سری ایک رنگ لائی تھی

حجاز کے ایک خضر طریقت اور منبع علم و فضل بزرگ حضرت شیخ عبدالوہاب متقیؒ نے اپنے حلقہ تلامذہ سے ایک ہونہار ہندوستانی طالب علم کو یہ کہہ کر کھڑا کر دیا:۔

---

۶ مکتوبات مجدد الف ثانیؒ

"بہ دہلی واپس باید رفت زیراکہ دہلی بہ فراق شما نالاں است"	دہلی واپس جانا چاہیے کیونکہ دہلی تمہاری جُدائی میں نالاں ہے۔

اس شخص کا ہندوستان آنا گویا ایک علمی انقلاب کا رونما ہونا تھا۔ علوم دینی جن پر عرصہ سے مردنی چھائی ہوئی تھی اس کی مسیحائی سے جلا پا گئے۔ کتاب وسنت کی روشنی میں دعوت واصلاح کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ خود اس نے اپنی زندگی کا واحد مقصد احیاء علوم دین اور ترویج شریعت کو قرار دیا اور پکار کر اعلان کیا ——

"ایں بندہ ماموراست[1] کہ جز در ابواب دین وملت کہ باعث ترویج وتجدید شریعت وموجب حفظ عقائد واحکام سنت باشد تکلم نکند واز دائرہ اعتدال وحیطۂ احتیاط بیروں نیفتد"[2]

---

[1] یہاں لفظ ماموریں وہی اعلان اور ایقان نظر آتا ہے جو مجدد صاحبؒ کے اس جملے:

"اے فرزند! باوجود ایں معاملہ کہ بہ خلقت من مربوط بودہ است کارخانہ عظیم دیگر بمن حوالہ فرمودہ اند" مکتوب ۶ دفتر دوم۔ ص ۱۷۔

یا شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے اس ارشاد:

"بہ سرم در داوند کہ ایں حقیقت بہ مردم برساں، امروز وقت قست وزمان زمان تو" میں مضمر ہے۔ حقیقت میں توفیق الٰہی بھی بعض صلاحیتوں کے لیے ان کا دائرہ عمل متعین کرتی ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے "دعوت" اور "عزیمت دعوت" پر تذکرہ (ص ۲۳۹-۲۴۳) میں جو بصیرت افروز بحث کی ہے اس کی روشنی میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے اس اعلان کو دیکھا جائے تو اسلامی ہند کی علمی تاریخ میں ان کا صحیح مقام متعین ہو جاتا ہے۔

شاہ صاحبؒ نے دوسرے جملے میں گویا اپنے طریقۂ کار کا پورا اندازہ بتا دیا ہے —— "از دائرہ اعتدال وحیطۂ احتیاط بیروں نیفتد"۔ ان کا کام احیاء علوم تھا۔ اس میں احتیاط اور اعتدال کی راہ سب سے زیادہ مستحسن تھی۔ زندگی کے پورے نظام کو از سر نو ترتیب دینے اور حالات کا رخ بدلنے کے لیے جس "مجاہدانہ بے باکی" اور "سرفروشی" کی ضرورت اس کے لیے فطرت نے حضرت مجدد صاحبؒ کا انتخاب کیا تھا۔

[2] کتاب المکاتیب والرسائل۔ ص ۲۔

چورانوے سال کی عمر میں جب داعی اجل کو لبیک کہنے کا وقت آیا تو اس کی تصنیفات کے ہزاروں صفحات اس اعلان کی پابندی میں اُس کے ذوق وانہماک کی شہادت دے رہے تھے۔ ہزاروں انسان جن کے قلوب شریعت وسنت کے احترام سے معمور تھے اُس کے احسان کی گرانباری کو محسوس کر رہے تھے۔ درس وتدریس کا ایک نیا سلسلہ شمالی ہندوستان میں پھیل چکا تھا اور فضاؤں میں یہ آواز سنائی دے رہی تھی ع

جہانے را دگرگوں کرد یک مرد خود آگاہے

اسلامی ہند کی تاریخ میں ان کا صحیح مقام متعین کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اُن سے قبل ہندوستان میں علوم دینی کے نشو ونما کا مطالعہ کیا جائے۔

عرب وہند کے تعلقات کی ابتداء

عرب اور ہندوستان کا تعلق بہت قدیم ہے[1]۔ ظہور اسلام سے صدیوں پہلے عرب کے تاجر سواحل ہند سے تجارت کرتے تھے۔ اور ان دونوں ملکوں میں تجارتی تعلقات کا ایک مضبوط رشتہ قائم تھا۔ پیغمبر اسلامؐ کی بعثت کے بعد بھی یہ تعلقات بدستور قائم رہے۔ مسلمان عربوں نے سواحل ہند پر اپنی نوآبادیاں بنالی تھیں اور وہاں اپنا کاروبار کرتے تھے لیکن مسلمان تاجروں کو تبلیغ واشاعت کے کام سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ممکن ہے کہ تجارت کے سلسلہ میں انہوں نے چند عربی الفاظ ہندوستان کو دیے ہوں اور کچھ ہندوستانی الفاظ قبول کر لیے ہوں، لیکن مجموعی طور پر وہ ہندوستان کی تمدنی زندگی پر اثر انداز نہ ہو سکے۔ پروفیسر محمد حسین نینار کا خیال ہے کہ ان تاجروں نے ایک ہندو کو بھی حلقہ بگوش اسلام نہیں بنایا[2]۔

---

[1] مولانا سید سلیمان ندوی نے عرب وہند کے تعلقات (الٰہ آباد۔ ہندوستانی اکاڈمی۔ یو۔ پی ۱۹۳۰ء) میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔

[2] پروفیسر نینار نے دسویں صدی کے ایک عرب سیاح کا قول نقل کیا ہے۔
Arab Geographer's Knowledge of South India
p. 108.

سندھ میں اسلامی حکومت کا قیام

عربوں کا ہندوستان سے دوسرا رابطہ اُس وقت قائم ہوا جب ۹۳ھ/۷۱۲ء میں محمد بن قاسم نے سندھ پر عربی حکومت کا پرچم لہرایا۔ یہ زمانہ وہ تھا جب اسلامی دنیا بنی اُمیہ کے زیرِ نگین تھی۔ مسلمانوں کی فتوحات کا سیلاب ایک طرف اسپین، اور دوسری طرف وسط ایشیا تک پہنچ چکا تھا۔ اور اسلامی علوم کی داغ بیل ڈالی جا رہی تھی۔ مکہ، مدینہ، بصرہ اور کوفہ میں بڑی علمی سرگرمی کے مظاہرے ہو رہے تھے۔

بصرہ ایران سے متصل تھا اور وہیں سے خراسان پر حکومت کی جاتی تھی۔ اس لیے عجمی اقوام سے تعلقات قائم کرنے کی دشواریوں کا احساس سب سے پہلے بصرہ والوں کو ہوا۔ عجمی قوموں کو عربی زبان سے کس طرح آشنا کیا جائے؟ قرآن پاک کی تعلیم عجمی مسلمانوں کو کس طرح دی جائے؟ ــــ ان سوالات کا جواب، عمل، تدبر کی بنا پر بصرہ ہی کو دینا تھا اور اسی نے دیا۔ ابوالاسود بصری (المتوفی ۶۹ھ) نے عربی قواعد کو ترتیب دے کر عربی زبان کے نشوونما اور ترقی کی راہیں کھول دیں۔ اس کے بعد الخلیل بن احمد بصری (المتوفی ۱۷۰ھ) نے عربی زبان کی سب سے پہلی قواعد الکتاب لکھی۔ پھر اسی زمانہ میں احادیث کے جمع کرنے اور تدوینِ فقہ کا خیال پیدا ہوا۔ اور کوفہ و بصرہ میں سیکڑوں کی تعداد میں علماء نے علمِ حدیث کی طرف توجہ کی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، امام حسن بصری، امام زہری، مسروق بن الاجدع، عبیدہ بن عمرو، اسود بن یزید، ابو عمرو النخعی، ذر بن حبیش، ربیع بن خثیم، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، ابو عبدالرحمن السلمی، شریح بن ہانی، قیس بن ابی حازم، محمد بن سیرین، شعبہ بن حجاج، قتادہ بن دعامہ، امام شعبی، سلمہ بن کہیل، محارب بن دثار، ابی اسحٰق سبیعی، عون بن عبداللہ، سماک بن حرب، عمرو بن مرۃ، منصور بن المعتمر اور ابراہیم بن محمد کی بدولت ہر جگہ حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے تھے۔ اور کوفہ و بصرہ کا ایک ایک گھر حدیث و روایت کی درس گاہ بن گیا تھا۔[1]

[1] صفحہ ۷ پر دیکھیے

یہ کیسے ممکن تھا کہ عربی ممالک کی ان علمی اور دینی تحریکات کی صدائے بازگشت سندھ میں نہ سنی جاتی! فتح سندھ کے بعد علما و مشاہیر کی ایک کثیر تعداد ہندوستان کی طرف متوجہ ہوگئی اور منصورہ، بھکر، دیبل وغیرہ میں علوم اسلامی کا چرچہ شروع ہوگیا۔

سندھ کے علماء و محدثین

علامہ سمعانی نے اپنی مشہور تصنیف کتاب الانساب میں بہت سے ایسے علماء و محدثین کا ذکر کیا ہے جن کی نسبت منصورہ، دیبل وغیرہ کی طرف ہے۔ دیبل میں محمد بن ابراہیم، شعیب بن محمد، ابوالعباس، محمد بن محمد، محمد بن حسن، احمد بن عبداللہ وغیرہ کا شمار اعلیٰ محدثین میں ہوتا تھا۔ اور ان بزرگوں نے وہاں کی علمی فضا کو چار چاند لگا دیے تھے۔

مولانا ابوحفص ربیع بن صبیح بصرہ کے رہنے والے تھے تبع تابعین میں ان کا شمار تھا۔ وطن سے ہجرت کر کے سندھ آگئے تھے اور وہیں ۱۶۰ھ مطابق ۷۷۶ء میں وصال فرمایا تھا۔[1] حدیث کے متبحر عالم تھے۔ تذکرۂ علمائے ہند میں لکھا ہے:

"گویند وے اول مصنفیں در احادیث اسلامیاست..."[2]

ابو معشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی حدیث، مغازی اور فقہ میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ سمعانی نے بڑی عزت سے اُن کا ذکر کیا ہے۔ ان کے اساتذہ میں محمد بن کعب قرظی، ہشام بن عروہ، نافع وغیرہ تھے اور تلامذہ میں محمد بن ابی معشر، ابونعیم، وکیع، محمد بن عمر واقدی، امام سفیان ثوری وغیرہ جیسے مشاہیر شامل تھے۔ بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہاں حدیث کا درس دیتے تھے۔ رمضان ۱۷۰ھ مطابق ۷۸۶ء میں وصال فرمایا اور بغداد کے مقبرہ کبیر میں سپرد خاک کیے گئے۔[3]

(حاشیہ صفحہ ۶) [1] تفصیل کے لیے فتوح البلدان، معجم البلدان، فتح المغیث، تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی، مرأۃ الجنان یافعی، تہذیب التہذیب کا مطالعہ ضروری ہے۔

حاشیہ صفحہ ہذا: [1] سبحۃ المرجان۔ ص ۲۶ [2] تذکرہ علمائے ہند۔ ص ۳۔
[3] تذکرۃ الحفاظ جلد ا ص ۲۱۲۔

سندھ کے چند اور مشہور علماء و فضلاء جن کا ذکر تذکروں میں ملتا ہے:-

(۱) ابو نصر سندھی

(۲) ابو العطا سندھی

(۳) ابو ضلع سندھی

(۴) ابو نصر فتح بن عبداللہ سندھی

ابو القاسم مقدسی دسویں صدی عیسوی میں ہندوستان آیا تو اس نے محدثین کی ایک کثیر جماعت اس ملک میں دیکھی۔ ابو محمد منصوری سے اس کی ملاقات ہوئی۔ لکھتا ہے کہ ان کی بہت سی عمدہ تصانیف ہیں۔ سندھ میں اسلام کی حالت کے متعلق رقمطراز ہے: "...... اسلام کو تازگی حاصل ہے اور علم و اہل علم یہاں بہت ہیں"

اس میں شک نہیں کہ سندھ میں علوم اسلامی نے کافی ترقی کر لی تھی اور سندھ کے بعض علماء عربی دنیا میں بڑی عزت اور وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے لیکن حقیقت بھی اپنی جگہ ہے کہ سندھ سے اسلامی علوم کا قافلہ ملک کے دوسرے حصوں میں نہ جا سکا ہندوستان کی یہ ایک بدقسمتی بھی تھی کہ مسلمانوں کے سیاسی ادارے اور دینی علوم جو یہاں آئے وہ براہِ راست عرب سے نہ آسکے بلکہ عجمی ممالک میں طویل مسافت طے کرنے کے بعد یہاں پہنچے۔ اور وہ بھی اُس وقت جب دیارِ عجم میں اسلامی علوم پر مردنی چھا چکی ہوئی تھی۔

عہد غزنوی میں علوم اسلامی کا نشو و نما

غزنوی فتوحات سے ہندوستان کی سیاسی اور تمدنی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے سلطان محمود نے ۹۹۹ء سے ۱۰۳۰ء تک ہندوستان کو اپنی جہانکشایانہ ہمت کا بازیچہ بنائے رکھا اور کم و بیش سترہ بار اس کو زیر و زبر کیا۔ جہاں تک مستقل سیاسی اقتدار جمانے کا تعلق ہے محمود نے پنجاب سے باہر کسی علاقہ کو اپنی

حکومت میں شامل نہیں کیا۔ لیکن پنجاب میں ایسی مستحکم حکومت کی بنیاد ڈال دی کہ غزنی کی تباہی و بربادی کے بعد بھی پنجاب پر اس کے خاندان کا قبضہ رہا۔

جس وقت پنجاب پر غزنویوں کا تسلط قائم ہوا تھا اُس وقت تمام اسلامی علوم مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف اچھی طرح نشوونما پا چکے تھے خصوصیت کے ساتھ جو بات ذہن میں رکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ ان سب علوم نے عجمی ممالک میں ترقی کی تھی۔ غزنی جو محمود کے زمانے میں اسلامی عجم کا سب سے بڑا علمی مرکز تھا ان سب علوم کا گہوارہ بن گیا تھا۔ جب پنجاب سلطنت غزنی کا ایک ٹکڑا ہو گیا تو ناممکن تھا کہ وہ دارالحکومت کے ماحول سے متاثر نہ ہوتا!

قرآن پاک کی سب سے مشہور تفسیر کشاف کے مصنف ابوالقاسم محمود بن عمر زمخشری (۱۰۷۵ء-۱۱۴۴ء) خوارزم میں پیدا ہوئے تھے اور وہیں وفات پائی۔ حدیث کی مندرجہ ذیل چھ مستند کتابوں۔

صحیح بخاری: امام محمد بن اسمٰعیل بخاری (۸۷۰ء)

صحیح مسلم: مسلم بن الحجاج نیشاپوری (۸۷۵ء)

سنن ابوداؤد: ابوداؤد بصری (۸۸۸ء)

جامع ترمذی: ابوعیسیٰ محمد الترمذی (۸۹۲ء)

سنن ابن ماجہ: ابن ماجہ قزوینی (۸۸۶ء)

سنن نسائی: ابوعبدالرحمن نسائی (۹۱۵ء)

کے جمع کرنے والے بزرگوں کی وطنی نسبت پر غور کیجیے۔ سب عجم سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہی حال فقہاء کا تھا۔ بیشتر فقیہ عجمی ممالک میں پیدا ہوئے اور وہیں اپنے علوم کو ترقی دی تصوف تو ایک حد تک عجم ہی کی پیداوار تھا۔ اس کی بیشتر تصانیف غزنی اور اس کے اردگرد کے علاقہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ صوفیانہ شاعری غزنی میں پیدا ہوئی۔ حکیم سنائی جو بقول مولانا رومؒ

تصوف کی آنکھ کی مانند ہیں، غزنی ہی کے تھے ۔۔۔ ان حالات میں سلطنت غزنی کا ایک اہم حصہ پنجاب کس طرح ان علوم سے نابلد اور ناآشنا رہ سکتا تھا؟ ۔۔۔ یہ سب علوم وہاں پہنچے اور حالات کی مناسبت سے نشوونما پایا۔

لاہور کا علمی ماحول

غزنویوں کے دور میں پنجاب کے جس شہر نے علمی اور تمدنی اعتبار سے سب سے زیادہ ترقی کی وہ لاہور تھا۔ فتوحات غزنویہ کے بعد علما و مشائخ کے قافلے اس طرف رجوع ہو گئے۔ ان میں سے فضل تقدم شیخ اسمٰعیل بخاریؒ کو حاصل ہے۔ تذکرۂ علمائے ہند میں ان کے متعلق لکھا ہے:

"از عظمائے محدثین و مفسرین بود، اول کسے است کہ علم حدیث و تفسیر بہ لاہور آوردہ"[1]

اُن کی زندگی کے آخری سالوں میں خواجہ حسین زنجانیؒ اس شہر میں اُن کے معاصر تھے۔ فوائد الفواد میں ہے:

"شیخ حسین زنجانی و شیخ علی ہجویری ہر دو مرید یک پیر بودند و آں پیر قطب عہد بودہ است، حسین زنجانی دیر باز ساکن لہاور بود، بعد از چند گاہ پیر ایشاں خواجہ علی ہجوری عرضداشت کرد کہ شیخ حسین زنجانی آنجاہست، فرمود کہ تو برو، وچوں علی ہجوری بحکم اشارت در لہاور آمد شب بود، بامداداں جنازۂ شیخ حسین را بیروں آوردند"[2]

شیخ علی ہجویری المعروف بہ حضرت داتا گنج بخش (المتوفی ۴۶۵ھ) غزنی کے ایک گاؤں ہجویر کے رہنے والے تھے۔ علم و فضل، زہد و ورع میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ اپنے عہد کے مشہور علما، مثلاً حضرت ابو العباس بن محمد الاشقانیؒ، شیخ ابو جعفر محمد بن المصباح الصیدلانی وغیرہ سے تلمذ تھا۔ باطنی اصلاح و تربیت کے لیے شام، عراق، بغداد، آذربائیجان، طبرستان

---

[1] تذکرہ علمائے ہند۔ ص ۲۳ [2] فوائد الفواد۔ ص ۳۵۔

کرمان، خراسان، ماوراء النہر اور ترکستان وغیرہ کا سفر کیا تھا اور مشاہیر صوفیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، لاہور پہنچ کر انہوں نے علم و عرفان کی شمع روشن کی اور تصوف کی تعلیمات کو عام کر دیا۔ انھوں نے متعدد کتابیں بھی تصنیف کی تھیں، لیکن اب صرف کشف المحجوب دستیاب ہوتی ہے، دارا شکوہ اس کے متعلق لکھتا ہے:

"ہیچ کس را بر آں سخن نیست، و مرشدے ست کامل، در کتب تصوف بخوبی آں در زبان فارسی کتابے تصنیف نہ شدہ"[۱]

ان علماء و مشائخ کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاہور نہ صرف "مرکز اسلام ہند" شمار کیا جانے لگا بلکہ اس کو "ثانی دار الملک غزنین" کا رتبہ حاصل ہو گیا۔ تاج المآثر کے مصنف حسن نظامی نے اس کو قبلۂ احرار و ابرار" "کعبۂ اشراف" "مرکز اہل تقویٰ" "مامن زہاد و عباد" اور "مسکن اقطاب و اوتاد" لکھا ہے۔ علمی اور دینی فضلا کے متعلق اس کا یہ اعلان ہے:[۲]

بنیاد شریعت اندرو محکم	بنیاد ضلالت اندرو ویراں
از ہر صد تن نود درو عالم	از ہر دہ نہ مفسر قرآں

وہاں کتب خانوں کی یہ حالت تھی کہ فخر الدین مبارک شاہ نے جب بحر الانساب کی تالیف شروع کی تو نسب جیسے موضوع پر ایک ہزار کتابیں اُس کو مل گئیں۔ خود لکھتا ہے:

"کم و بیش ہزار پارہ کتاب مطالعہ افتاد"[۳]

غوریوں کی فتوحات سے قبل اسلامی علوم کی حالت شمالی ہندوستان میں

عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی، ان کے مذہبی اور تمدنی ادارے غوریوں کی فتوحات کے بعد وجود میں آئے لیکن یہ خیال حقیقت کے خلاف ہے۔ شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کا

---

[۱] سفینۃ الاولیاء، ص ۱۶۴۔ (نولکشور ۱۸۸۴ء) [۲] تاج المآثر (قلمی نسخہ) [۳] تاریخ فخر الدین مبارک شاہ۔ ص ۳۰۔ [۴] تاریخ فخر الدین مبارک شاہ۔ ص ۶۶۔

سیاسی اقتدار قائم ہونے سے قبل مسلمان یہاں آباد ہو گئے تھے اور انھوں نے اپنی خانقاہیں مدرسے اور مسجدیں قائم کر لی تھیں۔ ہندوستان کی سب سے بڑی خانقاہ اور ہندی مسلمانوں کا سب سے بڑا روحانی مرکز — اجمیر — پرتھوی راج کے عہد حکومت میں قائم ہوا حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ پرتھوی راج کے زمانہ میں ہندوستان آئے اور اجمیر کو اپنا مستقر بنا کر چشتیہ سلسلہ کی نشر و اشاعت میں مصروف ہو گئے ۱؎

اجمیر کے علاوہ بدایوں، ناگور، قنوج، بہرائچ اور بہار کے بعض اضلاع میں محمد غوری کی فتوحات سے قبل مسلمانوں کی نوآبادیات قائم ہو گئی تھیں۔ مولانا رضی الدین حسن صغانی صاحب مشارق الانوار کے متعلق شیخ نظام الدین اولیاء کا بیان ہے:

"او از بدایوں بود" ۲؎

شیخ رضی الدین ۵۷۷ھ مطابق ۱۱۸۱ء میں پیدا ہوئے تھے، ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ ۶۱۵ھ مطابق ۱۲۱۸ء میں ہندوستان کا یہ مایۂ ناز فرزند جب بغداد پہنچا تو بڑے بڑے عالموں کی گردنیں اس کے سامنے جھک گئیں ۳؎ — ظاہر ہے کہ اُن کی تعلیم نہایت اعلیٰ پیمانے پر ہوئی ہوگی اور یقیناً بدایوں میں اُس وقت اچھے علمی ادارے موجود ہوں گے۔

سلطنت دہلی کا قیام اور ہندوستان میں علومِ دینی کا نشوونما

ہندوستان میں مسلمانوں کی علمی اور ادبی زندگی کا آغاز حقیقت میں سلطنت دہلی کے قیام سے ہوتا ہے۔ سلطنت دہلی کی بنیاد ایسے زمانہ میں رکھی گئی تھی جب وسط ایشیا میں

۱؎ سیر الاولیاء، ص ۴۶۔ ۲؎ فوائد الفؤاد، ص ۱۰۳۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کا بیان ان وجوہات کی بنا پر ان سب لوگوں سے زیادہ قابلِ اعتبار ہے جنہوں نے ان کا وطن لاہور بتایا ہے — (۱) شیخ نظام الدین اولیاءؒ خود بدایوں کے تھے اور بدایوں کے متعلق اچھی معلومات رکھتے تھے، (۲) اُن کے اُستاد مولانا کمال الدین زاہد مولانا برہان الدین بلخی تلمیذ شیخ رضی الدین حسن صغانی تھے اس بنا پر استاذ الاستاذ کے متعلق ان کا بیان زیادہ معتبر ہے۔

مسلمانوں کے علم وفضل کے سارے مرکز تباہ و برباد ہو رہے تھے۔ ترکان غز اور منگولوں کے حملوں نے سارے سیاسی اور سماجی نظام کو درہم برہم کر دیا تھا۔ اور علماء وفضلاء کی کثیر تعداد اپنے وطن کو خیرباد کہنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ کسی نے سچ کہا ہے۔؎

خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد

بغداد و بخارا کے یہ ٹوٹتے ہوئے تارے ہندوستان کی فضائے علم پر آفتاب و ماہتاب بن کر نمودار ہوئے۔ اور اسلامی ہند کو اپنے ابتدائی دور میں علماء و مشائخ کی ایک ایسی کثیر تعداد مل گئی جس نے سارے ملک کو اپنی نواسنجیوں سے پُرشور کر دیا۔ منہاج السراج نے لکھا ہے:

"خلائق اطراف گیتی را بحضرت دہلی کہ دار الملک ہندوستان است و مرکز دائرہ اسلام و محیط اوامر و نواہی شریعت و حوزۂ دین محمدی و بیضۂ ملت احمدی وقبۃ الاسلام مشارق گیتی صانہا اللہ عن الآفات واحصرہا السادات جمع آوردہ وایں شہر بکثرت انعامات وشمول کرامات آں بادشاہ دیندار محط رجال آفاق گشت و ہر کہ از جائل حوادث بلاد عجم ونکبات کفار مغل بفضل ایزدی خلاص یافت ملاذ وملجا و مہرب و مامن حضرت جہاں پناہ آں بادشاہ (التمش) ساخت" [1]

عصامی نے عہد شمسی کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے ؎

بہ دہلی چناں تخت گاہے بساخت	سپاہش در اقصائے آں ملک تاخت
دراں شہر یک رونقے شد پدید	بلے لذتے باشد اندر جدید
بسے سیدانِ صحیح النسب	رسیدند درو سے ز ملک عرب
بسے کاسبانِ خراساں زمیں	بسے نقشبنداں اقلیم چیں

[1] طبقات ناصری۔ ص ۱۶۶۔

بسے عالمانِ بخارا نژاد | بسے زاہد و عابد از ہر بلاد
ز ہر ملک وہر جنس صنعت گراں | ز ہر شہر و ہر اصل سیمیں براں
بسے ناقدانِ جواہر شناس | جواہر فروشاں بروں از قیاس
حکیمانِ یوناں، طبیبانِ رُوم | بسے اہل دانش ز ہر مرز بوم
دراں شہر فرخندہ جمع آمدند | چو پروانہ بر نور شمع آمدند

کہ کعبۂ ہفت اقلیم شد

دیارش ہمہ دار اسلیم شد[1]

اس قافلہ کا جو فرد جہاں ٹھہر گیا وہاں ایک علمی مرکز کی داغ بیل پڑگئی۔ بغداد و بخارا کے علمی خزانے سرزمین ہند میں ہر خاص و عام کے لیے کھول دیے گئے اور ملک کا گوشہ گوشہ جگمگا اٹھا۔

سلطان شمس الدین التمش علماء و مشائخ کی صحبت کا بڑا شوقین تھا جب کسی بزرگ یا عالم کی آمد کی خبر سنتا تو میلوں تک استقبال کے لیے نکل جاتا اور نہایت عزت واحترام سے محل شاہی میں مہمان رکھتا[2] اس کی علم دوستی سے متاثر ہو کر صدہا علماء، مشائخ، شعراء اور ادیب اس ملک میں آکر بس گئے۔ سرور الصدور میں لکھا ہے؛

"دراں وقت کہ شیخ نجیب الدین نخشی شیخ الاسلام دہلی بود، او ہم از یاران شیخ معین الدین بودہ است ایشاں چہل یار در وقت سلطان شمس الدین میگویند کہ ہر یکے را جا نبرہ گراں بداد .... سلطان شمس الدین او را پدر خواند و شیخ الاسلام دہلی خطاب داد" [3]

---

[1] فتوح السلاطین۔ ص۔ ۱۱۰-۱۰۹

[2] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون "Iltutmish, the mystic" مطبوعہ اسلامک کلچر، اپریل ۱۹۴۶ء

[3] سرور الصدور (قلمی نسخہ)

التمش کے عہد میں جو علما و مشائخ ہندوستان آئے اُن میں سے چند بزرگوں کے نام یہ ہیں[1]:-

(۱) شیخ قطب الدین بختیار کاکی اوشیؒ (۲) سید نورالدین مبارک غزنویؒ

(۳) قاضی حمیدالدین ناگوری (۴) شیخ جلال الدین تبریزیؒ

(۵) شیخ نظام الدین ابوالمویدؒ (۶) مولانا مجدالدین حاجیؒ

(۷) شیخ بدرالدین غزنویؒ (۸) شیخ محمد ترک نارنولیؒ

قاضی حمیدالدین ناگوریؒ صاحب تصانیف بزرگ تھے۔ انہوں نے تصوف میں کئی کتابیں رسالۂ عشقیہ، طوالع الشموس، لوائح اور شرح اسمائے حسنیٰ تصنیف کی تھیں۔ مطالعہ نہایت وسیع تھا اور تصوف کے لٹریچر پر بہت گہری نظر رکھتے تھے۔ پروفیسر لوئی ماسی نیوں (Massignon) نے خاکسار کو ایک دلچسپ مکتوب میں لکھا تھا کہ منصور حلاج کی کتاب اخبار کے حوالے اُن کی تصانیف میں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ اس بنا پر کہ اس زمانے میں یہ کتاب تقریباً نایاب تھی۔ پروفیسر موصوف نے ثابت کیا ہے کہ اوش حلاجیوں کا اہم مرکز تھا۔ اس لیے ممکن ہے کہ خواجہ بختیار کاکیؒ اور قاضی حمیدالدین ناگوری پر ماحول کا اثر پڑا ہو۔ غالباً ہندوستان میں منصور حلاج کا نام اور تصانیف قاضی ناگوری ہی کے ذریعے آئیں۔

وعظ و تذکیر

وعظ و تذکیر علما کا محبوب مشغلہ تھا۔ بادشاہوں کو بھی ان میں خاص دلچسپی تھی۔ التمش کے یہاں واعظ ملازم تھے اور سیاسی مشکلات کے وقت وعظ و تلقین سے رعایا کو ہموار کیا کرتے تھے۔ جنگ کے زمانے میں بھی یہ واعظ لشکر کے ہمراہ ہوتے تھے[2]۔ عموماً ہفتہ میں تین بار مجلس وعظ منعقد ہوتی تھی[3] لیکن ماہ رمضان

---

[1] ان بزرگوں کے حالات کے لیے فوائد الفواد، سیر الاولیاء، سیر العارفین اور اخبار الاخیار کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ [2] طبقات ناصری (مترجمہ ریورٹی) ص ۶۱۵ [3] ایضاً۔ ص ۶۱۹۔

میں روزانہ وعظ کا انتظام ہوتا تھا۔[1] التمش نماز جمعہ کے بعد ایک مجلس منعقد کیا کرتا تھا جس میں اکابر و اشراف و مشائخ" شرکت کرتے تھے۔[2] سلطان بلبن کہا کرتا تھا کہ علماء کا جو ہجوم دربار التمشی میں دیکھا تھا کبھی ویسا کسی دوسری جگہ دیکھنے میں نہیں آیا۔[3] سید نورالدین مبارک غزنوی نے ایک بار "لوازم امور بادشاہی" پر التمش کے دربار میں نہایت پرنور خطبہ پڑھا۔ اور صاف الفاظ میں اعلان کیا:

"ہرچہ پادشاہاں از لوازم امور پادشاہی میکنند و طریقہ کہ طعام و شراب میخورند و جامہ می پوشند و شکلے کہ می نشینند و می خیزند و سوار می شوند...... و سجدہ میکنانند درسم و رسوم اکاسرہ باغی و طاغی خدا بدل و جان مراعات می نمایند و با بندگان خدا در جمیع معاملات خود تفرد می و رتندہم برخلاف مصطفیٰ است و اشراک است"[4]

مولانا منہاج السراج صاحب طبقات ناصری کا وعظ بہت پرتاثیر ہوتا تھا۔ شیخ نظام الدین اولیاء ہر سوموار کو اُن کا وعظ سننے جایا کرتے تھے۔ فرماتے تھے "چہ راحت بود در تذکیر او"[5] ایک مرتبہ دوران وعظ میں یہ رباعی پڑھی ؎

لب بر لب لعل دلبراں خوش کردن　　　وآہنگ سر زلف مشوش کردن
امروز خوش است لیک فردا خوش نیست　　　خود را چو خسے طعمۂ آتش کردن

تو حضرت محبوب الٰہی پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔[6] سرور الصدور میں لکھا ہے کہ قاضی منہاج کہا کرتے تھے:

"من با ایں ہمہ کہ در تذکیر چنیں سر آمدہ و عالم آنا ماسہ چیز بر خویش راست نکنم ہرگز پائے بر منبر نہم یکے نعت۔ دوم تسمیہ۔ سوم تکبیہ"[7]

شیخ نظام الدین ابوالمؤید[8] بھی وعظ کہا کرتے تھے۔ ایک شخص قاسم پہلے تلاوت کرتا

---

[1] طبقات ناصری۔ ص ۶۱۹۔　[2] سیر العارفین (قلمی نسخہ) ص ۱۱۲　[3] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۹۳-۹۴
[4] ایضاً ص ۴۱۔　[5] فوائد الفواد۔ ص ۲۵۳　[6] ایضاً　[7] سرور الصدور (قلمی) ۱۳
[8] حالات کے لیے ملاحظہ ہو اخبار الاخیار۔ ص ۳۵۔

... شیخ وعظ شروع کرتے تھے[1] شیخ بدرالدین غزنوی کو بھی تذکیر کا بڑا شوق تھا۔ بابا فرید[رح]
... کی مجلسوں میں شرکت کی تھی۔ شیخ عبدالحق[رح] نے ان کے متعلق لکھا ہے:-

"بیشتر سخن از محبت گفتے"[2]

ان علماء کے وعظ و تذکیر نے ایک دلچسپ علمی فضا تو یقیناً پیدا کر دی ہو گی۔ لیکن
حقیقت ہے کہ ان کی کوششیں اخلاقی سطح کو بلند کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ اس
کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ حکومت وقت سے انہوں نے اپنا دامن وابستہ کر لیا تھا۔
... درباداری کی زندگی کے ساتھ "تذکیر" میں "تاثیر" کہاں پیدا ہو سکتی تھی! سرورالصدور
میں حسام درویش کے متعلق لکھا ہے کہ وعظ نہایت اچھا کہتے تھے لیکن دنیا کی محبت
میں معزالدین بہرام شاہ کے دربار میں آمد و رفت شروع کر دی اور

دنیا او را از راہ ببرد[3]

منہاج السراج کا یہ حال تھا کہ بلبن کہا کرتا تھا کہ وہ نہ خدا سے ڈرتا ہے نہ مجھ سے[4]
سید مبارک غزنوی[رح] ایک طرف تو بادشاہ کے تمام اطوار و عادات کو سنت کے خلاف
قرار دیتے تھے، دوسری طرف دہلی سے طوائفوں کو نکال دینے کے خلاف تھے اور کہتے
تھے کہ اگر ایسا کیا گیا تو آوارہ لوگ شرفاء کے گھروں میں کود پڑا کریں گے[5] ایک مرتبہ انہوں
نے مولانا نظام الدین ابوالمؤید[رح] سے التمش کے دربار میں امتیازی جگہ پر بیٹھنے پر جھگڑا کیا[6]
—— ان حالات میں وعظ و تذکیر ایک بے معنی رسم ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کے ذریعہ
علمی و روحانی ترقی کی راہیں کھلنا ممکن نہ تھا۔

تعلیمی درس گاہیں ابتدائی دور میں

اسلامی ہند کے ابتدائی دور میں حسب ذیل قسم کی درس گاہیں ملتی ہیں:-

---

[1] سرورالصدور (قلمی) [2] اخبار الاخیار، ص ۵۰
[3] سرورالصدور (قلمی) [4] ایضاً [5] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۴۳۔
[6] فوائد الفواد۔ ص ۱۹۳۔

تصریح کی ہے کہ جب ملتان پہنچے تو دیکھا کہ بابا فریدؒ مولانا منہاج الدین ترمذی کی مسجد میں کتاب نافع کا مطالعہ کر رہے ہیں[1]۔

صاحب مزار کی روح کو ایصالِ ثواب کے لیے مدرسے مزارات کے قریب بھی قائم کیے جاتے تھے۔

کچھ مدرسے ایسے بھی تھے جو علمار نے انفرادی طور پر قائم کیے تھے اور جہاں درس و تدریس کا کام اعلیٰ پیمانے پر انجام دیا جاتا تھا۔ مولانا شادی مقری اور مولانا علاء الدین اصولی کے مدرسے بدایوں میں، مولانا شمس الدین ملک اور مولانا کمال الدین زاہد کے مدرسے دہلی میں نہایت اعلیٰ تھے اور وہاں بعض مشاہیر نے تعلیم حاصل کی تھی۔

مُلتان
علوم اسلامی کے مرکز کی حیثیت سے

ملتان اسلامی ہند کے قدیم ترین علمی مرکزوں میں تھا ۷۱۳ء میں جب محمد بن قاسم نے ملتان کو فتح کیا تو حجاج نے ایک خط لکھا:

"اپنی فتوحات کا دائرہ ہمیشہ وسیع کرتے رہو اور اشاعت اسلام کا خاص خیال رکھو، جو بڑا یا قدیم شہر ہو وہاں مسلمانوں کے لیے مسجد ضرور تعمیر کرو" [2]

رفتہ رفتہ ملتان اسلامی علوم کا شاندار مرکز بن گیا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں ملتان اور منصورہ کے لوگ مقامی زبان اور عربی زبان میں گفتگو کرتے تھے[3]
۹۸۵ء میں جب بشاری ملتان پہنچا تو اس نے فارسی زبان کو کافی مقبول پایا[4]۔
یہاں کے مدارس نہایت اعلیٰ تھے اور تعلیم کا انتظام بہت عمدہ تھا۔ بابا فرید گنج شکرؒ نے ۱۱۹۳ء میں وہاں فقہ کی تعلیم حاصل کی تھی۔ سیر الاولیار میں لکھا ہے:

"دریں ایام ملتان قبۃ الاسلام عالم بود، فحول علمار آنجا بودند"[5]

---

[1] خیر المجالس (قلمی نسخہ) [2] فتوح البلدان (مطبوعہ لیڈن) ص ۴۴۰ [3] سفرنامہ ابن حوقل (لیڈن) ص ۲۲۶ [4] بشاری (لیڈن) ص ۴۸۱ [5] سیر الاولیار۔ ص ۶۰

(۱) حکومت کی قائم کی ہوئی

(۲) خانقاہوں سے ملحق

(۳) مسجدوں سے ملحق

(۴) مزارات سے ملحق

(۵) انفرادی۔

حکومت کی قائم کی ہوئی درس گاہوں میں معزی مدرسہ اور ناصری مدرسہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ناصریہ مدرسہ ناصرالدین محمود کی یاد میں سلطان التمش نے بنوایا تھا۔ منہاج السراج رضیہ کے عہد میں اس مدرسہ کے پرنسپل تھے۔

"درماہ شعبان سنہ خمس وثلثین وست مأتہ سلطان رضیہ مدرسہ ناصریہ در حضرت منضم باقصائے کالیور بدین داعی مفوض فرمود"[1]

بختیار خلجی نے جب بہار کو فتح کیا تو وہاں بہت سے مدرسے قائم کیے[2]

ایبک اور التمش کے زمانہ میں ہندوستان میں چشتیہ اور سہروردیہ سلسلہ کی خانقاہیں قائم ہوئیں۔ سہروردیہ سلسلہ کی خانقاہوں کے ساتھ مدارس کا ذکر نہیں ملتا لیکن اس سلسلہ کے مشہور بزرگ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کو تعلیم کا بڑا شوق تھا اور انہوں نے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے نہایت قابل اساتذہ متعین کیے تھے اور ان کو معقول تنخواہیں دیتے تھے۔ چشتیہ سلسلہ کی خانقاہوں میں اعلیٰ مریدوں کی تعلیم کا انتظام رہتا تھا۔ بابا فریدؒ نے حضرت محبوب الٰہیؒ کو قرآن پاک کے چند پارے، تمہید ابو شکور سالمی اور عوارف المعارف کا درس دیا تھا[3]۔ دیگر مشائخ سلسلہ بھی تعلیم کا کچھ نہ کچھ اہتمام کرتے تھے۔

مسجدوں سے ملحق مدرسے اس زمانہ میں بڑی کثرت سے ہوتے تھے۔ تذکروں، ملفوظات اور تاریخوں میں اکثر جگہ ایسے مدرسوں کا ذکر ملتا ہے۔ حضرت شیخ قطب الدین

---

[1] طبقات ناصری۔ ص ۱۸۰۔ [2] ایضاً [3] سیر الاولیاء۔ ص ۱۰۶

جب غوریوں نے ہندوستان پر اپنا تسلط قائم کرلیا تو ملتان کی اہمیت میں اور اضافہ ہوگیا۔ ممالک اسلامی سے جو علمی قافلے ہندوستان میں داخل ہوتے تھے اُن کی پہلی منزل ملتان ہوتا تھا۔ پھر قباچہ کی علم دوستی نے بہت سے علمار کو وہاں کھینچ لیا۔ منہاج نے لکھا ہے:

"وچوں ممالک سند بروے قرار گرفت، در حوادث کفار چین، اکابر خراسان و غور و غزنین بسیار بخدمت او پیوستند و او در حق ہمگناں انعام و اکرام وافر فرمودہ"[1]

لب اللباب میں محمد عوفی نے بعض شعراء و علمار کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملتان کا علمی ماحول بے مثال تھا۔ شمس الدین محمد بلخی اعلیٰ درجے کے شاعر اور خطاط تھے۔ عوفی نے ان کو تاج الفضلا کے لقب سے یاد کرنے کے بعد لکھا ہے:

"در شعر عدیل انوری و در خط عطارد ش مشتری"[2]

ایک اور بزرگ اور عالم تھے جن کا نام فضلی ملتانی تھا۔ اُن کو جامع الصغیر حفظ یاد تھی۔ عوفی نے لکھا ہے۔

"جامع الصغیر قاضی امام فخر الدین ... را تمام یاد می دارد"[3]

قباچہ کے امام سدید الدین محمد عوفی تھے، عربی کے فاضل تھے۔ اُن کا عربی خطبہ لب اللباب میں نقل کیا گیا ہے[4]۔ انہوں نے سمرقند، خوارزم، نیشاپور، ہرات، غزنی وغیرہ کی سیاحت کی تھی۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع اور نظر بہت عمیق تھی۔

التمش نے جب ملتان پر قبضہ کرلیا تو وہاں کی پہلی علمی رونق ختم ہوگئی لیکن جب سلطان غیاث الدین بلبن نے اپنے بیٹے شہزادہ محمد کو وہاں بھیجا تو پھر ایک بار یہاں محفلیں گرم ہوگئیں۔ شہزادہ محمد مکارم اخلاق اور محاسن اوصاف میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا۔ علم و فضل

---

[1] طبقات ناصری۔ ص ۱۴۳ [2] لب اللباب جلد دوم۔ ص ۳۲۱۔ [3] ایضاً ص ۳۲۳

[4] لب اللباب جلد اول ص ۱۱۵-۱۱۶۔

سب سے زیادہ شخص تھا۔ اس نے ملتان کو علماء و فضلا کا مرکز بنا دیا۔ حضرت امیر خسروؒ، خواجہ حسن سجزیؒ سب سے پہلے اُسی کے دربار سے منسلک ہوئے اور اپنے شاعرانہ کمالات کی داد پائی۔ شہزادہ محمد کی مجلس میں زیادہ تر شاہنامہ، دیوانِ خاقانی و انوری، خمسہ نظامی پڑھے جاتے تھے۔ اُس نے دو بار اپنے خاص آدمی اور قیمتی تحائف شیخ سعدیؒ کے پاس بھیج کر ملتان آنے کی درخواست کی لیکن شیخ نے پیرانہ سالی کا عذر کیا۔[۱]

عہد بلبنی کے علماء سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانہ میں جب ہلاکو کی خون آشام فوجوں نے بغداد میں آگ اور خون کا ہنگامہ برپا کیا تو اس علاقہ کے باقی ماندہ علماء بھی وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔ بلبن نے اس برگشتہ قسمت علمی قافلہ کو خوش آمدید کہا اور اس طرح ہندوستان کی علمی دنیا کی رونق دوبالا ہوگئی۔ دہلی بغداد اور قرطبہ کی ہمسری کا دعویٰ کرنے لگی۔ ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے:

"ہم در عصر بادشاہی سلطان بلبن چندیں علماء سرآمدہ کہ از نوادرِ استاداں بودند بر سر افادت سبق می گفتند ..... ہر یکے از ایشاں اقلیمے را بیارائیدی پیراستہ بودند"[۲]

برنی نے بالخصوص ان علماء کے نام گنائے ہیں۔

(۱) مولانا برہان الدین بلخ	(۷) قاضی شمس الدین مراجی
(۲) مولانا برہان الدین بزاز	(۸) قاضی رکن الدین سامانہ
(۳) مولانا نجم الدین دمشقی شاگرد مولانا فخر الدین رازی	(۹) قاضی جلال الدین کاشانی پسر قاضی قطب کاشانی۔
(۴) مولانا سراج الدین سجزی	(۱۰) قاضی سدید الدین
(۵) مولانا شرف الدین ولوالجی	(۱۱) قاضی ظہیر الدین
(۶) قاضی رفیع الدین گازرونی	(۱۲) قاضی جلال الدین

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۶۸ [۲] ایضاً۔ ص ۱۱۱-۱۱۲۔

ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ علوم دینی کا ستون تھا لیکن افسوس ہے کہ ان علماء کے تفصیلی کارنامے کسی تذکرہ میں نہیں ملتے۔

عہد بلبنی کے ایک مشہور عالم اور بزرگ مولانا کمال الدین زاہدؒ تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے اُن سے مشارق الانوار کا درس لیا تھا۔ مولانا کے زہد و ورع، تقویٰ و دیانت کی شہرت سن کر بلبن نے ان سے امامت قبول کرنے کی درخواست کی۔ مولانا نے جواب دیا:-

"ما را جز نماز چیزے دیگر نماندہ است، اکنوں بادشاہ چہ می خواہد کہ ایں ہم از ما بر بود"[1]

بلبن مولانا کا یہ جواب سن کر دم بخود رہ گیا۔

اسی عہد کے ایک اور بزرگ شیخ نور الدین ملک یار پرانؒ تھے۔ اُن کا حال شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اخبار الاخیار[2] میں لکھا ہے

ہندوستان میں علوم اسلامی کا عہد زریں

سلطان علاء الدین خلجی کا عہد حکومت، اسلامی ہند کی سیاسی، علمی اور تمدنی تاریخ کا سب سے زیادہ تابناک باب ہے۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کے سیاسی، مذہبی اور تمدنی ادارے مشکلات و مصائب کے ابتدائی منازل طے کرنے کے بعد اپنے پورے شباب پر پہنچ گئے تھے۔ معاصر مورخ ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں دار الملک دہلی میں ایسے علماء اور ماہرین فن موجود تھے کہ بخارا، سمرقند، بغداد، مصر، خوارزم، دمشق، تبریز، رے، روم وغیرہ میں ان کا ثانی تلاش کرنا ممکن نہ تھا۔ علوم اسلامی کا ہر گوشہ منقولات و معقولات کا ہر پہلو — تفسیر، فقہ، اصول فقہ، اصول دین

---

[1] سیر الاولیاء، ص ۱۰۶، اخبار الاخیار، ص ۶۱۔ [2] اخبار الاخیار، ص ۷۱-۷۲۔

ضیاء الدین برنی نے ان کا نام عہد بلبنی کے مشہور مشائخ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ، شیخ صدر الدین، شیخ بدر الدین غزنویؒ، دیپ سالار، سیدی مولا کے ساتھ لکھا ہے۔

(ص ۱۱۲)

نحو، لغت، بیان، کلام، منطق — اُن پر روشن تھا۔ اور

"ہر سالے چندیں طالبان علم ازاں استاداں برآمد، بدرجۂ افادت می رسیدند و مستحق جواب دادن فتویٰ می شدند" [۱]

برنی کا کہنا ہے کہ ان میں بعض استاد تو ایسے تھے کہ حضرت امام غزالی اور امام فخر الدین رازی کے مرتبہ کو پہنچے تھے۔ ان کے کمالات اگر درج کیے جائیں تو

"ہر یکے مجلدے بنویسم مُقصِر باشم" [۲]

حد یہ ہے کہ بخارا، سمرقند، خوارزم اور عراق کے علماء کی تصانیف اس وقت معتبر سمجھی جاتی تھیں جب ہندوستان کے علماء ان پر مہر توثیق ثبت کر دیتے تھے۔ لکھا ہے:

"اگر استادان شہر آں تصنیف را استحسان و اعتبارے کردندے معتبر شدے والا مہجور ماندے" [۳]

دہلی میں ہر روز وعظ و تذکیر کا ہنگامہ گرم رہتا تھا۔ مولانا عماد الدین حسام درویش کی "الحان جان نواز" کا یہ حال تھا کہ —

"نہ چشمے دیدہ ...... نہ گوشے شنیدہ" [۴]

بیس سال تک اُن کی مجلسوں میں دانشمندوں، کاملوں، فاضلوں اور شاعروں کے ہجوم لگے رہے۔ اسی زمانہ میں مولانا حمید، مولانا لطیف مقری اور ان کے بیٹوں نے تذکیر کی محفلیں سجائیں۔ مولانا لطیف کی قرآن خوانی کا یہ عالم تھا کہ

"مرغ از آسمان فرود آمدے" [۵]

دیگر مذکرین میں مولانا ضیاء الدین سنامی [۶]، مولانا شہاب الدین خلیلی، مولانا کریم الدین

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۳۵۳ [۲] ایضاً ص ۳۵۴ [۳] ایضاً ص ۳۵۵ [۴] ایضاً ص ۳۵۵، ۵۶
[۵] ایضاً ص ۳۵۵-۳۵۶۔ [۶] انہوں نے ایک کتاب "نصاب الاحتساب" لکھی تھی۔ شیخ نظام الدین اولیاء کے مخالف تھے۔ سماع پر اعتراض کیا کرتے تھے۔ جب مرض موت میں مبتلا ہوئے تو شیخ نظام الدین اولیاء ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ مولانا کو اطلاع ہوئی تو اپنا دستار چہ (بقیہ بر صفحہ ۲۴)

مولانا جلال حسام درویش، اور مولانا بدرالدین پنھوکھودی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ عہد علائی کے مذکرین و علما، حکومت وقت سے بے تعلق رہے۔ اور نیک نیتی کے ساتھ عوام کی اصلاح و تربیت کے لیے کوشش کرتے رہے۔

عہد علائی کے علماء

ضیاء الدین برنی نے اپنے عہد کے مندرجہ ذیل علماء کی فہرست دی ہے:-

(۱) قاضی فخرالدین ناقلہ
(۲) قاضی شرف الدین سرباہی
(۳) مولانا نصیرالدین غنی
(۴) مولانا تاج الدین مقدم
(۵) مولانا ظہیرالدین لنگ
(۶) قاضی مغیث الدین بیانہ
(۷) مولانا رکن الدین سنامی
(۸) مولانا تاج الدین کلاہی
(۹) مولانا ظہیرالدین بھکری
(۱۰) قاضی محیی الدین کاشانی
(۱۱) مولانا کمال الدین کولی
(۱۲) مولانا وجیہ الدین پائلی
(۱۳) مولانا منہاج الدین قاینی
(۱۴) مولانا نظام الدین کلاہی
(۱۵) مولانا نصیرالدین کٹرہ
(۱۶) مولانا نصیرالدین صابونی
(۱۷) مولانا علاء الدین تاجر
(۱۸) مولانا کریم الدین جوہری
(۱۹) مولانا حجت ملتانی
(۲۰) مولانا حمیدالدین مخلص
(۲۱) مولانا برہان الدین بھکری
(۲۲) مولانا افتخار الدین برنی
(۲۳) مولانا حسام الدین سرخ
(۲۴) مولانا وحیدالدین طمو
(۲۵) مولانا علاء الدین کرک
(۲۶) مولانا حسام الدین ابن شادی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۳) راستہ میں بچھوا دیا۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے دستارچہ کو اٹھا کر آنکھوں سے لگالیا جب مولانا ضیاء الدین کا انتقال ہوگیا تو نہایت رنج کے ساتھ فرمایا۔

"یک ذات بود حامی شریعت حیف آں نیز نماند" (اخبار الاخیار۔ ص ۱۰۸)

(۲۷) مولانا حمید الدین بنیانی
(۲۸) مولانا شہاب الدین ملتانی
(۲۹) مولانا فخر الدین ہانسوی
(۳۰) مولانا فخر الدین سعاقل
(۳۱) مولانا صلاح الدین سترکی
(۳۲) قاضی زین الدین ناقلہ
(۳۳) مولانا وجیہ الدین رازی
(۳۴) مولانا علاء الدین صدر الشریعۃ
(۳۵) مولانا میراں ماریکلہ
(۳۶) مولانا نجیب الدین ساری
(۳۷) مولانا شمس الدین تم
(۳۸) مولانا صدر الدین گندہک
(۳۹) مولانا علاء الدین لوہوری۔
(۴۰) مولانا شمس الدین یحییٰ
(۴۱) قاضی شمس الدین گازرونی
(۴۲) مولانا صدر الدین تادی
(۴۳) مولانا معین الدین لونی
(۴۴) مولانا افتخار الدین رازی
(۴۵) مولانا معز الدین اندیسنی
(۴۶) مولانا نجم الدین انتشار

اس فہرست میں علماء کی وطنی نسبت پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے کتنے بزرگ بیانہ، بھکر، کول، کڑہ، ملتان، برن، ہانسی، سترکھ، لاہور وغیرہ سے تعلق رکھتے تھے! اب سرزمین ہند کی علمی فضا اس قابل ہوگئی تھی کہ رازی و غزالی کے پایہ کے عالم پیدا کرسکے!

عہد خلجی کا نصاب تعلیم اور مروجہ کتابیں

مولانا سید عبد الحئی مرحوم نے دور اول کا مندرجہ ذیل نصاب بتایا ہے[1]:-

نحو: کافیہ، لب الالباب مصنفہ قاضی ناصر الدین بیضاوی

فقہ: ہدایہ

اصول فقہ: منار، اصول بزدوی

تفسیر: مدارک، بیضاوی، کشاف۔

[1] رسالہ الندوہ۔ فروری ۱۹۰۹ء۔ ص ۷-۸

تصوف، عوارف، فصوص

حدیث: مشارق الانوار اور مصابیح السنہ

ادب: مقامات حریری۔

منطق: شرح شمسیہ

فن کلام: شرح صحائف، تمہید ابو شکور سالمی۔

لیکن یہ فہرست مکمل نہیں ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ بہت سی اور کتابیں بھی اس زمانے میں لوگوں کے مطالعہ میں رہتی تھیں؛ گو باقاعدہ طریقے پر نصاب میں شامل نہ تھیں۔ معاصر تذکروں، تاریخوں اور ملفوظات کی بنیاد پر ہم مندرجہ ذیل فہرست پیش کرتے ہیں تاکہ اس عہد کے مسلمانوں کے عام دینی اور علمی رجحانات کا اندازہ ہو سکے۔

(۱) قوت القلوب
(۲) احیاء العلوم
(۳) رسالہ قشیری
(۴) مکتوبات عین القضاۃ
(۵) مرصاد العباد
(۶) لوائح، قاضی حمید الدین ناگوری
(۷) تفسیر امام ناصری۔
(۸) نوادر الاصول، مولانا علاء الدین ترمذی۔
(۹) روح الارواح
(۱۰) مقصد الاقصیٰ
(۱۱) اسناد حلیہ، شیخ عبداللہ تستری
(۱۲) کیمیائے سعادت
(۱۴) تحفۃ الشباب
(۱۵) تفسیر مدارک
(۱۶) نہج البلاغۃ
(۱۷) کنز الادب
(۱۸) تفسیر حقائق
(۱۹) فقہ معقول
(۲۰) اخبار الاخیار
(۲۱) مصباح الدجیٰ
(۲۲) سیر الملوک
(۲۳) تعرف
(۲۴) مکتوبات مولانا فخر الدین

(۲۵) قدوری (۲۷) تذکرۃ الاولیاء

(۲۶) مجمع البحرین (۲۸) خمسہ نظامی

عہدِ تغلق میں اسلامی علوم کی حالت

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے عہد تغلق میں علمی معیار کے گر جانے کی شکایت کی ہے اور لکھا ہے کہ گو اس زمانے میں بہت سے علماء موجود تھے لیکن عہد علائی کی سی رونق نہ تھی[1] اس انحطاط کے باوجود دہلی کا جو علمی ماحول تھا وہ کسی طرح ایسا نہ تھا کہ اس پر افسوس کیا جائے۔ عرب سیاحوں کا بیان ہے کہ محمد بن تغلق کے زمانے میں صرف دہلی میں ایک ہزار مدرسے تھے[2]۔ فیروز شاہ کا مدرسہ مشرق کی اعلیٰ ترین درس گاہوں میں تھا۔ دور دور سے لوگ اس کو دیکھنے کے لیے آتے تھے۔ سیرت فیروز شاہی میں لکھا ہے ؎

انپے نظارہ دیدار او شرق و غرب

کارواں در کارواں و قافلہ در قافلہ[3]

طلباء کے قیام و طعام کا نہایت عمدہ انتظام تھا۔ جید علماء درس و تدریس کا کام انجام دیتے تھے۔ مطہر حوض خاص کی سیر کے بعد جب مدرسہ کے باغ میں پہنچتا ہے تو دیکھتا ہے کہ

صحن او روح فزا ساحت او جاں پرور — خاک او مشک فشاں نکہت او عنبر بار

سبزہ و سنبل و ریحاں و گل و لالہ درو — رستہ و آراستہ چنداں کہ کند چشم تو کار

بام و بر جش جدا آراستہ چوں روئے عروس — در و دیوار جلا دادہ بطلق آئینہ وار

مدرسہ میں جب داخل ہوتا ہے تو دیکھتا ہے :-

چوں در آمد در ش دیدم داں جنت خلد — قاصداں (فاضلاں) صف زدہ ہر سوئے ملائک کردار

عالمان عربی لفظ و عراقی دانش — ہمہ در جبہ شامی و بصری دستار

---

[1] فہرس التوالیف (قلمی) [2] صبح الاعشیٰ

[3] سیرت فیروز شاہی (قلمی نسخہ) نیز ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۵۶۴ - ۵۶۵ -

هر یکے نادرۂ دہر در انواع ہنر | هر یکے واسطۂ عقل در اطراف دیار
در فصاحت بخارا و سمرقند نشاں | در بلاغت حجاز و یمن و نجد و منار
صدر آں محفل و سر دفتر آں استادے | کز سر تا بقدم صورت عظمت و وقار
مفتخر ایں عالم آفاق جلال الدین است | رومی، آن کز نسبش سے کند و رم فخار
راوی ہفت قرأت سند چاردہ علم | شارح نہج سنن مفتی مذہب ہر چار
پس شنیدیم ز گفتارش انواع علوم | اخذ کردیم ز تفسیر و اصول و اخبار

اس کے بعد کھانے کا حال لکھا ہے کہ

ہمہ دراج و کبوتر بچہ و کبک و کلنگ | ماہی و مرغ مسمن برہ کوہ و قفار[1]

عہدِ تغلق کے علماء

عہدِ تغلق میں بعض نہایت مشہور علماء اور شعراء موجود تھے۔ جن کی علمی کاوشوں نے اس دور کو بڑی رونق بخش دی تھی۔

مولانا معین الدین عمرانی اس زمانہ کے جید عالم تھے۔ شیخ محدثؒ نے ان کے متعلق لکھا ہے:

"دانشمندے عظیم و استاد شہر بود"[2]

انہوں نے کنز، حسامی، مفتاح وغیرہ پر حواشی لکھے تھے۔ محمد بن تغلق نے ان کو شیراز قاضی عضد کے پاس بھیجا تھا اور ہندوستان آنے کی دعوت دی تھی اور متن مواقف کو اپنے نام معنون کرنے کی درخواست بھی کی تھی۔

اس دور کے ایک اور مشہور عالم مولانا ضیاء الدین نخشبیؒ تھے۔ انہوں نے بدایوں کے ایک گوشہ میں اپنی زندگی گزار دی اور کبھی عزت و شہرت کے خواہاں نہ ہوئے۔ انہوں نے اپنے دل کی دنیا "سوز و مستی، جذب و شوق" سے تعمیر کی تھی۔ ان کی دعا تھی [3]

[1] دیوان مطہر۔ اورینٹل کالج میگزین۔ مئی ۱۹۳۵ء۔ ص ۱۳۷-۱۳۸۔
[2] اخبار الاخیار۔ ص ۱۳۲۔
[3] ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون "مولانا ضیاء الدین نخشبی" مطبوعہ "برہان" نومبر ۱۹۵۱ء

خدایا اہل دل را ذوق دل دہ   ضیائے بخشی را شوق دل دہ

انہوں نے مندرجہ ذیل تصانیف چھوڑی ہیں ۔

(۱) طوطی نامہ   (۲) شرح دعائے سریانی

(۳) چہل ناموس   (۴) سلک السلوک

(۵) گلریز   (۶) لذات النسا

ان کتابوں سے اُن کی معلومات کی وسعت ، مذہبی معاملات میں ان کی بالغ نظری اور بیدار احساس کا اندازہ ہوتا ہے ۔

مولانا احمد تھانیسری اس دور کے ایک اور جید عالم ہیں ۔ وہ حضرت چراغ دہلوی کے مرید تھے ۔ جب تیمور نے حملہ کیا تو وہ گرفتار ہو کر تیمور کے پاس پہنچے ۔ وہاں شیخ الاسلام نبیرہ مولانا برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ سے سخت گفتگو ہوئی اور مولانا تھانیسری نے اپنے شاگردوں سے صاحب ہدایہ کی غلطیوں پر تقریر کرائی[1] عربی زبان پر اُن کو بڑا اچھا عبور حاصل تھا ۔ ایک قصیدہ نعتِ رسول میں لکھا تھا جو فصاحت و بلاغت میں لاجواب ہے ۔

مولانا تھانیسری کے ایک مشہور ہم عصر مولانا خواجگی تھے ۔ اُن کو مولانا معین الدین عمرانی سے تلمذ تھا ۔ ان کے شاگرد قاضی شہاب الدین دولت آبادی تھے جنہوں نے بدائع البیان ، حاشیہ کافیہ ، شرح بزودی ، تفسیر بحر مواج وغیرہ تصنیف فرمائی تھیں ۔

عہد تغلق کے مورخین میں مولانا ضیاء الدین برنی[2] اور عصامی[3] خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ شعراء میں مطہر[4] ، یوسف گدا[5] ، بجشی ، بدر چاچ[6] ، مسعود بک[7] وغیرہ امتیازی شان

[1] اخبار الاخیار ۔ ص ۱۴۲-۱۴۳   [2] مصنف تاریخ فیروز شاہی ، فتاوائے جہانداری ، حسرت نامہ ، ثنائے محمدی وغیرہ ۔   [3] مصنف فتوح السلاطین (مرتبہ ڈاکٹر مہدی حسن آگرہ ، نیز محمد یوشع مدراس)

[4] دیوان ۔ اورینٹل کالج میگزین ۱۹۳۵ء   [5] مصنف تحفۃ النصائح (مطبع نور لاہور ۱۲۸۴ھ)

[6] قصائد بدر چاچ (نولکشور ۱۸۷۴ء)   [7] حالات کے لیے ملاحظہ ہو اخبار الاخیار ۔ ص ۱۶۴-۱۶۷ ۔

کے مالک تھے۔ علماء و شعراء کثیر تعداد میں ہندوستان

محمد بن تغلق کے زمانہ میں ممالک اسلامی سے علماء و شعراء کثیر تعداد میں ہندوستان آئے۔ امام ابن تیمیہؒ کے شاگرد امام عبدالعزیز اردبیلی نے محمد بن تغلق کے دربار میں احادیث نبوی بیان کیں۔[1] قاموس کے مصنف مولانا مجدالدین فیروزآبادی اسی زمانے میں ہندوستان آئے۔

مشائخ کے ملفوظات کے بعض مستند اور قابل قدر مجموعے اسی زمانے میں مرتب ہوئے۔ امیر خورد نے سیرالاولیا، حمید قلندر نے خیرالمجالس، شیخ عزیز نے سرور الصدور، حماد کاشانی نے احسن الاقوال اسی زمانے میں ترتیب دیں۔

لودیوں کے عہد میں علوم اسلامی کی نوعیت

تیمور کے حملے (۱۳۹۹ء) نے شمالی ہندوستان بالخصوص دہلی کی علمی مجلسوں کو درہم برہم کر دیا۔ علماء و مشائخ دہلی کو چھوڑ کر مختلف صوبوں میں چلے گئے۔ سکندر لودی نے اس اُجڑی بزم کو از سر نو سنوارنے کی کوشش کی اور مشاہیر علماء کو دور دور سے بلا کر یہاں بسایا۔ شیخ عبدالحق محدثؒ لکھتے ہیں۔

"... اسکندریہ کہ زمان صلاح و تقوی و ورع و دیانت و امانت بود و بسیارے از اکابر و علماء از اطراف و اکناف عالم از عرب و عجم دراں زماں تشریف آوردہ دریں دیار توطن فرمودند"[2]

سکندر لودی کے زمانہ میں ملتان پر جب لنگا خاندان برسر اقتدار آیا تو وہاں کے بہت سے علماء اس طرف رجوع ہو گئے۔ شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ نے سنبھل میں قیام کر لیا تھا۔ سکندر لودی شیخ عبداللہ کا بڑا احترام کرتا تھا اور اُن کے حلقہ درس میں شریک

---

[1] ابن بطوطہ۔ (عجائب الاسفار۔ ص ۱۲۰)

[2] اخبار الاخیار۔ ص

ہوتا تھا۔ ان دونوں بزرگوں نے علم معقول کو بہت ترقی دی اور معیار فضیلت کو بلند کرنے کے لیے قاضی عضد کی تصانیف مطالع و مواقف اور سکاکی کی مفتاح العلوم کو درس میں شامل کیا۔ اس کے بعد یہ کتابیں نصاب کا خاص جزو بن گئیں۔

اسی زمانہ میں مولانا رفیع الدین صفوی شیرازیؒ دہلی تشریف لائے اور عرصہ دراز تک درس تدریس کا ہنگامہ برپا رکھا۔ شیخ عبدالحق ان کے متعلق لکھتے ہیں "دانشمند بود و محدث" وہ معقولات میں مولانا جلال الدین دوانی کے اور حدیث میں شیخ سخاویؒ کے شاگرد تھے۔ مولانا جمالیؒ لودیوں کے زمانے میں بیشتر اسلامی ممالک کی سیاحت کے بعد ہندوستان واپس آئے اور مشائخ ہند کے حالات میں سیر العارفین تصنیف فرمائی۔ جو سیر الاولیاء اور اخبار الاخیار کے درمیان ایک اہم اور معتبر کڑی سمجھی جاتی ہے۔ جمالی کے مرشد مولانا سماء الدینؒ بھی جید عالم تھے۔ شیخ فخر الدین عراقی کی لمعات پر فاضلانہ حاشیہ لکھا تھا۔ اُن کی ایک اور تصنیف مفتاح الاسرار ہے۔

شیخ عبدالوہاب بخاری ملتان کے مشہور عالم تھے۔ سکندر لودی کے عہد میں دہلی آکر بس گئے تھے۔ سلطان کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ انہوں نے ایک تفسیر بھی لکھی تھی جس کے متعلق شیخ محدثؒ کا بیان ہے:۔

"... تفسیر یست کہ اکثر قرآن بلکہ تمام آنرا ارجاع بنعت پیغمبر و ذکر او کردہ صلی اللہ علیہ وسلم و بسیارے از دقائق عشق و اسرار محبت درانجا درج کردہ است غالباً وقوع آں در غلبہ حال و استغراق وقت بودہ است و بداں جہت در بعضے مواضع جانب ظاہر لفظ و عبارت نا مرعی ماندہ است" [4]

سکندر لودی کے زمانہ میں شاہ جلال شیرازی مکہ معظمہ سے آکر دہلی میں مقیم ہو گئے۔ انہوں نے

---

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۲۴۳-۲۴۴ [2] حالات کے لیے اخبار الاخیار۔ ص ۲۲۱-۲۲۲

[3] حالات کے لیے ملاحظہ ہو اخبار الاخیار۔ ص ۲۰۵-۲۰۷ [4] ایضاً۔ ص ۲۰۹-۲۱۴

گلشن راز پر نہایت اعلیٰ شرح لکھی تھی۔ مثنوی مولانا روم کے اسرار و غوامض دلکش انداز میں بیان کرتے تھے[1]۔ شاہ شیخ ادہن دہلوی جو شیخ عبدالحق لودیوں کے زمانہ کے چند اور بزرگ بھی قابل ذکر ہیں۔ مثلاً شیخ ادہن دہلوی جو شیخ عبدالحق کے نانا تھے، اور علم و فضل، زہد و ورع میں ممتاز تھے[2] اور مولانا شعیب جن کے متعلق شیخ محدث کا بیان ہے —

"در وعظ و تذکیر بے نظیر زماں خود ..... جمیع اکابر و علمائے شہر دریائے وعظ او حاضر شدندے و اکثر از موالی و اہالی شہر در ابتداء شاگرد او بودند"[3]

گزشتہ صفحات میں ہم نے اسلامی ہند کے عام علمی ماحول کا ایک سرسری جائزہ لیا ہے — کیا قرون وسطیٰ کے اس تعلیمی نظام میں قرآن و حدیث کے لیے کوئی جگہ نہ تھی؟ کیا یہ سب علماء قرآن و حدیث سے یکسر ناآشنا تھے؟ — اللہ اللہ علم و دانش کی کرشمہ سازیاں کہ مسلمانوں کی ایک مشہور تعلیمی درس گاہ کے فارغ التحصیل[4] نے اسلامی ہند کی سات سو سالہ تاریخ پر نظر ڈالی اور اس کو ظلمت ہی ظلمت نظر آئی۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

آیئے ہندوستان میں قرآن و حدیث اور فقہی علوم کا جائزہ لیں تاکہ شیخ محدثؒ سے قبل کا پورا دینی ماحول ہماری آنکھوں کے سامنے آجائے۔

علوم قرآن

قرآن پاک ہمیشہ مسلمانوں کے لیے غور و فکر کا مرکزی نقطہ رہا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جن علوم کو بھی مسلمانوں نے ترقی دی وہ کسی نہ کسی طرح قرآن ہی سے متعلق تھے۔

---

[1] اخبار الاخیار ص ۲۱۲۔ [2] ایضاً۔ ص ۲۱۸-۲۱۹ [3] ایضاً۔ ص ۲۱۹

[4] "الفرقان" (شاہ ولی اللہ نمبر) مسعود عالم ندوی کا مضمون۔

(۱) ہندوستان میں مسلمان بچوں کی تعلیم کی ابتدا ہمیشہ قرآن پاک سے ہوئی ہے۔ اور اس کے حفظ کرنے اور قرات کے لیے بڑے اہتمام کیے گئے ہیں۔ علوم قرآن کے جس حصہ نے سب سے زیادہ ترقی کی ہے وہ علم قرات ہے۔ عرب میں قرآن پڑھنے کے سات طریقے رائج تھے۔ ہندوستان میں یہ سب طریقے پہنچے۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ نے اور دیں سات طرح کی قرات سیکھی تھی۔ لکھا ہے

"حضرت شیخ حفظ قرآن با ہفت قراۃ از بر داشت"۔[1]

ضیاء الدین برنی نے عہد علائی کے تین ماہرین قرأت کے نام گنانے کے بعد لکھا ہے کہ شہر کے سیکڑوں حافظ اُن سے اپنی قرأت درست کرتے تھے اور

"مثل ایشاں در خراسان و عراق نشان ندادہ اند"[2]

ان کے نام یہ ہیں :-

(۱) مولانا جمال الدین شاطبی

(۲) مولانا علاء الدین مقری

(۳) خواجہ زکی خواہر زادہ حسن بصری۔

فیروز شاہ کے مدرسہ کا حال پیچھے گزر چکا ہے۔ اس کے پرنسپل مولانا جلال الدین رومی راوی ہفت قرأۃ" تھے[3]۔ گلزار ابرار میں شیخ عبد الملک قاری کا حال اس طرح لکھا ہے:-

"آپ کلام ربانی کو سات قراۃ اور چودہ روایت سے پڑھتے تھے اور ہمیشہ سب کو خواہ درویش ہو یا تونگر حسبۃ للہ قرآن اور قراۃ سکھایا کرتے تھے۔ اسی پسندیدہ طریقے کے ساتھ ایام عمر پورے کر دیے اور دار الخلافہ آگرہ میں خواب گاہ اختیار کی۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند شیخ محمد قرآن کے شوقین لوگوں کے ساتھ باپ کا طریقہ اختیار

---

[1] سیر العارفین، ص ۱۰۳۔ [2] تاریخ فیروز شاہی، ص ۳۵۵

[3] دیوان مظہر (اورنٹیل کالج میگزین، مئی ۱۹۳۵ء)

کرکے جانشین ہوئے[۱]

صوفیہ میں شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ قراٰۃ کے ماہر تھے اور اپنے اعلیٰ مریدین و خلفاء کو قرآن بہت دلکش انداز میں پڑھاتے تھے[۲] شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے امام شیخ شہاب الدینؒ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ کی خوش الحانی سے پرندے اور چرندے تک مدہوش ہو جاتے تھے[۳] آخری زمانہ کے علماء میں شیخ عبدالوہاب متقیؒ فن قراٰۃ اور تجوید کے ماہر اُستاد تھے۔ شیخ محدث نے ایک بزرگ شیخ سلیمان مندوی کے متعلق لکھا ہے کہ "در تجوید قرآن یگانہ عصر بود[۴] شیخ عبدالقدوس گنگوہی کو ان سے تلمذ تھا۔

ماہرین قراٰت کے یہ نام بلا کسی تلاش اور کوشش کے پیش کر دیے گئے ہیں۔ اگر مذہبی تذکروں اور ملفوظات سے اُن بزرگوں کے نام جمع کیے جائیں جن کو اس فن سے دلچسپی تھی تو یقیناً چند جزو کی فہرست مرتب ہو سکتی ہے۔ یہاں ہمارا مقصد صرف یہ دکھانا تھا کہ علوم قرآنی کی یہ شاخ ہندی مسلمانوں کی خاص توجہ کا مرکز رہی ہے۔

(۲) تجوید و قراٰت سے گزر کر جب ہم تفسیر کی طرف رخ کرتے ہیں اور ہندی مسلمانوں کے دینی سرمایہ کا جائزہ لیتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور اُن کے گھرانے سے پہلے قرآن فہمی کا عام چرچا ہندوستان میں کبھی نہیں ہوا۔ تفسیر کی جو کتابیں اس سے پہلے لکھی گئیں اُن کی افادیت کا دائرہ علماء تک محدود رہا۔ عوام ان سے استفادہ نہ کر سکے۔

قرآن کا سب سے پہلا ترجمہ ہندوستان میں سندھی زبان میں ہوا۔ یہ ترجمہ ۲۷۰ھ میں اروڑ کے راجہ کے لیے کیا گیا تھا[۵]۔ اس کے بعد شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے ایک عزیز

---

[۱] گلزار ابرار۔ ص ۱۳۶۔ [۲] سیر الاولیاء۔ بابا فریدؒ نے چند پارے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو پڑھائے تھے وہ کہتے تھے کہ "ولاالضالین" کی قراٰۃ جس طرح بابا صاحب کرتے تھے اس طرح کسی کو بھی کرتے ہوئے نہیں سنا۔ [۳] سیر الاولیاء۔ ص ۲۹۰-۲۹۱۔ [۴] اخبار الاخیار۔ ص ۲۱۵۔

[۵] عجائب الہند۔ ص ۳۔ بحوالہ تاریخ سندھ۔ مولانا سید ابوظفر ندوی (۱۹۴۷ء)

مرید اور خواہرزادہ خواجہ قاسم نے لطائف التفسیر لکھی تھی۔ اس تفسیر کا مقصد یہ تھا:

"تا منافع بخاص وعام رسد ومطالع آں بر اسرار قرآن و دقائق فرقان مطلع گردند" [۱]

اس تفسیر کا کوئی نسخہ نظر سے نہیں گزرا۔

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ سے قبل علوم قرآنیہ پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) الرسالۃ فی الناسخ والمنسوخ: امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ نے لکھا تھا۔ اس کا قلمی نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں ہے۔

امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ (۱۳۸۴ء) شیخ علاء الدولہ سمنانیؒ کے مرید تھے۔ ترک وطن کر کے سیدوں کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ کشمیر چلے آئے تھے اور وہیں ۱۳۸۴ء میں وصال فرمایا۔ [۲]

(۲) خلاصۃ جواھر القرآن فی بیان معانی القرآن: مولانا ابو بکر اسحاق ملتانی المعروف بہ ابن التاج کی تصنیف ہے۔ قلمی نسخہ برلن کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ [۳]

مولانا ابن التاج کا حال کتابوں میں نہیں ملتا۔ لیکن مسالک الابصار مصنفہ شہاب الدین العمری سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی کافی شہرت تھی۔ العمری نے ان کے بیانات کو بڑی وقعت سے نقل کیا ہے۔ [۴]

(۳) تبصیر الرحمٰن و تیسیر المنان: تصنیف شیخ علی بن احمد المہائمی (۱۴۳۲ء)

گجرات کے علماء میں شیخ علی مہائمیؒ کو خاص مرتبہ حاصل ہے۔ مولانا سید عبد الحئی مرحوم نے لکھا ہے:

"میرے نزدیک ہندوستان کے ہزار سالہ دور میں، شاہ ولی اللہ دہلوی کے سوا حقائق نگاری میں اُن کا کوئی نظیر نہیں" [۵]

---

[۱] سیر الاولیاء، ص ۲۰۷ [۲] حالات کے لیے ملاحظہ ہو نفحات الانس، سفینۃ الاولیاء، ص ۱۰

[۳] فہرست مرتبہ اطورٹ ۔ ۸۷۶ [۴] مسالک الابصار، ص ۴۲ (انگریزی ترجمہ) [۵] یاد ایام، ص ۵۲۔

اس تفسیر کے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی رائے یہ ہے:-

"و تفسیر رحمانی کہ بصفت ایجاز و تدقیق موصوف است و تفسیر را بقرآن امتزاج داده است"[۱]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ اس تفسیر کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتے تھے۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"کتاب تبصیر الرحمن کہ مرسل داشتہ بودند بعضے از مواضع آں را مطالعہ نمودہ واپس فرستاد، کہ مصنف این کتاب خیلے میل بمذہب فلاسفہ دارد و نزدیک است کہ حکما را عدیل انبیاء سازد ... مطالعہ ایں کتاب بے ضرر رائے خفیہ بلکہ جلیہ نیست۔ لہٰذا ایں معنی لازم دانست بجہد کلمہ متصدع گشت"

شیخ مہائمی فصوص الحکم پر گہری نظر رکھتے تھے اور وحدت الوجود کے پرجوش علمبردار تھے۔ ممکن ہے کہ شیخ مجددؒ کو ان کے نظریات سے اس بنا پر بھی اختلاف ہو۔

(۴) بحر مواج: قاضی شہاب الدین دولت آبادی۔

قاضی شہاب الدین اپنے زمانے کے مشاہیر علماء میں تھے[۲] ان کی یہ تفسیر قطعاً عام فہم نہ تھی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

"بحر مواج تفسیر قرآن مجید کردہ بعبارت فارسی و از روے بیان ترکیب و معنی فصل و وصل دادہ است و در رنگ نیز از برائے سجع تکلفے کردہ است، قابل اختصار و تنقیح و تہذیب ست"[۳]

(۵) شؤون المنزلات: شیخ علی متقیؒ[۴] (۱۵۶۷ء)

---

۱ اخبار الاخیار، ص ۱۰۲۔

۲ ان کے تفصیلی حالات کی تلاش ہو تو مندرجہ ذیل کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے — اخبار الاخیار، ص ۱۰۵، ۱۰۶۔ سبحۃ المرجان ص ۳۹، حدائق الحنفیہ، ص ۳۱۹۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔ جلد اول ص ۹۳۲۔

۳ اخبار الاخیار، ص ۱۰۵۔

۴ حالات کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ (د)

(۶) التفسیر المحمدی المسمی بکاشف الحقائق: ابو صالح محمد بن احمد میاں جی (م ۹۵۴ھ) احمد آباد کے مشاہیر علما میں تھے۔[1]

(۳) نصاب تعلیم میں تفسیر کی مندرجہ کتابیں رہی ہیں:

(۱) کشاف (۲) مدارک (۳) بیضاوی

ان کے علاوہ تین اور کتابوں کے حوالے ملتے ہیں:

(۱) تفسیر ناصری (۲) تفسیر زاہد (۳) تفسیر حقائق۔

ہندوستان میں علماء کی توجہ کا مرکز زیادہ تر تفسیر کشاف ہی رہی۔ شیخ حمید الدین ناگوری خلیفہ خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اس کو آٹھ جلدوں میں بندھوا لیا تھا تاکہ جس جزو کی ضرورت ہو اس کا مطالعہ آسانی سے کرلیں۔ اس تفسیر کے متعلق ان کی رائے بہت وقیع ہے۔ فرماتے ہیں:

"آنچہ در کتابہائے دیگر است ہم ازیں کتاب است، ہر چہ دانستہ اند خوش آمدہ است ازینجا نقل کردہ اند و کتابے علیحدہ بنام خویش کردہ اند"[2]

ہندوستان میں مدارک اور بیضاوی پر کئی حاشیے لکھے گئے۔ شیخ الہداد جون پوریؒ[3] (المتوفی ۹۲۳ھ) نے "حاشیہ علی المدارک التنزیل" خطیب ابو الفضل گجراتی (م ۹۵۱ھ) نے حاشیہ علی تفسیر البیضاوی[4] اور شیخ وجیہ الدین علویؒ نے حاشیہ علی بیضاوی لکھا۔

حقیقت یہ ہے کہ جہاں تک تفسیر کا تعلق ہے علماء ہند کشاف، بیضاوی اور مدارک سے آگے نہ بڑھ سکے۔

تفسیر زاہد کے متعلق سرور الصدور میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے اوچہ میں آئی[5] وہاں سے ملک کے دوسرے حصوں میں پھیلی۔

---

[1] حالات کے لیے تذکرۂ علمائے ہند۔ ص ۲۱۴ [2] سرور الصدور (قلمی نسخہ) ص ۴۳
[3] اخبار الاخیار۔ ص ۱۹۱-۱۹۲۔ [4] قلمی نسخے رامپور اور پشاور کے کتب خانوں میں موجود ہیں
[5] سرور الصدور۔ ص ۷۱۔

علم حدیث

بعض مصنفین کا خیال ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے پہلے ہندوستان کے مسلمان علم حدیث سے نا آشنا تھے اور مشارق الانوار کے علاوہ کسی حدیث کی کتاب سے واقفیت نہ رکھتے تھے۔ یہ خیال غلط ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان دونوں بزرگوں نے حدیث کا بے حد چرچا کیا اور عوام کے استفادہ کے لیے بہتر طریقے پر ان علوم کی اشاعت کی، لیکن یہ کہنا کہ اُن سے پہلے علم حدیث یا حدیث کی کتابیں ہندوستان میں نہ تھیں تاریخی حقایق کے خلاف ہے۔ اسلامی ہند نے اپنے ابتدائی دور میں سیکڑوں عالم حدیث پیدا کیے اور علم حدیث پر متعدد کتابیں لکھی گئیں۔ جن اسباب کی بنا پر ہم نے یہ خیال ظاہر کیا ہے وہ یہ ہیں:-

(۱) گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی میں حدیث کی تقریباً سب کتابیں ممالک اسلامی میں رائج ہو چکی تھیں۔ یہ کس طرح تسلیم کر لیا جائے کہ ان ملکوں سے جو علماء ہجرت کر کر ہندوستان آئے وہ علم حدیث کو چھوڑ آئے اور باقی سب علوم اپنے ساتھ لے آئے

(۲) اگر اسلامی ہند کے ابتدائی دور کی کتابوں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائیگی کہ اس زمانہ میں علم حدیث کافی ترقی کر چکا تھا۔ کشف المحجوب کی سطریں جن ہاتھوں سے لکھی گئی ہیں، فوائد الفواد کے جملے جس زبان سے بولے گئے ہیں، ان کے عظیم المرتبت محدثین ہونے میں شبہ کرنا علم و دیانت کے خلاف ہے۔ فوائد الفواد کو پڑھتے وقت تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ علم حدیث کا ایک ناپید اکنار سمندر موجیں مار رہا ہے!

(۳) قاضی منہاج السراج نے اپنی مشہور کتاب طبقات ناصری میں خروج الکفار کے سلسلہ میں "کتب معتبر حدیث" کا ذکر کیا ہے اور پھر سنن ابی داؤد سجستانی کو نقل کیا ہے۔[۱]

---

[۱] طبقات ناصری۔ ص ۳۲۶۔

(۴) حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ، مولانا رضی الدین صغانی صاحب مشارق الانوار کے متعلق لکھتے ہیں کہ جب وہ بدایوں سے دہلی پہنچے تو وہاں کافی علماء و محدثین موجود تھے :-

"باز بحضرت دہلی رسید، دراں ایام در حضرت دہلی علماء کبار بودند باہمہ در علوم تساوی بود اما در علم حدیث از ہمہ ممتاز" [۱]

(۵) شیخ حمید الدین ناگوریؒ خلیفہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے زمانہ میں علم حدیث ناگور میں اتنی ترقی کر گیا تھا کہ شیخ ناگوریؒ فرمایا کرتے تھے ـــ

"مرد را بست ہزار حدیث یاد باید تا محدث شود" [۲]

(۶) ضیاء الدین برنی نے علم حدیث کے متعلق اپنی یہ رائے لکھنے کے بعد ـــ

"بعد علم تفسیر انفس ترین علوم انفع ترین علوم است" [۳]

امام بخاری، امام ثعلبی، امام مقدسی، امام واقدی، امام محمد اسحاق، امام دینوری وغیرہ کی کتابوں کا ذکر کیا ہے [۴] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے زمانہ میں حدیث کی یہ کتابیں نایاب نہ تھیں۔

(۷) بانکی پور کے کتب خانے میں صحیح مسلم کا ایک ایسا جزو محفوظ ہے جو سلطان سکندر لودی (۸۹۴-۹۲۳) کے لیے لکھا گیا تھا۔ پہلے صفحہ پر یہ عبارت ہے :-

برسم خزانۃ الکتب السلطان العادل الفاضل الکامل المجاھد فی سبیل اللہ ابی الفتح اسکندر شاہ ابن بھلول ملکہ و خلافتہ

(۸) شاہ مظفر بلخیؒ خلیفہ حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے سلسلہ میں مناقب الاصفیاء میں لکھا ہے :

---

[۱] فوائد الفواد - ص ۱۰۴

[۲] سرور الصدور (قلمی)

[۳] تاریخ فیروز شاہی - ص ۱۰

[۴] ایضاً - ص ۱۳-۱۴

(۴) حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ، مولانا رضی الدین صغانی صاحب مشارق الانوار کے متعلق لکھتے ہیں کہ جب وہ بدایوں سے دہلی پہنچے تو وہاں کافی علماء و محدثین موجود تھے :-

"باز بحضرت دہلی رسید، دراں ایام در حضرت دہلی علماء کبار بودند با ہمہ در علوم مساوی بود اما در علم حدیث از ہمہ ممتاز" [1]

(۵) شیخ حمید الدین ناگوریؒ خلیفہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے زمانہ میں علم حدیث ناگور میں اتنی ترقی کر گیا تھا کہ شیخ ناگوریؒ فرمایا کرتے تھے ـــ

"مرد را بست ہزار حدیث یاد باید تا محدث شود" [2]

(۶) ضیاء الدین برنی نے علم حدیث کے متعلق اپنی یہ رائے لکھنے کے بعد ـــ

"بعد علم تفسیر النفس ترین علوم انفع ترین علوم است" [3]

امام بخاری، امام ثعلبی، امام مقدسی، امام واقدی، امام محمد اسحاق، امام دینوری وغیرہ کی کتابوں کا ذکر کیا ہے [4] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے زمانہ میں حدیث کی یہ کتابیں نایاب نہ تھیں۔

(۷) بانکی پور کے کتب خانے میں صحیح مسلم کا ایک ایسا جزو محفوظ ہے جو سلطان سکندر لودی (۸۹۴-۹۲۳) کے لیے لکھا گیا تھا۔ پہلے صفحہ پر یہ عبارت ہے :-

برسم خزانۃ الکتب السلطان العادل الفاضل الکامل المجاہد فی سبیل اللہ ابی الفتح اسکندر شاہ ابن بہلول ملکہ وخلافتہ

(۸) شاہ مظفر بلخیؒ خلیفہ حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے سلسلہ میں مناقب الاصفیاء میں لکھا ہے :

---

[1] فوائد الفواد - ص ۱۰۴
[2] سرور الصدور (قلمی)
[3] تاریخ فیروز شاہی - ص ۱۰
[4] ایضاً - ص ۱۳-۱۴

"نقل است کہ صحیح مسلم نسخہ مصحح در غایت تصحیح بود در کاغذ ازلیشمی بخط عرب نوشتہ بود

شیخ الاسلام شیخ معز بلخی را قرأت صحیح مسلم ہمداں نسخہ بود"

(۹) مکتوبات مولانا امام مظفر بلخیؒ میں لکھا ہے:

"شنیدہ شد کہ مولانا زین الدین ساکن دیوہ بہ بندگی صحیح مسلم و کتاب معتبر و معتمد

در علم حدیث ... و بہ نزدیک مخدوم کتب احادیث بسیار جمع شدہ"

(۱۰) مکتوبات صدی میں ایک حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:-

"ایں در صحیح بخاری است"

(۱۱) برنی شیخ علاء الدین اجودھنیؒ کے متعلق لکھتا ہے:

"من از ثقات شنیدہ ام کہ ..... ندیدیم شیخ علاء الدین را مگر در نماز یا در قرآن

یا در مطالعہ کتب حدیث" [۱]

(۱۲) مدرسہ فیروزی کے صدر مدرس "شارح پنج سنن" [۲] تھے، اور ان کا درس دیتے تھے

برنی نے لکھا ہے

"و متعلمان را ہموارہ تعلیم می کنند و تفسیر و حدیث و فقہ می خوانند" [۳]

مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ حقیقت تو واضح ہو گئی کہ حدیث کی سب مشہور کتابیں ہندوستان میں موجود تھیں۔ اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کو علم حدیث سے دلچسپی تھی۔

دسویں صدی ہجری میں علم حدیث ہندوستان میں

شیخ عبدالحق دہلوی کی خدمات حدیث گیارہویں صدی ہجری سے تعلق رکھتی ہیں، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم دسویں صدی ہجری میں علوم حدیث کی عام حالت کا جائزہ لے کر آگے بڑھیں۔ دسویں صدی ہجری میں یوپی دہلی، پنجاب کے سارے علاقہ میں صرف دو محدثین کے نام نظر آتے ہیں۔ حاجی ابراہیم قادری [۴]

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۳۴۶ [۲] دیوان مطہر (او رینٹل کالج میگزین)۔
[۳] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۵۶۳۔ [۴] حاجی صاحب کا تفصیلی حال ان کتابوں میں ملاحظہ ہو
گلزار ابرار۔ ص ۴۲۳۔ منتخب التواریخ۔ جلد سوم۔ ص ۱۳۹۔

محدث اور مولانا اسمٰعیل لاہوری۔

حاجی ابراہیم قادری (المتوفی ۱۰۰۱ھ) مانک پور میں پیدا ہوئے تھے۔ دو تین سال بغداد میں رہ کر علم حدیث حاصل کیا۔ پھر مصر پہنچے۔ وہاں شیخ شمس الدین علقمی سے حدیث کی تصحیح کی۔ شیخ محمد بکری شافعی سے سند اور اجازت لے کر مکہ معظمہ پہنچے۔ وہاں شیخ عبدالرحمن ابن الفہد مغربی، شیخ مسعود مغربی اور شیخ علی متقی کی خدمت میں از سر نو حدیث کی تکرار کی پھر مصر گئے۔ اور وہاں چوبیس سال تمام علوم کا درس دیا۔ آخر عمر میں وطن کی محبت غالب آئی تو ہندوستان کو روانہ ہو گئے۔ آگرہ سے گزر رہے تھے کہ خیال پیدا ہوا کہ یہیں تفسیر وحدیث کی محفل گرم کی جائے۔ چنانچہ چھیاسی سال کی عمر تک جبکہ جان جاں آفریں کے سپرد کی اسی میں مشغول رہے۔[1]

مولانا اسمٰعیل لاہوری (المتوفی ۴۴۸ھ) کے متعلق گلزار ابرار میں لکھا ہے:

"آپ ارباب حدیث کی بڑی سند دینے والوں میں سے ہیں۔ فقہ اور سنت کی کتابیں ایران میں شیخ الاسلام مولانا سیف الدین احمد شہید ہروی اور حضرت امیر جمال الدین عطاء اللہ محدث کی خدمت میں تصحیح اور مطالعہ فرمائی تھیں۔"[2]

ہندوستان کے ساحلی علاقوں اور سرحدی صوبوں کی حالت کا اس پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ وہاں علم حدیث کا بہت زیادہ چرچا تھا اور احادیث کی شرحوں اور خلاصوں کا کام بڑی تیز رفتاری کے ساتھ ہو رہا تھا۔

اسی زمانہ میں بنگال کے بادشاہ علاء الدین حسین شاہ (المتوفی ۱۵۲۰ء) کو محمد بن یزدان خواجگی شروانی نے صحیح بخاری کا نسخہ پیش کیا جو تین جلدوں پر مشتمل ہے اور

---

[1] حاجی صاحب کا تفصیلی حال ان کتابوں میں ملاحظہ ہو:
گلزار ابرار۔ ص ۴۲۳ ، منتخب التواریخ۔ جلد سوم۔ ص ۱۳۹۔

[2] گلزار ابرار۔ ص ۴۹۸۔

بانکی پور کے کتب خانہ میں موجود ہے۔[1]

گجرات میں میر سید عبدالاول (۹۶۸ھ) نے صحیح بخاری کی شرح فیض الباری کے نام سے لکھی تھی۔[2] شیخ عبدالملک عباسی[3] نے صحیح بخاری کا اس قدر مطالعہ کیا کہ پوری کتاب اُن کو حفظ ہو گئی۔[4] شیخ محمد بن طاہر نے صحاح ستہ کی شرح مجمع البحار کے نام سے لکھی، اور مشکوٰۃ کی لغات پر رسالہ فی لغات المشکوٰۃ تصنیف فرمایا۔[5] گجرات کے ایک اور عالم شیخ ناصر ہمیشہ مشکوٰۃ کے مطالعہ میں مشغول رہتے تھے۔[6] برہان پور میں شیخ طیب نے مشکوٰۃ پر حاشیہ لکھا۔ سید ہبۃ اللہ المعروف بہ شاہ میر شیرازی گجراتی (المتوفی ۱۰۳۰ھ) نے رسالہ "سود مند" تیار کیا جس میں تمام اقسام حدیث کو نہایت سلیقہ سے جمع کیا گیا تھا۔ حکیم عثمان صدیقی شاگرد شیخ وجیہ الدین علوی نے صحیح بخاری کی شرح لکھی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس زمانہ میں ہندوستان کا یہ قلب و جگر یعنی شمالی علاقہ علم حدیث اور محدثین سے کیوں اس قدر خالی تھا، جب کہ ساحلی علاقوں میں حدیث کی کتابیں اس تیزی سے تصنیف ہو رہی تھیں۔ اس کے اسباب یہ ہیں:

محمد بن تغلق نے جب علماء و مشائخ کو ملک کے دور دراز حصوں میں بھیج دیا تو شمالی ہندوستان میں علمی محفلیں سرد پڑ گئیں۔ فیروز تغلق نے اس بکھری ہوئی مجلس کو سمیٹنے کی کوشش کی لیکن اس کے بعد جو سیاسی ابتری پیدا ہوئی اُس سے تنگ آ کر علماء صوبوں میں چلے گئے اور یہ علاقہ علماء سے یکسر خالی ہو گیا۔ تیموری کے حملہ نے تباہی کو

---

[1] فہرست نمبر ۱۳۲۔ [2] ملاحظہ ہو اخبار الاخیار۔ ص ۲۳۵۔

[3] احمد آباد کے مشہور عالم تھے۔ حدیث کی سند اپنے بھائی شیخ قطب الدین سے لی تھی۔ شیخ قطب الدین شیخ سخاوی مصری شاگرد شیخ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد تھے۔ (گلزار ابرار۔ ص ۳۱۱۔

[4] گلزار ابرار۔ ص ۳۱۰۔ [5] حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔ اخبار الاخیار۔ ص ۲۷۲، ۲۷۳، گلزار ابرار۔ ص ۳۳۲، حدائق الحنفیہ۔ ص ۳۸۵۔ ۳۸۶۔

[6] گلزار ابرار۔ ص ۳۱۶۔ ۳۱۷۔

معطل کردیا۔ سکندر لودی نے اس بزم کو پھر رونق دینی چاہی لیکن سیاسی انتشار اور غیر یقینی حالات کے باعث زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ پھر اکبر کی بے راہ روی سے متاثر ہو کر اکثر علماء و مشایخ اس علاقہ سے ہٹ گئے۔ انہوں نے یا تو حرمین شریفین کی راہ لی یا پھر دار السلطنت سے دور ساحلی علاقوں میں اقامت اختیار کر لی۔

بہر حال حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے جس وقت مسند درس بچھائی تھی اُس وقت شمالی ہندوستان میں حدیث کا علم تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ انہوں نے اس تنگ و تاریک ماحول میں علوم دینی کی ایسی شمع روشن کی کہ دور دور سے لوگ پروانوں کی طرح کھچ کر اُن کے گرد جمع ہونے لگے۔ درس حدیث کا ایک نیا سلسلہ شمالی ہندوستان میں جاری ہو گیا۔ علوم دینی خصوصاً حدیث کا مرکز ثقل گجرات سے منتقل ہو کر دہلی آگیا۔ گیارہویں صدی ہجری کے شروع سے تیرہویں صدی کے آخر تک علم حدیث پر جتنی کتابیں ہندوستان میں لکھی گئی ہیں اُن کا بیشتر حصہ دہلی یا شمالی ہندوستان میں لکھا گیا ہے یہ سب شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کا اثر تھا۔

فقہی علوم

"اول علمے کہ مقصود شود علم فرائض باشد، و پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ است کہ تعلموا الفرائض وعلموھا"[1]

ان الفاظ میں خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے خلیفہ شیخ ناگوریؒ نے علوم فقہ کو حاصل کرنے کی ترغیب دی تھی۔

ہندوستان میں ہمیشہ یہ دستور رہا کہ سلاطین بعض اہم فقہی مسائل پر علماء سے مشورہ کرتے تھے۔ کبھی کبھی محضر بھی طلب کیا جاتا تھا جس میں دور دور سے علماء شرکت

[1] سرور الصدور (قلمی نسخہ)

کیے جاتے تھے۔ شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے متعلق ایک معاملہ پر ملک سے علمار کو طلب کیا گیا تو ڈھائی سو علمار نے شرکت کی۔ غیاث الدین تغلق کے دربار میں شیخ نظام الدین اولیاؒ کو علمار کے ایک جلسہ میں سماع کے متعلق اپنا نقطہ نظر واضح کرنے کے لیے بلایا گیا۔ فیروز شاہ نے حق شرب پر فقہی مسئلہ دریافت کرنے کے لیے علمار کو طلب کیا ——
صرف یہی نہیں، سلاطین کو خود مسائل کی کافی معلومات تھی۔ محمد بن تغلق کے متعلق تو یہ کہا جاتا ہے کہ ہدایہ نوک زبان پر تھی۔ دو سو فقہا اُس کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔
ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ اس کا حکم تھا کہ

"ہر شخص نماز و شرائط اسلام کو سیکھے، تمام لوگ بازاروں میں نماز کے مسائل یاد کرتے پھرتے تھے اور کاغذوں پر لکھواتے تھے۔"

ہندوستان میں گو ابتدا سے فقہ حنفی کا عروج رہا ہے لیکن اور مذاہب کے لوگوں کے ساتھ بھی نہایت رواداری کا سلوک کیا گیا ہے۔ امیر خسرو عہد علائی کے متعلق لکھتے ہیں ۔

خوشا ہندوستان و رونق دیں
شریعت را کمال عزو تمکیں
ز علم باعمل دہلی بخارا
ز شاہان گشتہ اسلام آشکارا
مسلمانان نعمانی روش خاص
ز دل ہر چار آئیں را باخلاص
نہ کیں با شافعی نے مہر با زید
جماعت را و سنت را بجاں صید

علاء الدین خلجی نے اودھ کا شیخ الاسلام، شیخ فرید الدین کو بنایا تھا جو شافعی المذہب تھے۔

محمد بن تغلق کے زمانہ میں دہلی میں شافعیوں کا ایک مدرسہ بھی تھا۔ شافعی فقہ پر ہندوستان میں دو کتابیں لکھی گئی تھیں۔ ایک فقہ مخدومی جو شیخ علی بن احمد مہائمی (م ۱۴۳۱ء) نے مرتب کی تھی، اور دوسری قرۃ العین جو زین الدین بن عبد العزیز صاحب تحفۃ المجاہدین (م ۱۵۸۳ء) نے لکھی تھی۔

اسلامی ہند کی تاریخ پر اگر فقہ کے نشو و نما کو سمجھنے کے لیے غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں کی کتابوں میں اجتہادی فکر و نظر بہت کم تھا۔ حد یہ ہے کہ جب سماع کے مسئلہ پر شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے حدیث نبوی پیش کی تو علماء نے سننے سے انکار کیا۔ اور امام ابو حنیفہؒ کا قول طلب کیا۔[1] ہندوستان میں گو علم فقہ پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں لیکن اُن میں ہندوستان کے مخصوص حالات کو سامنے رکھ کر مسائل کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ ہندوستان سے باہر علم فقہ پر جو کتابیں لکھی گئی تھیں ان ہی کے گرد ہندوستان کی ساری فقہی دنیا گردش کرتی رہی۔ ان کے حواشی و شروح سے باہر نکلنے کی جرأت ہندوستان کا کوئی عالم نہ کر سکا۔

صرف چودھویں صدی عیسوی میں فقہ کی کتابوں پر ہندوستان میں جتنی شرحیں لکھی گئی ہیں ان کی تفصیل ملاحظہ ہو:

حاشیہ علی التلویح۔ مولانا معین الدین عمرانی

حاشیہ علی الحسامی۔ مولانا معین الدین عمرانی۔

حاشیہ علی کنز الدقائق۔ مولانا معین الدین عمرانی

حاشیہ علی المنار۔ مولانا معین الدین عمرانی، مولانا ابو حفص سراج الدین عمر بن اسحاق
مولانا سید یوسف ملتانی

شرح الہدایہ۔ قاضی حمید الدین دہلوی، مولانا ابو حفص سراج الدین عمر بن اسحاق۔

---

[1] ملاحظہ ہو سیر الاولیاء

شرح الجامع الکبیر۔ مولانا ابوحفص سراج الدین عمر۔

شرح الجامع الصغیر۔ مولانا ابوحفص سراج الدین عمر

شرح المختار۔ مولانا ابوحفص سراج۔

آپ نے ہندوستان میں علوم اسلامی کے اس نشو ونما کو ذہن میں رکھ کر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے حالات زندگی اور تصنیفات پر غور کریں۔

حصہ اول

سوانح

باب اوّل

شیخ محدثؒ کا خاندان

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے اجداد میں جس بزرگ نے سب سے پہلے سرزمین ہند پر قدم رکھا وہ آغا محمد ترک تھے۔ آغا محمد بخارا[1] کے رہنے والے تھے۔ تیرہویں صدی عیسوی میں جب مغلوں نے وسط ایشیا میں آگ و خون کا ہنگامہ برپا کیا تو وہ اپنے وطن کے حالات سے بددل اور مایوس ہو کر ترکوں کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ ہندوستان تشریف لے آئے۔ خود شیخ محدثؒ نے لکھا ہے:-

"با عدہ کثیر از اتراک کہ پیوند قرابت و رابطہ بیعت و خدمت بوے داشتند نیز از وطن اصلی انتقال نمودہ در ملازمت او در دیار رسیدہ"[2]	ترکوں کی ایک بڑی جماعت بھی جو ان سے سلسلہ قرابت اور رابطہ بیعت رکھتی تھی، اپنے اصلی وطن سے منتقل ہو کر ان کی خدمت میں یہاں آ گئی۔

سلطان علاء الدین خلجی (۱۲۹۶ - ۱۳۱۶) کا دور حکومت تھا۔ مسلمانانِ ہند کا سیاسی و ثقافتی عروج انتہا کو پہنچ چکا تھا۔[3] سلطان نے آغا محمد ترک کی دستگیری کی اور ان کو اعلیٰ مراتب اور عہدوں سے نوازا۔ اُن دنوں گجرات کی مہم کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ چنانچہ سلطان نے اُن کو گجرات روانہ کر دیا۔[4]

---

[1] بخارا کے مختصر گر دلچسپ حالات کے لیے ملاحظہ ہو:- Ency. of Islam., Vol I pp 776-783, W. Barthold's article.

[2] اخبار الاخیار۔ ص ۲۸۹

[3] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، خاکسار کا مضمون "سلطان علاء الدین خلجی کے مذہبی رجحانات" مطبوعہ برہان دہلی، جون ۱۹۵۸ء

[4] گجرات پر ۶۹۸ھ مطابق ۱۲۹۸ء میں خلجی فوجوں نے حملہ کیا تھا۔ امیر خسروؒ نے خزائن الفتوح میں تاریخ لکھی ہے[5] یعنی چہار شنبہ روز اولی جمادی بیست بد تاریخ سال ششصد و ہشت و نود شدہ۔ اس مہم کے سپہ سالار الغ خاں و نصرت خاں تھے۔ مولانا سید عبدالحی مرحوم نے اس حملہ کی تاریخ ۶۹۶ھ (نزہۃ الخواطر) لکھی ہے جو غلط ہے۔

شیخ لکھتے ہیں :-

بنائے تسخیر ممالک گجرات و فتح بنادر آں با جمعے از امرائے عالیشان تعیین شد، او امضاد انصرام آں مہم بحکم سلطانی ہم آنجا مقیم اقامت ساخت ؎ لے	وہ بڑے امراء کی ایک جماعت کے ساتھ ملک گجرات اور اس کے بندرگاہوں کی فتح پر مامور ہوئے اور اس مہم کی انجام دہی کے لیے شاہی حکم سے وہیں مقیم ہو گئے۔

آغا محمد نے گجرات کی فتح کے بعد وہیں سکونت اختیار کر لی۔ اللہ نے ان کو کثیر اولاد دی تھی ایک سو ایک بیٹے تھے جن کے ساتھ وہ نہایت شان و شوکت، عزت و وقار، اور سکون و اطمینان کے ساتھ دن گذارتے تھے۔ ایک ہولناک سانحہ پیش آیا اور ۶

مجلس یاراں پریشاں شد چو برگِ گُل زباد (خسروؔ)

سو لڑکے انتقال کر گئے۔ صرف سب سے بڑا لڑکا ملک معزالدین باقی بچا۔ آغا محمد ترک کے دل و دماغ پر بجلی سی گر گئی۔ دنیا کی طرف سے دل سرد پڑ گیا۔ جو شخص دہلی سے سلطان علاء الدین خلجی کی فوجِ قاہرہ کے ساتھ فتح و نصرت کے ڈنکے بجاتا ہوا گجرات میں داخل ہوا تھا، ماتمی لباس پہن کر اپنے اکلوتے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر پھر دہلی واپس آ گیا ؎

زرنج و راحتِ گیتی مرنجاں دل مشو خرم کہ آئینِ جہاں گاہ چناں گاہ چنیں باشد

دہلی آ کر وہ شیخ صلاح الدین سہروردی کی خانقاہ میں بیٹھ گئے۔ شیخ محدث لکھتے ہیں :-

---

لے اخبار الاخیار، ص ۲۰۹۔

ے شیخ صلاح الدین سہروردی، شیخ صدرالدین سہروردی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ شیخ نصیرالدین چراغ دہلوی کے معاصر اور ہمسایہ تھے۔ اپنے سلسلہ کی روایات کے خلاف انہوں نے سلاطین وقت سے کوئی تعلق رکھنا پسند نہ کیا۔ سلطان محمد بن تغلق نے جب دہلی کے علماء و مشائخ کو ملک کے مختلف حصوں میں زبردستی روانہ کیا (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون "سلطان محمد بن تغلق کے مذہبی رجحانات" مطبوعہ برہان مارچ ۱۹۴۶ء) تو شیخ صلاح الدین سے بھی درخواست کی، لیکن انہوں نے قبول نہیں کی اور سلطان کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ شیخ محدث کا بیان ہے: باسلطان مذکور سخت پیش می آمد (اخبار الاخیار ص ۲۲۱) شیخ صلاح الدین کا مقبرہ اب شکستہ حالت میں پڑا ہے۔ چاروں طرف کھیت ہیں اور بیچ میں مقبرہ کی عمارت اور ایک مسجد۔ مسجد کے متصل ایک عمارت تھی اس کا طرز بتا رہا ہے کہ وہ مدرسہ رہا ہو گا۔ (تفصیلات کے لیے

"لہذا ترک جمیع خیل وحشم گفتہ ولباس سیاہ پوشیدہ در خانقاہ شیخ صلاح الدین سہروردی عکوف شد۔"[1]	لہذا سب خیل وحشم کو ترک کرکے اور سیاہ لباس پہن کر شیخ صلاح الدین سہروردی کی خانقاہ میں معتکف ہوگئے۔

اخبار الاخیار سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق (۱۳۲۰-۱۳۲۵ء) کے عہد تک گجرات رہے تھے۔[2] ۱۰ ربیع الآخر ۷۳۹ھ مطابق ۱۳۳۸ء کو یعنی سلطان محمد بن تغلق کے زمانے میں آغا محمد ترک نے دہلی میں داعی اجل کو لبیک کہا اور عیدگاہ شمسیؒ کے عقب میں سپرد خاک کیے گئے۔[3]

ملک معزالدین سے اس خاندان کا سلسلہ جاری ہوا۔ خدائے تعالیٰ نے ان کو بے پناہ صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں۔ شیخ محدثؒ نے لکھا ہے

"حق سبحانہ وتعالیٰ ملک معزالدین را چناں کرد کہ گویا جمیع فیض واستعداد نعم آں صد کس راہم بوے تنہا ارزانی داشت۔"[4]	حق تعالیٰ نے ملک معزالدین کو یہ مرتبہ دیا گویا سو انسانوں کی استعداد اور فیضان ان کو تنہا عطا فرما دیا۔

ملک معزالدین نے خاندان کے اس ماتمی ماحول کو ختم کیا جس کی ابتدا آغا محمدؒ کے سہروردی خانقاہ میں بیٹھنے سے ہوئی تھی۔ انہوں نے عزم وہمت کے ساتھ دہلی میں سکونت اختیار کرلی۔ ان کے بعد ان کے فرزند ملک موسیٰ نے بڑی عزت اور شہرت حاصل کی لیکن قسمت نے پھر پلٹا کھایا۔ آغا محمد ترک کو ایک ذاتی سانحہ نے گجرات سے دہلی پھینک دیا اس وقت ملک کے عام حالات نے ملک موسیٰ کو دہلی چھوڑنے پر مجبور کردیا۔

فیروز شاہ تغلق (المتوفی ۱۳۸۸ء) کے بعد ملک میں ہر طرف سیاسی انتشار پیدا ہوگیا۔ مرکز

---

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۲۹۰ — [2] ایضاً ص ۲۸۹

[3] عیدگاہ شمسی کے لیے ملاحظہ ہو۔ واقعات دارالحکومت۔ جلد سوم۔ ص ۳۲۳

[4] اخبار الاخیار۔ ص ۲۹۰۔

کا کمزور ہونا تھا کہ خود مختاریاں قائم ہونے لگیں۔ دہلی اور اس کے ارد گرد کا علاقہ چونکہ سیاسی اعتبار سے اہم تھا اس لیے سیاسی نبرد آزمائی کا مرکز بھی یہی بنا۔ اور حالات اس قدر ناگفتہ بہ ہو گئے کہ علما و مشائخ گجرات، جونپور، بنگال اور دیگر علاقوں کی طرف متوجہ ہو گئے[1]۔ ملک موسیٰ ان حالات سے ایسے بد دل ہوئے کہ انہوں نے دہلی کو خیرباد کہہ کر ماوراء النہر کی راہ لی۔ شیخ محدث نے لکھا ہے:-

"ملک موسیٰ در فترات کہ بعد از انقضائے عہد دولت فیروزی واقع شد باز بولایت ماوراء النہر رفتہ"[2]

سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد کے بعد جو بد نظمی پیدا ہوئی اس سے بد دل ہو کر ملک موسیٰ ماوراء النہر چلے گئے۔

لیکن وہاں زیادہ عرصہ ٹھہرنا نصیب نہ ہوا۔ جب تیمور نے ہندوستان پر حملہ کیا (۱۳۹۸ء) تو ملک موسیٰ اس کی فوجوں کے ہمراہ پھر ہندوستان آ گئے۔ ملفوظات تیموری[3] اور ظفر نامہ یزدی[4] میں لکھا ہے کہ تیمور نے ہندوستان پر حملہ کرنے سے قبل علماء سے مشورہ کیا تھا۔ اور ان کی ایک کثیر تعداد اس کے ساتھ ہندوستان بھی آئی تھی[5]۔ ممکن ہے کہ ملک موسیٰ اسی سلسلہ میں تیمور سے وابستہ ہو گئے ہوں۔

شیخ محدثؒ نے لکھا ہے:

"موکب دولت مآب صاحبقران اعظم امیر تیمور گورگان بدہلی قدم آوردہ، سلسلہ آبا و اجدا

صاحب قران امیر تیمور گورگان کے ساتھ وہ دہلی آئے اور اپنے بزرگوں کے سلسلہ کا احیاء کیا اور دیا

---

[1] شیخ محدث نے مولانا خواجگی کے متعلق لکھا ہے،
"پیش از آمدن امیر تیمور گورگان ..... از دہلی برآمدہ بکالپی رسید متوطن شد" اخبار الاخیار۔ ص ۱۳۲

[2] اخبار الاخیار۔ ص ۲۹۰۔

[3] Elliot and Dowson's History of India Vol III, p 397.

[4] ص ۱۰۴

[5] اخبار الاخیار کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ کے پوتے بھی تیمور کے ساتھ تھے اور مولانا احمد تھانیسریؒ نے ان پر کچھ اعتراضات بھی کیے تھے۔
(ص ۱۳۲)

تازہ کردہ، اقامت و استقامت محکم ساخت۔[1]

مستقل سکونت اختیار کرلی۔

ملک موسیٰ کے کئی بیٹے تھے۔ اُن میں شیخ فیروز امتیازی شان رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے خاندان کی شہرت اور عظمت کو چار چاند لگا دیے۔ وہ علم سپہ گری، شعر و شاعری، سخاوت و لطافت سب میں وحید عصر و یگانۂ زمانہ سمجھے جاتے تھے۔ شیخ محدثؒ نے اُن کی بابت لکھا ہے۔

جامع فضائل صوری و معنوی و وہبی و کسبی بود، در علم سپاہ گری و وقائع حروب نادرِ زماں خود بود، و در اکثر صنائع حربیہ بقوت طبع و جودت سلیقہ بے نظیر وقت و در علم و شعر و شجاعت و سخاوت و ظرافت و لطافت و عشق و محبت و سائر صفات حمیدہ بے عدیل عصر و در دولت و حشمت و جاہ و مکنت و عزت و عظمت مشہور روزگار، معنی علویت و شعر و ظرافت در خانوادۂ ما ازوے پیدا شد۔[2]

وہ ظاہری اور باطنی اور وہبی و کسبی فضائل کے جامع تھے۔ سپاہ گری میں اپنے زمانے میں بے مثل تھے۔ اور فن جنگ میں بے نظیر سلیقہ رکھتے تھے۔ علم، شعر، شجاعت و سخاوت، خوش طبعی، بذلہ سنجی عشق و محبت اور دیگر خوبیوں میں ان کا جواب نہ تھا۔ اور دولت حشمت، جاہ، مرتبہ، عزت و عظمت میں بے عدیل تھے ..... اور شاعری اور خوش طبعی کو بِنا ہمارے خاندان میں ان ہی سے پڑی۔

---

[1] ایلیٹ (تاریخ ہند، جلد ششم ص ۱۷۵) نے بادشاہ نامہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ شیخ محدثؒ تیمور کی اولاد میں تھے۔ تیمور اپنے حملے کے بعد ان کے کسی بزرگ کو اپنے چند اور سرداروں کے ساتھ دہلی میں چھوڑ گیا تھا۔ بادشاہ نامہ کی اصل عبارت یہ ہے۔

یکے از نیاگانش در رکاب ظفر نصاب حضرت صاحبقران جہاں ستاں، از توران بہ ہندستان آمدہ بود، و آنحضرت ہنگام معاودت او را با تنے چند از امراء در دار الملک دہلی گزاشتہ بودند، و در آں دیار متاہل گشتہ اقامت گزیدہ (حصہ دوم ص [illegible])

اُن کے اجداد میں سے ایک بزرگ صاحبقران (تیمور) کے ہمراہ توران سے ہندوستان آئے تھے اور تیمور نے واپسی کے موقع پر ان کو چند امراء کے ساتھ دار الحکومت دہلی میں شادی کرلی اور وہیں مقیم ہوگئے۔

ایلیٹ کو اس عبارت کے سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ عبد الحمید لاہوری نے اس میں کہیں شیخ محدثؒ کو تیمور کی اولاد میں نہیں بتایا۔

[2] اخبار الاخیار، ص ۲۹۰

انہوں نے سلطان بہلول لودی اور سلطان حسین شرقی کی جنگ کا پورا واقعہ نظم کیا تھا۔ اس کے دو شعر شیخ محدثؒ کو یاد رہ گئے تھے۔ حسین شرقی، بہلول لودی کو مخاطب کر کے کہتا ہے ؎

ایا قابض شہر دہلی شنو   حیاتت چو خواہی ازیں جا برو

منم قابض ملک سادات ملک   خداداد مارا خدا راست ملک

شیخ فیروز ۸۶۰ھ/۱۴۵۵ء میں بہرائچ کے کسی معرکہ میں شہید ہو گئے تھے اور وہیں سپرد خاک کر دیے گئے تھے[1] لڑائی پر جانے سے قبل ان کی بیوی نے جو ان دنوں حاملہ تھیں ان کو روکنے کی کوشش کی تو جواب دیا:

"از خدا خواستہ ام کہ آں فرزند نرینہ باشد و   میں نے خدا سے دعا کی ہے کہ بیٹا ہو اور اس

از وے اولاد بسیار شود، و او را و شما را بہ   سے نسل چلے۔ اس کو اور تم کو خدا کے سپرد کرتا

خدا سپردم، تا بعد ازیں مارا چہ پیش آید[2]   ہوں۔ معلوم اب مجھے کیا پیش آئے

کچھ دنوں کے بعد شیخ سعد اللہ (شیخ محدثؒ کے دادا) پیدا ہوئے۔

شیخ سعد اللہ، بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ ان میں اپنے شہید باپ کے سب اوصاف وخصائل موجود تھے۔ ابتدائی زمانہ تحصیل علم میں گزارا پھر عبادت و ریاضت کی طرف متوجہ ہو گئے اور شیخ محمد منگلیؒ کے دست حق پرست پر بیعت کر لی۔

شیخ محمد منگلیؒ اپنے زمانہ کے صاحب حال بزرگ تھے[3] مصباح العاشقین کے لقب سے مشہور تھے۔ ابتدائی زمانہ میں شیخ احمد داؤدؒ کے مرید تھے پھر شاہ جلال گجراتیؒ[4] کے حلقہ مریدین

۱؎ اخبار الاخیار - ص ۲۹۰   ۲؎ ایضاً - ص ۲۹۰

۳؎ "شیخ کامل و صحیح الحال بود" (اخبار الاخیار - ص ۱۶۸ - ۲۴۹) ان کا وصال ۹۰۰ھ مطابق ۱۴۹۳ء میں ہوا تھا۔   ۴؎ شاہ جلال گجراتی چشتیہ سلسلہ کے بزرگ تھے۔ ان کے مرشد شیخ پیارہ میر سید یداللہ نبیرہ و خلیفہ حضرت گیسو درازؒ کے دامن سے وابستہ تھے۔ شیخ محدث نے شاہ جلالؒ کے متعلق لکھا ہے:

"از کاملان وقت بود، صاحب تصرف و کرامات و ظاہر و باطن مرتبہ عظیم و شانے رفیع داشت۔"

(اخبار الاخیار - ص ۱۶۸)

میں شامل ہو گئے تھے۔ سماع کا بڑا شوق تھا۔ ان کے تقدس اور تعبد کی بنا پر سلطان سکندر لودی کو بھی ان سے عقیدت ہو گئی تھی۔ علاوہ قصبہ قنوج میں ان کی خانقاہ ارشاد و تلقین کا مرکز تھی۔

شیخ سعد اللہ نے ان کی رہنمائی میں سلوک و معرفت کی دشوار گزار راہیں طے کیں اور عبادت و ریاضت کا ایسا شوق ہو گیا کہ راتوں کو جاگنے لگے، اور ان کی زندگی خسروؒ کے اس شعر کی مکمل تفسیر بن گئی ؎

عاشقاں را ہمہ شب از پے نظارۂ تو — شب بزاری و سحر گہ بدعا میگذرد

ان کے بیٹے شیخ سیف الدین نے ان کو رات کے وقت رو رو کر عاشقانہ اشعار پڑھتے ہوئے دیکھا تھا شیخ محدثؒ کو امیر خسرو کے یہ دو شعر جو وہ آخر شب میں پڑھا کرتے تھے، یاد رہ گئے تھے[1] ؎

ہمہ شب رو درہی را برہ صبا نشستہ — ہر کس بخواب راحت من مبتلا نشستہ

غرضے[2] ورائے امکان چہ خیال فاسد است — ہوس جمال سلطاں بدل گدا نشستہ[3]

---

[1] اخبار الاخیار، ص ۲۹۱

[2] اخبار الاخیار کے تین مطبوعہ نسخے پیش نظر ہیں۔ ان سب میں "غرض ورائے امکان" لکھا ہے، لیکن دیوان خسروؒ میں "غرضے" ہے جو غالباً صحیح ہے۔
اخبار الاخیار کے ایک قلمی نسخہ میں، جو حضرت جد امجد مولوی ارشاد علی صاحب مرحوم نے [illegible]ھ میں ملتان میں نقل کرایا تھا اور بڑے اہتمام سے تصحیح کی تھی، دوسرا شعر درج نہیں ہے، بلکہ اس کی جگہ یہ شعر لکھا ہے

بزنگ دل اسیراں بکجا گریزد از تو — بجوالی دو چشمت حشم بلا نشستہ

دیوان میں یہ شعر بھی کچھ اختلاف کے ساتھ درج ہے۔

[3] شیخ محدث نے یہ دو شعر نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: "تا آخر غزل خدمت عمی می فرمودند" (ص ۲۹۱)
یہ غزل خسروؒ کے دیوان غرۃ الکمال میں ہے۔ بقیہ اشعار بھی سنیے ؎

ہمہ شب صبا و بیت من سوختہ چہ گویم — کہ چہاست در دل من ز دم صبا نشستہ

تو ز ناز من از من سزوار جدا نشینی — کہ ز دست خویش من ہم ز خودم جدا نشستہ

دل مبتلائے عاشق بکجا گریزد از تو — بجوالی دو چشمت چشم بلا نشستہ

تو درآ و غمزہ زن کہ خند پیش بت سر — بستانہ کہ باشد صد پارسا نشستہ

اگر ایں ست ہم خوباں کہ بسر شوند رعنی — منم ایں کہ اندریں رہ ز سر رضا نشستہ

سر کوئے تست خسرو شب و روز چوں گدایاں — کہ تو ہم نمی گذاری قدمے بجا نشستہ

(دیوان خسرو، ص ۳۰۶)

اُن کے دو بیٹے[1] بہت مشہور ہوئے۔ شیخ رزق اللہ مشتاقی اور شیخ سیف الدین۔ شیخ سعد اللہ کے انتقال کے وقت شیخ سیف الدین کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ وصال سے کچھ عرصہ قبل اپنے آٹھ سالہ جگر گوشہ کو مکان کے بالائی حصہ میں لے گئے ـــــ اور باقی قصہ خود شیخ سیف الدینؒ کی زبانی سنیے:-

"بعد از ادائے تہجد مواجہ قبلہ ایستادہ گردند۔ گفتند، خداوند تو می دانی کہ پسران دیگر را تربیت کردہ و از ادائے حقوق او شاں بر آمدہ ام ایں یتیم می گذارم و بے کس، حق ایں بر ذمۂ من است۔ ایں را بہ تو می سپارم۔ مربی و متولی امور او تو باشی"[2]

نماز تہجد کے بعد بجانب قبلہ رو کھڑا ہوا اور کہا: الٰہی تو جانتا ہے کہ میں دوسرے لڑکوں کی تربیت سے فارغ ہو چکا۔ اور ان کے حقوق سے عہدہ برآ ہو گیا۔ لیکن اس لڑکے کو یتیم و بیکس چھوڑ رہا ہوں۔ اس کے حقوق میرے ذمہ ہیں، اس کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔ تو ہی اس کی تربیت اور [illegible] فرما۔

یہ کہا اور نیچے اتر آئے۔ کچھ ہی دنوں بعد ۲۲۔ ربیع الاول ۹۲۸ھ مطابق ۱۵۲۱ء کو ان کا وصال ہو گیا۔ اللہ نے ان کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا، اور ان کا یہ جگر گوشہ ایک دن دہلی کا نہایت ہی باوقعت اور باعزت انسان بنا اور اسی کے گھر میں وہ آفتاب علم نمودار ہوا جس نے ساری فضائے علم کو منور کر دیا۔ نظامی نے خوب کہا ہے۔

ز رخش خبر نے کہ پروردگار — چگونہ ورا پرورد در کنار

چو گنجینہا زیر بارش کشد — چو اقبالہا در کنارش کشد

---

[1] اس عبارت سے خیال ہوتا ہے کہ شیخ سعد اللہ کے دو سے زیادہ بیٹے تھے۔ لیکن شیخ محدث نے ان کا ذکر تفصیل سے نہیں کیا۔ شیخ محمد حسن بن شیخ حسن طاہر کے حال میں لکھتے ہیں:-

"عم او سعد اللہ و برادر شیخ فضل اللہ کہ بہ شیخ منجھو نسبت دامادی داشت، از اخص مریدان شیخ است و شیخ منجھو مردے بود صاحب برکت و نعمت و باشتغال اوراد مشغول و در محبت پیر مغلوب صاحب ذوق و حالت و مقبول مشائخ و مجاذیب و بہ گفتے ظاہر داشت و نغمے شامل، و در وقت فوت بسیار مردانہ رفت" (ص ۲۲۸)

[2] اخبار الاخیار۔ (ص ۲۹۱)

شیخ رزق اللہ اور شیخ سیف الدین دونوں کو محبت الٰہی کا بے پناہ جذبہ باپ سے ورثہ میں ملا تھا۔ شیخ محدثؒ دونوں کی مخصوص صلاحیتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"مجلس ایشاں از اول تا آخر شوق و گریہ و درد و محبت بود، نسبت شیخ رزق اللہ در سوز و گرمی چناں بود کہ آتشے در زیر خاکستر پنہاں می باشد اندک کہ کاویدند ہمہ آتش برآید و مثل و حال چنانکہ آبے از چیزے چکیدہ می ماند و اندکے آزارے کہ باو رسید تراوید" [1]

ان کی مجلس شروع سے آخر تک سراپا شوق و گریہ و محبت تھی شیخ رزق اللہ کی نسبت سوز و گرمی کے لحاظ سے ایسی تھی جیسے کہ راکھ کے نیچے آگ دبی ہوئی ہو۔ جوں ہی ذرا سا اس کو کریدا آگ نکل آئی اور ان کے برعکس والا جی کی یہ حالت تھی جیسے کہ کسی چیز سے پانی بہ کر ٹپکتا ہے۔ ان کو اگر معمولی سی تکلیف بھی پہنچتی تھی تو وہ آنسو بننے لگتے تھے

ان دونوں بھائیوں کو دہلی میں بڑی عزت اور شہرت حاصل ہوئی۔ شیخ محدثؒ کا بیان ہے کہ:

"مردم ایں شہر اتفاق دارند کہ دہلی عبارت ازیں برادران بود" [2]

اس شہر کے تمام لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ دہلی انہی بھائیوں سے عبارت تھی۔

شیخ سیف الدین کا حال ہم دوسرے باب میں تفصیل سے بیان کرینگے، یہاں شیخ رزق اللہ کے متعلق کچھ عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

شیخ رزق اللہؒ (۹۸۹ ، ۸۹۰ھ) اپنے زمانے کے مشہور عالم اور مرتاض بزرگ تھے۔ شیخ محدثؒ نے لکھا ہے:

"مردے کامل و فاضل و عارف از نوادر روزگار و از مردم سلف یادگار بود، جامع فضائل صوری و معنوی و در مشرب عشق و محبت و سماع

وہ مرد کامل، فاضل، عارف تھے۔ نادر روزگار تھے سلف کی یادگار تھے۔ فضائل صوری و معنوی کے جامع تھے مشرب عشق و محبت اور

---

۱ اخبار الاخیار۔ ص ۲۹۵   ۲ ایضاً۔ ص ۲۹۱

عقل و وسعت حوصلہ و صبر بر مصائب و دوام | سلامتی عقل اور وسعت حوصلہ اور مصائب پر صبر
حضور و استقامت احوال یگانۂ عصر بود۔[1] | کرنے میں، استقامت اور دوام حضور میں یگانۂ
عصر تھے۔

ابتدائی زمانہ سے علماء و مشائخ کی صحبت میں رہے تھے اور اُن سے درد و سوز کا بڑا سرمایہ پایا تھا۔ وہ شیخ محمد منجھن رحؒ کے مرید تھے۔ لیکن ذکر کی تعلیم شیخ بدہن شطاریؒ سے حاصل کی تھی۔[2] شیخ بدہن شطاریہ[3] سلسلہ کے مشہور بزرگ تھے۔ سلطان سکندر لودی کے زمانہ میں ان کی خانقاہ مرجع خلائق تھی۔ وہ شاہ عبداللہ شطاریؒ (جنھوں نے شطاریہ سلسلہ کو ہندوستان میں جاری کیا تھا) کی اولاد میں تھے۔ اور شیخ حافظ جونپوریؒ سے بیعت تھے۔ شطاریہ سلسلہ میں جذب و شوق کا عنصر غالب تھا۔ چنانچہ شیخ رزق اللہ کو شیخ بدہن کی صحبت سے عشق و محبت کی بے پناہ تپش ملی۔ شیخ رزق اللہ، عربی، فارسی اور سنسکرت کے فاضل تھے۔ فارسی میں مشتاقی اور ہندی میں راجن تخلص کرتے تھے۔ ہندی میں اُن کے کئی رسالے مثلاً پیمان اور جوت نرنجن وغیرہ بہت مشہور ہوئے۔ صبح گلشن میں ان کے یہ دو شعر نقل کیے گئے ہیں ؂

فتح قفل راز کلید ست اے عزیز | جنبش دست از تو می خواہند نیز

---

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۱۶۹۔ [2] مختصر حال کے لیے ملاحظہ ہو اخبار الاخیار ص ۱۹۳-۱۹۵ و گلزار ابرار۔ ص ۲۰۸۔ [3] لفظ شطاری، شطر سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں کسی سمت میں تیزی سے چلنا۔ معارج الولایت میں لکھا ہے:

"معنی لفظ شطار تیز رواست۔ و در اصطلاح علم شطار شغل باطنی را گویند کہ از کسب آن فنا فی اللہ و بقا باللہ حاصل شود"

شاہ عبداللہ شطاریؒ (المتوفی ۸۳۲ھ) نے اس سلسلہ کو ہندوستان میں جاری کیا۔ اس کے مشہور مشائخ میں شیخ حافظ جونپوریؒ، شیخ ظہور حاجیؒ، سید محمد غوث گوالیاریؒ، شیخ وجیہ الدین علوی گجراتیؒ اور شاہ پیر برہنہؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ سلسلہ کے متعلق تفصیلی معلومات درکار ہوں تو گلزار ابرار کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ راقم السطور نے اپنے مضمون "The Shattari Saints and their attitude towards the State" مطبوعہ "Medieval India" (اکتوبر ۱۹۵۰ء) میں اس سلسلہ کے مشہور مشائخ کا مختصر حال لکھا ہے۔

قدر خود را می ندانی اے وخل ۔۔۔۔۔ تشنہ می میری و دریا در بغل[1]

شطاریہ سلسلہ کے مشائخ کی ایک خصوصیت یہ بھی رہی ہے کہ انہوں نے ہندو مذہب کا مطالعہ بڑی گہری نظر سے کیا ہے۔ سید محمد غوث گوالیاری کی کتاب بحر الحیات اس رجحان کی بہترین آئینہ دار ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مشتاقی نے بھی ہندوؤں کے علوم کا مطالعہ کیا تھا۔ صبح گلشن میں لکھا ہے:

"و در کتب علمیہ ہندواں مہارتے کامل داشت"[2]

مشتاقی کو تاریخ سے بھی دلچسپی تھی۔ اور پرانے تاریخی قصے اور واقعات بڑے شوق و ذوق کے ساتھ سنایا کرتے تھے۔ احباب نے اصرار کر کے ان کو کتاب کی صورت میں منتقل کرا دیا۔[3] شیخ رزق اللہ نے اس کا نام واقعات مشتاقی رکھا۔ اس کے قلمی نسخے برٹش میوزیم میں موجود ہیں[4]۔ لودھیوں کی تاریخ کے لیے واقعات مشتاقی کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ ابھی تک یہ کتاب شائع نہیں ہوئی ہے۔ ایلیٹ نے اپنی تاریخ ہند[5] میں اس کے کچھ حصہ کا ترجمہ پیش کیا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شیخ عبد الحق محدث کے خاندان کا حال ختم کرنے سے پہلے، ان کے ننھیال کے متعلق بھی کچھ عرض کر دیا جائے۔

شیخ محدث کی والدہ ماجدہ مولانا زین العابدین المعروف بہ شیخ ادھن دہلوی کی لڑکی تھیں شیخ ادھن کے متعلق شیخ محدث نے لکھا ہے:

"دانشمند کامل بود متورع و متعبد و در غایت خشوع و انکسار و تادب و وقار"[6]

وہ اپنے زمانہ کے دو مشہور بزرگوں سے علمی اور روحانی نسبت رکھتے تھے۔ شیخ سماء الدین[7] ان کے روحانی اور میاں عبد اللہ تلنبی[8] ان کے علمی مرشد۔

شیخ سماء الدین سہروردیہ سلسلہ کے مشاہیر میں تھے۔ شیخ کبیر نبیرۂ مخدوم جہانیاں سید

---

[1] صبح گلشن۔ ص ۴۱۳ [2] ایضاً [3] ملاحظہ ہو مقدمہ واقعات مشتاقی [4] فہرست مخطوطات جلد ۳ ص ۹۲۱ [5] تاریخ ہند۔ جلد چہارم ص ۵۴۳-۵۵۷ [6] اخبار الاخیار ص ۲۶۸

[7] ان کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو اخبار الاخیار ص ۲۰۵-۲۰۶۔ گلزار ابرار ص ۲۰۹-۲۱۰۔ سیر العارفین ص ۱۴۱-۱۴۸۔ [8] حالات کے لیے ملاحظہ ہو، مآثر الکرام ص ۱۹۱-۱۹۲ و تذکرہ علماء ہند ص ۱۰۱۔

شیخ فخر الدین عراقی رح کے محشی تھے۔ — ہندوستان میں ان کی بڑی عزت اور شہرت تھی۔ میاں عبداللہ تلنبی رح، جلال الدین بخاری رح کے مرید، سید شریف جرجانی رح کے شاگرد، جامی کے پیر، اور لمعاتِ شیخ فخر الدین عراقی رح کے محشی تھے — ہندوستان میں ان کی بڑی عزت اور شہرت تھی۔

"پیشرو علماء" اور "قافلہ سالارِ فضلاء" تھے۔ علم معقول کو ہندوستان میں ان ہی نے رواج دیا تھا۔ (آزاد بلگرامی) "سنجر جہت رابہ شرائع علوم منور ساخت"[1] — ان دو بزرگوں کی نسبت سے شیخ ادہن رح کو علمی اور روحانی دنیا میں ایک خاص مرتبہ حاصل ہو گیا تھا۔

شیخ ادہن کو اللہ تعالیٰ نے جمال و کمال دونوں سے نوازا تھا۔ وہ نہایت وجیہ اور حسین بزرگ تھے۔ عبادت و ریاضت میں غرق رہتے تھے۔ شیخ محدث رح کے والد ماجد مولانا سیف الدین رح فرمایا کرتے تھے کہ انہوں نے کبھی کسی ایسے انسان کو نہیں دیکھا جس میں شیخ ادہن رح کے برابر ظاہر و باطن کی یکسانیت ہو۔[2]

شیخ ادہن رح حالانکہ سہروردیہ سلسلہ میں بیعت تھے لیکن انہوں نے اپنے سلسلہ کی عام روش کے خلاف سلاطین و امراء سے کوئی تعلق رکھنا کبھی پسند نہ کیا۔ سلطان ابراہیم لودی نے شاہی ملازمت قبول کرنے کی درخواست کی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ اور گوشۂ قناعت سے قدم باہر نہ نکالا۔

شیخ محدث رح نے ان کے متعلق لکھا ہے:

"انوارِ علم و تقویٰ از جبینِ ایشاں لائح بود،	علم اور تقویٰ کے انوار ان کی پیشانی پر چمکتے تھے
اکثر احوال صائم بودے و در لقمہ احتیاط	اکثر روزہ رکھتے تھے۔ اور حلال و حرام لقمہ کی
تمام داشتے"[3]	بڑی احتیاط کرتے تھے۔

شیخ ادہن نے ۹۳۳ھ کو وصال فرمایا۔ ان کا مزار حوضِ شمسی کے غربی کنارے پر ہے۔[4]

حاصل کلام یہ ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح کی ددھیال اور ننھیال کے دونوں خاندان علم و فضل، تقویٰ و دیانت میں ممتاز تھے۔ اُن کا دینی احساس بیدار تھا اور انہوں نے اپنے دیگر معاصرین کی طرح دنیوی عزت و حشمت کی خاطر کبھی علم و دیانت کو بے آبرو نہیں کیا تھا۔

---

[1] مآثر الکرام ص ۱۹۱۔ [2] اخبار الاخیار ص ۲۱۰ [3] ایضاً [4] ایضاً

باب دُوم (۲)

شیخ محدثؒ کے والد ماجد

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے والد ماجد مولانا سیف الدینؒ ۹۲۳ھ مطابق ۱۵۱۷ء کو دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم و عمل کی بہت سی خوبیاں عطا کی تھیں۔ وہ ایک صاحبِ دل بزرگ، اچھے شاعر اور پُر لطف اور بذلہ سنج انسان تھے۔ لوگ ان کی ظرافت و لطافت، معاملہ فہمی اور محبت اسلوبی کے معترف تھے۔ شیخ محدثؒ نے لکھا ہے:

"در شعر و فضیلت و قبول خاطر و ذوق و شوق و	شاعری، علم، مقبولیت، ذوق و شوق،
محبت و ظرافت، و لطائف و بے تعلقی و وارستگی	ظرافت، دید، پاکیزگی دل، حضور قلب
و طیب قلب و حضور ذاکر و ذکر لطائف و نکات	اور نکتہ سنجی میں اپنے عہد میں بے مثال
و فہم دقائق و ارشادات یگانۂ روزگار و افسانۂ	تھے۔
دیار خود" [1]	

شیخ سیف الدینؒ کو عام لوگ شعر و سخن کی وجہ سے جانتے تھے، لیکن حقیقت میں وہ ایک صاحب باطن اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ رسالۂ وصیت میں شیخ محدثؒ ان کے متعلق لکھتے ہیں:

"پدر من شیخ سیف الدین از عالم ہستی و فقر و فنا	میرے والد شیخ سیف الدین کو فقر و فنا اور
و توحید و تجرید، تفرید نصیبۂ کامل داشت و تکلف	توحید و تجرید کا کافی حصہ ملا تھا۔ وہ تکلف
و تصنع ذکر د سرا پردۂ حال وے مجال نبود نظر او را	و تصنع سے بالکل پاک تھے۔ نگاہ میں ایسا

[1] اخبار الاخیار، ص ۲۹۲۔

تاثیر ے ہو کر ہر کا بعنوان محبت نظر کرد بقدر اثر تھا کسی پر توجہ کی حال دیگر گی اور اس
استعداد و مناسب حال اثر قبول می آورد[1] کو حسب استعداد فائدہ پہنچا۔

اخبار الاخیار میں بھی شیخ محدث نے اُن کی نظر کی تاثیر کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے — "این معنی بسیار تجربہ کردہ شدہ است"۔ وہ ایک نظر میں ملنے کی صلاحیتوں کا اندازہ کر لیتے تھے فرمایا کرتے تھے:

"ما را از صفائی صحبت درویشاں و طول ملازمت ایشاں ایں مقدار شدہ است کہ حقیقت احوال آدمی را می شناسم..... اگر شب تاریکے کسے را ببینم امید ہست کہ حقیقت حال او دریابم"[2]

درویشوں کی صحبت کے فیض سے میرا یہ حال ہو گیا ہے کہ انسان کی حقیقت کو پہچان لیتا ہوں اگر اندھیری رات میں بھی کسی سے ملوں تو امید ہے کہ اس کی حقیقت حال دریافت کر لوں۔

یہی وہ صلاحیت ہے جس کو حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ "نفس گیرا" سے تعبیر فرمایا کرتے تھے۔ روحانی اصلاح و تربیت میں اس کے حیرت انگیز اثرات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

شیخ سیف الدینؒ کا دنیا سے جو تعلق تھا وہ ظاہری تھا۔ شیخ محدثؒ کا بیان ہے کہ وہ قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ انھیں دنیا کی ثروت اور اسباب غنا کے حاصل کرنے کا کبھی شوق پیدا نہیں ہوا۔ دل کو توجہ تھی تو فقر و محبت ہی کی طرف تھی۔ سات سال کی عمر سے ان کو اس راہ کی طلب اور معرفت الٰہی کا شوق پیدا ہوا تھا۔ لکھا ہے:

"از ابتدائے ہفت سالگی کہ آغاز ادراک و شعور است درد طلب آں راہ و شوق معرفت اللہ بود"[3]

سات سال کی عمر سے جو شعور کے آغاز کا زمانہ ہے درد طلب اور شوق معرفت خدا دامن گیر تھا۔

"مشرب توحید" کا اُن پر اس قدر غلبہ تھا کہ مشائخ کا یہ قول اکثر نقل کیا کرتے تھے:

---

[1] رسالہ وصیت (قلمی) [2] اخبار الاخیار، ص ۲۹۱ [3] ایضاً، ص ۲۹۲ [4] ایضاً

"عالم ازوست بدوست وہمہ اوست"۔[1]

شیخ سیف الدین کو عرصہ تک مرشد کامل کی تلاش رہی۔ بالآخر حضرت شیخ امان اللہ پانی پتی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہاں اُن کو ایسا خضر طریقت مل گیا جس نے ان کے مشرب توحید کو جلا دے دی۔

شیخ امان اللہ پانی پتیؒ اُن کا نام عبد الملک اور لقب امان اللہ تھا۔ امام اکبر حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے فلسفہ وحدت الوجود پر کامل عبور رکھتے تھے۔ شیخ محدثؒ نے ان کے متعلق لکھا ہے:

"وے از علمائے صوفیہ موحدہ است، از تابعان ابن عربی قدس اللہ سرہ در علم ایں طائفہ مرتبہ بلند و پایۂ ارجمند داشت و در تقریر مسئلہ توحید بیان شافی و تقریر وافی و سخن توحید را فاش گفتے"۔[2]	وہ وحدت وجود پر اعتقاد رکھنے والے صوفیہ میں تھے ابن عربی قدس سرہ کے تابعان میں تھے۔ اس طبقہ کے علم میں اونچا رتبہ اور بلند درجہ رکھتے تھے مسئلہ وحدت وجود پر بڑی شافی تقریر کرتے تھے اور اسرار توحید کو کھلم کھلا بیان کرتے تھے۔

انہوں نے علم تصوف و توحید میں بہت سی کتابیں لکھی تھیں، جن میں سے دو کتابوں اثبات الاحدیہ اور شرح لوائح جامی کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ اول الذکر کا ایک قلمی نسخہ آصفیہ کتب خانہ حیدرآباد میں ہے۔[3] شیخ محدثؒ نے اثبات الاحدیہ کا ایک طویل اقتباس اخبار الاخیار میں دیا ہے۔

شیخ امان پانی پتیؒ اسرار توحید کو کھلم کھلا بیان کیا کرتے تھے۔ عشق حقیقی کی آگ ہمہ وقت اُن کے سینے میں سلگتی رہتی تھی۔ درس و تدریس کا شوق تھا۔ صوفیۂ متقدمین کی تصانیف کا مطالعہ خود بہت گہری نظر سے کیا تھا اور دوسروں کو بڑے ذوق و شوق سے پڑھاتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی چیز سے کشائش ہوتی ہے۔ میری کشائش صوفیہ کی کتابوں میں ہے۔ وصال کے وقت ان کا یہ حال تھا کہ اپنی ایک ایک کتاب کو کھولتے، دیکھتے اور وداع کرتے تھے۔[4]

---

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۲۹۳ [2] ایضاً۔ ص ۲۳۳

[3] فہرست کتب جلد اول نمبر ۶۲۸ [4] اخبار الاخبار۔ ص ۲۳۵

شیخ پانی پتیؒ، شیخ محمد حسینؒ پسر شیخ حسن طاہرؒ سے بیعت تھے[1] لیکن دوسرے سلسلوں کے مشائخ سے بھی تعلق رکھتے تھے۔ مشربِ قلندریہ میں اُن کا سلسلہ دو واسطوں سے شاہ نعمت اللہ ولیؒ تک پہنچتا تھا۔ سب سلسلوں میں قادریہ سلسلہ کا اعتقاد اُن پر غالب تھا۔[2]

روحانی رہبر کی حیثیت سے اُن کی شان امتیازی تھی۔ وہ مریدوں کی روحانی تربیت سے پہلے اُن کی مخصوص صلاحیتوں اور فطری رجحانات کا جائزہ لیتے تھے، پھر اس کے لیے مناسب راہِ عمل تجویز کرتے تھے۔ جب شیخ سیف الدینؒ اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اُن سے کہا کہ اپنے حالات و خیالات و تصورات کے بتاؤ۔ انہوں نے عرض کیا کہ بندہ کو اکثر خیال ہوتا ہے کہ وہ عرش سے فرش تک ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے اور سب پر محیط ہے۔ فرمایا تم میں توحید کا تخم بویا ہوا ہے۔ اس کے بعد مناسب حال تربیت کی۔[3]

شیخ امان اللہ پانی پتیؒ نے ۱۲ ربیع الآخر ۹۵۷ھ مطابق ۱۵۵۰ء کو وصال فرمایا۔[4]

شیخ سیف الدینؒ شیخ امانؒ کی خدمت میں

شیخ سیف الدینؒ کو ابتدائی زمانہ سے مشائخ کی صحبت کا شوق تھا۔ بہت سے بزرگوں کی خدمت میں عقیدت مندانہ حاضر ہوئے تھے لیکن تسکین کا سامان کہیں نہیں ملتا تھا۔ جب شیخ امان پانی پتیؒ کی خدمت میں پہنچے تو ایسا محسوس ہوا کہ کسی نے زخموں پر مرہم لگا دیا۔ جو جذبات رہبرِ کامل کی غیر موجودگی میں ان کے دل و دماغ پر قیامت ڈھا رہے تھے، ان کی تربیت کا سامان مہیا ہو گیا۔ شیخ سیف الدینؒ ابتدائے حال میں کسی سہروردی بزرگ سے منسلک ہو گئے تھے۔ شیخ امانؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں آپ کی خدمت میں آنے سے قبل مرید ہو چکا ہوں۔ لیکن اب آپ کا جذبۂ محبت و ارادت مجھ پر غالب آ رہا ہے۔ کیا کروں؟ فرمایا۔ المرء مع من احبّ۔ اس رستہ میں محبت کا اعتبار ہے۔ اس کے بعد اُن کی تربیت کی طرف متوجہ ہوئے۔ کچھ ضروری کتابیں اُن کو پڑھائیں۔ پھر اپنے دستِ خاص سے لکھ کر

۱؎ شیخ محمد حسنؒ کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو، اخبار الاخیار۔ ص ۲۲۸۔۲۳۰

۲؎ اخبار الاخیار۔ ص ۲۳۵۔ ۳؎ ایضاً ۴؎ ایضاً

خلافت نامہ عنایت فرمایا۔ شیخ محدثؒ نے لکھا ہے:

"والدم را بہ عنایت خاص مخصوص ساخت و خرقۂ خلافت پوشانید، و مثال خلافت تا چند روز بہ خط خاص خود مسودہ کرد" — میرے والد پر خاص عنایت فرمائی اور خرقۂ خلافت عطا کیا۔ اور خلافت نامہ اپنے دست خاص سے لکھ کر دیا۔

شیخ سیف الدین نے ایک مثنوی میں اس طرح شیخ پانی پتیؒ کے احسانات کی گرانباری کا ذکر کیا ہے:

ہر چہ زمن در سخن آید یقیں	ہست ہم از صحبت آں مرد دیں
ورنہ چہ حد است کہ راز دروں	از دہن چوں منے آید بروں
من کیم و کیستم و چیستم	از دم عیسیٰ نفسے زیستم
اوست دریں راہ مرا رہنما	خاکِ درش چشم مرا توتیا
ہست دل او بحق آویختہ	آب صفت درہمہ آویختہ
دست من و دامن او بالیقیں	مقصد و مقصود من آں شاہ دیں
عشق رخش ہمدم و ہمراز من	درد و غمش مونس و ہمراز من

شیخ سیف الدینؒ کا ذوقِ سخن

شیخ سیف الدینؒ کو شعر و سخن سے بڑی دلچسپی تھی۔ نام کی مناسبت سے سیفی تخلص کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے۔

"سیفی بخاری شاعرے بزرگ است، مارا باوے مشارکتے نیست۔ فقیر تہمت ایں تخلص برخود نمی نہاد و لیکن چوں ہم فقیر سیف الدین بود بعضے یاراں بجد شدند کہ سیفی تخلص کنید بداں سبب" — سیفی بخاری بڑے شاعر ہیں، مجھ کو اُن کی برابری حاصل نہیں۔ فقیر نے اس تخلص کی تہمت اپنے اوپر نہیں رکھی لیکن چونکہ میرا نام سیف الدین ہے اس سبب سے بعض دوست مصر ہوئے کہ سیفی ہی تخلص ہو

لہ ملاحظہ ہو:- Ency. of Islam, Vol. II p. 74-75.

"درگذاشتن ایں تخلص مساہلہ کردہ شدہ"[1] اس سبب سے اس تخلص کے چھوڑنے میں سستی ہوئی

شیخ سیف الدین نے ایک مثنوی "سلسلۃ الوصال" اور ایک رسالہ "مکاشفات" تحریر فرمایا تھا۔ مثنوی سلسلۃ الوصال میں پانچ سو اشعار تھے۔ یہ سب اشعار ایک دن میں لکھے گئے تھے۔ شیخ محدث کا بیان ہے۔

"می فرمودند کہ آں بغلبۂ شوق در یک روز گفتہ شدہ است، و باز ہرگز براں عبور نیفتادہ"[2] فرماتے تھے کہ یہ مثنوی غلبۂ شوق کے عالم میں ایک دن میں کہی ہے، اور پھر دوبارہ نظر ڈالنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

اُن کے اشعار بیاض تک پہنچنے سے پہلے ہی ضائع ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ اُن کی کتابوں کا بستہ بہ ذخیرہ چور قیمتی سامان سمجھ کر چُرا لے گئے تھے۔ جب دیکھا کہ کتابیں ہیں تو جلا کر خاک کر دیں۔

شیخ سیف الدین نے شعر و سخن کا ذوق پایا تھا، اس لیے شعر کہہ کر طبیعت خوش ہو جاتی تھی لیکن تصنیف و تالیف کی طرف رغبت نہ تھی۔ انہوں نے جو کچھ لکھا تھا وہ پیر و مرشد کے اصرار پر لکھا تھا۔ شیخ امان پانی پتیؒ اپنے مریدوں سے تقریر کرنے کا مطالبہ کرتے تھے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ انہوں نے کس حد تک شیخ کی تعلیمات اور افکار کو اخذ کیا ہے۔ جب شیخ سیف الدین سے اس کا مطالبہ کیا گیا تو عرض کیا کہ فقیر کو حضور کے سامنے تقریر کرنے کی مجال نہیں ہے۔ اگر حکم ہو تو لکھ کر پیش کر دے۔ شیخ نے اجازت دی تو چند رسائل تصنیف فرمائے جن میں سے ایک کا نام مکاشفات تھا۔[3] اس کے کچھ اقتباسات شیخ محدثؒ نے اخبار الاخیار میں دیے ہیں۔

شیخ محدثؒ نے اخبار الاخیار میں ان کی دو غزلیں نقل کی ہیں جن سے اُن کے شاعرانہ کمالات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

---

[1] اخبار الاخیار ص ۲۹۸ [2] ایضاً ص ۲۹۷ [3] ایضاً ص ۲۹۶-۲۹۷

سازنے تو وہ در ہمہ اعیاں چناں عیاں — کز غایت ظہور نہانست و رنہاں

از نام و از نشاں کہ تواند نشاں دہد — گویا ہزار نام و نشاں ست بے نشاں

پیش از ظہور بود و ما کان شیٔ معہ — بعد از ظہور ہست علی ما علیہ کان

کون و مکاں بہ پرتو حسن جمال اوست — دیہا طرفہ تر نگر کہ نہ کون ست نے مکاں

نزدیک عارفان محقق محقق است — کہ عین عالم ست ولیکن ورائے آں

گر روئے پوش ہچو عروساں جلوہ گر — گر با ہزار شور و شغب جا جہاوراں

سیفی بجویش نسبت ہستی گمانِ تست — لے وائے بر کسے کہ بماند دریں گماں

ایک اور غزل ہے ؎

ہمائے سدرہ نشینی و مرغ بالائی — ز بہر دانہ فتادی بدام رسوائی

شرابِ عشق بکام تو کے رسد زحرص — پری بگرد شکر چوں ذباب حلوائی

ز دشمنی ست کہ نفس تو بہر پارۂ ناں — بساخت ست ترا ہر دری و ہر جائی

مدام در چمن از دست ساقی مہوش — چہ خام مشربے ار بادہ را نہ پیمائی

لباس بوریہ گر پوشی از ریا نہ بہ — ہزار مرتبہ بہتر ز صوف دارائی

برو بہ یکدہ سیفی و بنگر از سر ہوش — کہ عارفان خدا ایند زیر یکتائی [1]

شیخ سیف الدینؒ کا علمی مرتبہ

شیخ سیف الدین اپنے زمانہ کے علمی معیار اور روایات کے مطابق کوئی جید عالم تو نہ تھے، لیکن ان میں وہ تمام اخلاقی خوبیاں موجود تھیں جو علم و فضل سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور جن سے اس زمانے کے اکثر علماء بدقسمتی سے محروم تھے۔ طلبِ صادق، ایمانِ کامل، اعتقاد راسخ، سچائی، دیانت، استغنا سب ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا گیا تھا۔ جب وہ اپنے گرد ان علماء سو کو دیکھتے تھے جنہوں نے اکبری دور میں دنیوی جاہ و جلال کی خاطر اپنی علمی فضیلت کو خاک میں ملا دیا تھا تو وہ خدا کا شکر ادا کرتے تھے کہ انہوں نے علم حاصل

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۲۹۷-۲۹۸۔

نہیں کیا، ورنہ اُن کی بھی وہی حالت ہو جاتی۔ فرماتے ہیں:

چوں مشاہدہ کردہ می شود کہ علماء و فضلاء در طلب جاہ و عزت و کثرت اسباب و جمیعت اموال و نزاع و خصومت کہ با خلق می افتند مرا شکرانہ آید بر آں کہ بسیار نخواندیم واکابر شدیم۔[1]

جب دیکھتا ہوں کہ آج کل کے علماء و فضلاء جاہ و عزت، مال و دولت اور خلق اللہ سے نزاع و خصومت میں مبتلا ہیں تو خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میں نے زیادہ نہیں پڑھا، اور بڑے آدمیوں میں میرا شمار نہیں۔

جیسا کہ شیخ سیف الدینؒ نے خود فرمایا وہ اکابر علماء میں نہ تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ علوم دینی سے خاص شغف رکھتے تھے۔ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی لکھتے ہیں۔

"آج تک شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کے علمی خانوادے کا آغاز ان ہی کی ذات سے کیا جاتا تھا مگر حکیم صاحب (حکیم حبیب الرحمٰن صاحب، ڈھاکہ) کے پاس ایک دستاویز ایسی ہے، جو اس آغاز کو ایک پشت اوپر تک لے جاتی ہے۔ یعنی علامہ ذہبی کی الکاشف جو اسماء الرجال کی ایک کتاب ہے۔ اس کا ایک نسخہ حکیم صاحب کی ملکیت میں ہے جس کے پہلے صفحہ پر مولانا عبد الحق محدث دہلوی کے والد ماجد مولانا سیف الدین ترکؒ کے قلم کی ایک عبارت تحریر ہے"۔[3]

علالت اور وفات آخری علالت کے زمانے میں شیخ سیف الدینؒ پر ایک عجیب کیفیت

---

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۲۹۲۔ لارڈ ایکٹن (Acton) نے اپنے لیکچر میں ریفارمیشن سے قبل کے حالات کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھا ہے:

"The people had begun to think of virtue apart from the institutions of the Church."

پادریوں کی عزب اخلاق ... نے عوام کو اس طرح سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ دور اکبری میں علماء کی خود غرضی، باہمی نزاع، اور طلب جاہ نے لوگوں کو علم سے برگشتہ کر دیا۔ کہ اگر علم کا حاصل وہی تھا جو ان لوگوں کو ملا تو اس سے بے علم رہنا بہتر تھا۔

[2] اخبار الاخیار۔ ص ۲۹۲۔

[3] 'معارف' فروری ۱۹۲۹ء ص ۸۷۔

جاری رہی۔ خوف و خشیت کا اس قدر غلبہ ہو گیا کہ ہر وقت اسی میں پریشان رہنے لگے۔ جب کوئی ایسی آیت سن لیتے جس میں "وعدہ رحمت" ہوتا تو طبیعت بشاش ہو جاتی۔ ایک مرتبہ شیخ محدثؒ نے یہ آیت تلاوت کی:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ	تحقیق جنھوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے۔ پھر اسی پر
اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْہِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ	قائم رہے، ان پر اترتے ہیں فرشتے کہ تم نہ ڈرو اور نہ
اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا	غم کھاؤ اور خوشی سنو اس بہشت کی جس کا تم کو
بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝	وعدہ تھا۔

تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی، اور شیخ محدث کو بہت سی دعائیں دیں۔ شیخ فرماتے ہیں:

"امید وارم کہ مرا دعائے آں شب سرمایۂ	امیدوار ہوں کہ اس رات کی دعا میرے
دنیا و آخرت شود" [1]	لیے دنیا اور آخرت کا سرمایہ ہو۔

وصال سے کچھ قبل یہ کلمات اور اشعار لکھ کر کفن کے ساتھ رکھنے کی ہدایت کی:

(۱) دارم دلکے غمیں بیامرز و مپرس	صد واقعہ در کمیں بیامرز و مپرس
شرمندہ شوم اگر بپرسی عملم	اے اکرم الاکرمین بیامرز و مپرس
(۲) قَدِمْتُ عَلَی الْکَرِیْمِ بِغَیْرِ زَادٍ	مِنَ الْحَسَنَاتِ وَالْقَلْبِ السَّلِیْمِ
میں آیا ہوں، کریم کے پاس بغیر توشہ	نہ نیکیاں ہیں اور نہ قلب سلیم
وَحَمْلُ الزَّادِ اَقْبَحُ کُلِّ شَیْءٍ	اِذَا کَانَ الْقُدُوْمُ اِلَی الْکَرِیْمِ
گر توشہ لے جانا تو ناموزوں بات ہے	جب کہ ایک کریم کے پاس جانا ہو

(۳) رَبِّیَ اللّٰہُ، وَدِیْنِیَ الْاِسْلَامُ وَنَبِیِّیْ مُحَمَّدٌ، وَشَیْخِی الشَّیْخُ عَبْدُ الْقَادِرِ الْجِیْلَانِیْ

وصال کے وقت "خوف و خشیت کی کیفیت" ذوق و شوق" میں بدل گئی۔ عصر کا وقت تھا شیخ عبدالحقؒ کو مسجد سے بلوایا۔ شیخ محدثؒ خوشی اور بحالی کی یہ حالت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ شیخ

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۲۹۸۔

سیف الدین نے پھر اُن سے فرمایا:

"بابا! بدانکہ مارا اکنوں اصلا رنج ومحنتے ونکنتے نیست، شوق در شوق وطرب در طرب است، اہر زحمتے وبیماری کہ در بدن ما بود بدر رفتہ است ولیکن ترا باید کہ مشغول شوی ودعا کنی کہ مرا زود ازیں جا برد اوند، مر مطلوبے کہ در تمام عمر بود دست دادہ است مبادا باز ایں حالت نماند، دائم دعا می کردم کہ آخر دم در یاد خود داری و بشوق و ذوق ازیں جا بری۔ اکنوں جمال ایں مراد بحسن وجود جلوہ گر شدہ است، اگر ہم دریں حالت پیش خود طلبد کمال لطف و عنایت او باشد۔" [1]

بابا جان لو کہ مجھ کو اس وقت کچھ رنج و فکر نہیں ہے بلکہ شوق پر شوق اور خوشی پر خوشی ہے۔ جو کچھ تکلیف اور بیماری میرے بدن میں تھی چلی گئی ہے۔ تم کو چاہیے کہ مشغول ہو کر یہ دعا کرو کہ مجھ کو جلد اس جگہ سے لیجائیں تمام عمر میں جو میرا مطلوب تھا اب حاصل ہوا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ ہاتھ سے جاتا رہے۔ تمام عمر میں نے دعا کی تھی کہ آخر وقت میں ذوق شوق کے ساتھ اس جگہ سے لے جائیں۔ اب اس مراد کا جمال ہزار ہا حسن کے ساتھ جلوہ گر ہوا ہے۔ اگر اس حالت میں اپنے سامنے بلا لیگا تو اس کی انتہائی عنایت اور کرم ہوگا۔

معشوق حقیقی کے دیدار کی اس قدر بے چینی تھی کہ اگر کوئی شخص عیادت کو آتا اور یہ کہتا کہ حق تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرمائے تو آپ ناخوش ہوتے اور فرماتے کہ خدارا یہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ مجھے یہاں سے بلا لے۔ غذا سے پرہیز کرنے لگے تو لوگوں نے وجہ پوچھی۔ فرمایا:

"از بہر ایں نیز نمی خورم کہ مبادا سبب بقائے من شود، ما را ہر دم کہ ایں جا می رود بکلفت می رود۔" [2]

اس وجہ سے بھی نہیں کھاتا ہوں کہ شاید کہ یہ میری بقا کا سبب بن جائے۔ مجھے اب ایک سانس لینا بھی باعث کلفت ہے۔

۲۷ شعبان ۶۹۱ھ کو یہ بے چین عاشق اپنے محبوب حقیقی کے جا ملا۔ اور عمر بھر کی بے قراری کو قرار آہی گیا!

[1] اخبار الاخیار، ص ۹۹۔ [2] ایضاً

باب سوم

شیخ محدثؒ کی ولادت اور ابتدائی تعلیم و تربیت

ولادت ۱۰ محرم ۹۵۸ھ مطابق ۱۵۵۱ء کو شیخ محدثؒ دہلی میں پیدا ہوئے ؎

زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر
تا ازیں گنبد دیرینہ درے پیدا شد

یہ اسلام شاہ سوری کا عہد حکومت تھا۔ مہدوی تحریک اس وقت پورے عروج پر تھی اور علماء کی جانب سے تکفیر و تضلیل کا کام بڑے زور و شور کے ساتھ کیا جا رہا تھا۔

مہدوی فرقہ کے بانی سید محمد جونپوری تھے۔ اُن کے متعلق مخالفین نے بہت کچھ لکھا ہے اور اُن کے اعتقادات کو باطل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن جیسا کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے لکھا ہے "خود سید محمد اور اُن کے پیروؤں کی پہلی جماعت کے اکثر بزرگ بڑے ہی پاک نفس اور خدا پرست لوگ تھے۔ اس قسم کے معاملات ہمیشہ ابتدا میں کچھ ہوتے ہیں اور آگے چل کر کچھ اور بن جاتے ہیں۔ .... یہی حالت اس جماعت کو بھی پیش آئی۔ اور رفتہ رفتہ اس کی بنیادی صداقت اخلاف کے غلو اور محدثات میں گم ہو گئی۔"[1]

حقیقت میں مہدوی تحریک، احیاء شریعت اور قیام امر بالمعروف کی تحریک تھی۔ سید محمد جونپوریؒ اور ان کے رفقاء، کار علماء سو کی دنیا طلبی اور جاہل صوفیہ کی بدعات و منکرات سے سخت نالاں تھے اور چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی سوسائٹی ... ان فاسد عناصر کو دور کر کے احکام شرع کو تقویت پہنچائی جائے۔ جوں ہی یہ کوشش شروع ہوئی علماء سو اور مشائخ دنیا پرست کی جا

---

[1] تذکرہ، ص ۴۴-۵۴ (جدید ایڈیشن)

کے ساتھ دربار میں حاضر ہوئے۔ سلام کر کے ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ بحث شروع ہوئی تو شیخ علائی نے دنیا پرست علماء کی مذمت کی اور امراء و سلاطین کے فرائض بیان کیے۔ اُن کا ہر ہر لفظ دل سے نکلتا اور دل کی گہرائیوں میں اپنی جگہ تلاش کرتا تھا۔ سلیم شاہ کی آنکھیں بھی اشک آلود ہوئے بغیر نہ رہ سکیں اور شیخ علائی کے متعلق اس کی رائے بدل گئی۔ دوسرے دن پھر مباحثہ ہوا تو شیخ علائی نے ان الفاظ میں مخدوم الملک کی مذمت کی۔

"تو از علماء دنیائی، و دزد دینی، و مرتکب چندیں نا مشروعاتی"

کئی دن تک معاملہ چلتا رہا۔ مخدوم الملک نے سلیم شاہ کو شیخ علائی کے قتل پر آمادہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ لیکن سلیم شاہ اُن کے دینی جذبات سے اس قدر مرعوب ہو چکا تھا کہ صرف جلاوطنی کے حکم پر اکتفا کیا۔ شیخ علائی دکن چلے گئے۔ مخدوم الملک نے پھر شیخ علائی کو آگرہ طلب کیا۔ سلیم شاہ نے علماء آگرہ کی ذہنیت کا اندازہ کر لیا تھا۔ وہ مخدوم الملک کے زیر اثر شیخ علائی کے قتل پر تُلے ہوئے تھے۔ لہذا اس نے شیخ علائی کو شیخ بڈھا بہاری کے پاس روانہ کر دیا۔ کہ جو اُن کا فیصلہ ہو اس پر عمل کیا جائے۔ شیخ بڈھا اپنے زمانے کے جید عالم تھے۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے کہ شیر شاہ تک اُن کی جوتیاں سیدھی کیا کرتا تھا۔ شیخ علائی جب اُن کے مکان پر پہنچے تو سرود و ساز کی آواز سنائی دی۔ اندر پہنچے تو غیر شرعی حرکات دیکھیں۔ ضبط نہ ہو سکا اور بے اختیار امر معروف و نہی منکر شروع کر دیا۔ شیخ بڈھا ان سے خفا ہوئے۔ اور ایک تحریر میں ان کی تکفیر کو ناجائز قرار دیا۔ لیکن لڑکوں نے سمجھایا کہ مخدوم الملک کے خلاف رائے دینا مناسب نہیں۔ اگر اس نے بادشاہ سے کہہ کر اس رائے کی مزید تحقیق کے لیے آگرہ بلوایا، تو پیرانہ سالی میں بہار سے آگرہ تک کا سفر کرنا پڑیگا۔ شیخ بڈھا کا دینی جذبہ مصلحت اندیشی سے شکست کھا گیا۔ دنیا پرستی نے ضمیر کی آواز کو خاموش کر دیا اور انہوں نے دوسرا اسلہ بھیجا اور لکھا کہ مخدوم الملک علماء محققین میں سے ہیں۔ ان کا فتویٰ اپنی جگہ اٹل ہے۔ اب سلیم شاہ نے بھی مجبور ہو کر معاملہ مخدوم الملک کے سپرد کر دیا۔ مخدوم الملک نے حکم دیا کہ ان کے

کے ساتھ دربار میں حاضر ہوئے۔ سلام کر کے ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ بحث شروع ہوئی تو شیخ علائی نے دنیا پرست علماء کی مذمت کی اور امراء و سلاطین کے فرائض بیان کیے۔ ان کا ہر ہر لفظ دل سے نکلتا اور دل کی گہرائیوں میں اپنی جگہ تلاش کرتا تھا۔ سلیم شاہ کی آنکھیں بھی نمناک ہوئے بغیر نہ رہ سکیں اور شیخ علائی کے متعلق اس کی رائے بدل گئی۔ دوسرے دن پھر مباحثہ ہوا تو شیخ علائی نے ان الفاظ میں مخدوم الملک کی مذمت کی۔

"تو از علماء دنیائی، و دزد دینی، و مرتکب چندیں نامشروعاتی"

کئی دن تک معاملہ چلتا رہا۔ مخدوم الملک نے سلیم شاہ کو شیخ علائی کے قتل پر آمادہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ لیکن سلیم شاہ اُن کے دینی جذبات سے اس قدر مرعوب ہو چکا تھا کہ صرف جلاوطنی کے حکم پر اکتفا کیا۔ شیخ علائی دکن چلے گئے۔ مخدوم الملک نے پھر شیخ علائی کو آگرہ طلب کیا۔ سلیم شاہ نے علماء آگرہ کی ذہنیت کا اندازہ کر لیا تھا۔ وہ مخدوم الملک کے زیر اثر شیخ علائی کے قتل پر تلے ہوئے تھے۔ لہذا اس نے شیخ علائی کو شیخ بڈھا بہاری کے پاس روانہ کر دیا۔ کہ جو اُن کا فیصلہ ہو اس پر عمل کیا جائے۔ شیخ بڈھا اپنے زمانہ کے جید عالم تھے۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے کہ شیر شاہ تک اُن کی جوتیاں سیدھی کیا کرتا تھا۔ شیخ علائی جب اُن کے مکان پر پہنچے تو سرود و ساز کی آواز سنائی دی۔ اندر پہنچے تو غیر شرعی حرکات دیکھیں۔ ضبط نہ ہو سکا اور بے اختیار امر معروف و نہی منکر شروع کر دیا۔ شیخ بڈھا ان سے متاثر ہوئے، اور ایک تحریر میں ان کی تکفیر کو ناجائز قرار دیا۔ لیکن لڑکوں نے سمجھایا کہ مخدوم الملک کے خلاف رائے دینا مناسب نہیں۔ اگر اس نے بادشاہ سے کہہ کر اس رائے کی مزید تحقیق کے لیے آگرہ بلایا، تو پیرانہ سالی میں بہار سے آگرہ تک کا سفر کرنا پڑیگا۔ شیخ بڈھا کا دینی جذبہ مصلحت اندیشی سے شکست کھا گیا۔ دنیا پرستی نے ضمیر کی آواز کو خاموش کر دیا اور انہوں نے دوسرا مراسلہ بھیجا اور لکھا کہ مخدوم الملک علماء محققین میں سے ہیں، ان کا فتویٰ اپنی جگہ اٹل ہے۔ اب سلیم شاہ نے بھی مجبور ہو کر معاملہ مخدوم الملک کے سپرد کر دیا، مخدوم الملک نے حکم دیا کہ ان کے

کوڑے لگائے جائیں۔ شیخ علائی طویل سفر کی تکالیف اٹھا کر خستہ جان ہو چکے تھے، گلے میں ایک بڑا زخم تھا، تیسرے کوڑے میں جان جاں آفریں کے سپرد کر دی ——

یہ ایک واقعہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی پیدائش کے وقت کے عام مذہبی ماحول کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ سلیم شاہ۔ شیخ علائی۔ مخدوم الملک۔ شیخ بڈھا —— یہ محض چار شخصیتیں نہیں —— یہ چار عناصر ہیں، چار تحریکیں ہیں، چار رجحانات ہیں جنہوں نے آئندہ سالوں میں ہندوستان کے سماجی، اور دینی ماحول کو بنانے اور بگاڑنے کا کام انجام دیا ان حالات گردوپیش میں پیدا ہونے والے انسان کو اپنی شاہراہ عمل متعین کرنے میں جن مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا، ان کی تفصیل آئندہ صفحات میں نظر سے گزرے گی۔

محرم ۹۵۸ھ —— اسلامی ہند کی تاریخ میں ایک اہم مہینہ ہے۔ اسی مہینے میں شیخ عبدالحق محدث پیدا ہوئے، اور اسی مہینہ میں ابوالفضل۔ موخرالذکر نے اسلامی شعار کی تضحیک و توہین میں وقت صرف کیا، تو اول الذکر نے احیاء شریعت اور قیام امر بالمعروف میں اپنی ساری زندگی گزار دی۔ ایک سے "دین الٰہی" نے تقویت پائی، دوسرے سے "دین محمدی" کو عروج ہوا۔

باپ کے آغوش میں | شیخ محدث کی ابتدائی تعلیم و تربیت اور خیالات کے نشوونما میں ان کے والد ماجد کا خاص حصہ تھا۔ ایام طفلی ہی سے اُنہوں نے اپنے بیٹے کی تربیت کی طرف توجہ کی تھی۔ شیخ محدث کا بیان ہے کہ

"شب و روز در کنار رحمت و جوار عنایت ایشان تربیت می یافتم۔"؎

رات دن میں اُن کی آغوش عاطفت میں تربیت حاصل کرتا تھا۔

تین چار سال کا بچہ دیکھیے اور باپ کا یہ ذوق و شوق کہ شب و روز آغوش میں لیے اس کی تربیت میں مشغول ہے۔ اور برسوں کی ریاضت نے جو ذہنی اور قلبی کیفیات اس میں پیدا

؎ اخبار الاخیار۔ ص ۳۰۰

کردی ہیں اُن کو منتقل کرنے کے لیے بے چین ہے۔ مسئلہ وحدت الوجود کے اسرار سے اس بچہ کو آشنا کرنا چاہتا ہے۔ جب کوئی نکتہ بچے کی سمجھ میں نہیں آتا تو تجربہ کار باپ یہ کہہ کر تسلی کرتا ہے:

"اِن شاء اللہ رفتہ رفتہ پردہ از روئے کار بکشاید و جمال یقین روئے نماید" [1]	ان شاء اللہ رفتہ رفتہ حقیقت کے چہرے سے پردہ اُٹھیگا اور جمال یقین نظر آئیگا۔

لیکن ساتھ ہی یہ ہدایت بھی کرتا ہے:

"لیکن باید کہ دایم دریں خیال باشند و ہر مقدار کہ دست دہد سعی کنید۔۔۔۔"	لیکن یہ ضروری ہے کہ ہمیشہ اسی خیال میں رہو اور جس قدر ممکن ہو کوشش کرتے رہو۔

لنگ و لوک و خفتہ شکل و بے ادب

سوئے او می خیز و او را می طلب!

ایک انگریز مصنف نے لکھا ہے کہ بچے کی تربیت اس وقت سے ہونی چاہیے جب وہ شکاری کے جواب میں مسکرانا شروع کردے۔ شیخ سیف الدین اسی اصول کے قائل تھے۔ اُن کے تعلیمی نظریات بہت بلند تھے۔ تعلیم کا مقصد اُن کے نزدیک صرف ذہن ہی کی جلا نہ تھی، بلکہ اُس سے دلی اور روحانی قوی کی شگفتگی بھی منظور تھی۔ وہ جانتے تھے کہ "حکمتِ زندگی" سینا و فارابی کی کتابوں سے نہیں سیکھی جا سکتی۔ اس لیے چاہتے تھے کہ اپنے دل کی وہ بے چین دھڑکنیں جن میں زندگی کا راز مضمر تھا، اپنے بیٹے کے سینے میں منتقل کر دیں۔ اس زمانہ کی پوری کیفیت شیخ محدث کی زبانی سُنیے:۔

"اسی زمانۂ طفلی میں انہوں نے مجھے حضرات صوفیہ کے اقوال بتائے اور شفقت ظاہری کے ساتھ باطنی تربیت کا برابر خیال رکھا۔ میں بھی بہ تقاضائے فطرت اُن اقوال کا دلدادہ تھا۔ جب وہ ذرا خاموش ہوتے میں کچھ دیر کے لیے اپنے آپ کو بھول جاتا اور واقفانِ اسرار کی طرح ان حقائق کو دوبارہ بیان کرنے کی استدعا کرتا۔ ان میں سے بعض باتیں اپنی خصوصیت

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۳۰۰

غیر معمولی ہے۔ اس سے بڑھ کر عجیب
کے ساتھ ابھی تک حافظے میں محفوظ ہیں۔ یہ امر بہت
جبکہ عمر دو یا ڈھائی سال کی ہوگی ایسا یاد ہے جیسے
بات یہ ہے کہ فقیر کو اپنے دودھ چھٹنے کا زمانہ
کا فیض جاری تھا میں تحصیل
کل کی بات۔ اسی زمانہ میں جب کہ والد کی تربیت و عنایت
رہتا تھا۔ اسی شغل میں
علم کر چکا تھا اور ان کی خدمت میں علمی بحث و تکرار میں مصروف
تلقین علم توحید اور تحقیق مسئلہ وحدت وجود
راتیں گذر جاتی تھیں۔ والد ماجد فقیر کو خصوصاً
میں شرف مکالمت عطا کرتے اور خوش ہوتے تھے۔[1]

شیخ محدثؒ کے والد ماجد نے ان کو بعض ایسی ہدایتیں کی تھیں جن پر شیخ تمام عمر عمل پیرا رہے، اور جو آج بھی اُن کی خاص شان اور مخصوص روایات کا ایک اہم حصہ سمجھی جاتی ہیں۔

شیخ سیف الدینؒ نے اپنے زمانے کے علماء کی بے راہ روی، کج بحثی اور گمراہی کا خوب مشاہدہ کیا تھا۔ اس لیے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی:

"باید کہ بہیچ کس در بحث علم نزاع نکنی۔ و بہ	چاہیے کہ کسی سے علمی بحث میں جھگڑا نہ کرو، دو
کلفت نرسانی۔ اگر دانی کہ حق بجانب دیگر	تکلیف نہ پہنچاؤ، اگر یہ سمجھو کہ دوسرا حق بجانب
است قبول کنی، و اگر نہ دو سہ بار بگو، اگر قبول	ہو تو اس کی بات مان لو۔ اور اگر ایسا نہیں پھر
نکند بگو کہ بندہ را چنیں معلوم است۔ آں	تو اس کو دو تین بار سمجھا دو۔ اگر نہ مانے تو کہو
نیز تواند بود کہ شما می گوئید۔ نزاع بہر	کہ مجھے تو یہی معلوم ہے ممکن ہے کہ جیسا تم کہتے ہو
چیست"[2]	ویسا ہی ہو۔ پھر جھگڑے کی کیا بات ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ علمی بحث میں جو جنگ کی جاتی ہے وہ صرف اپنے نفس کے واسطے ہوتی ہے۔ یہ لاحاصل چیز ہے، اس سے منافرت اور مخالفت کے سوت اُبل پڑتے ہیں۔ علمی مسائل میں محبت والفت سے تبادلۂ خیالات ہونا چاہیے کہ

این کار محبت است، آں را کہ محبت نباشد چہ کار کند	یہ محبت کا معاملہ ہے جس میں محبت نہیں وہ کیا کریگا

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۳۰۰ [2] رسالہ ایضاً۔ ص ۲۹۲۔

شیخ سیف الدینؒ کی ان نصیحتوں کو شیخ محدثؒ کے دماغ کے ہر رگ و ریشے نے قبول کیا۔ اور وہ ان کی زندگی کا جزو بن گئیں۔ اکبری دور میں بحث و مباحثہ، تکفیر و تضلیل کے کیسے کیسے ہنگامے برپا ہوئے، لیکن شیخ محدثؒ نے اپنے مسلک سے کبھی سرمو انحراف نہیں کیا۔ ان کی زندگی کی بنیاد انہی اصولوں پر رکھی گئی تھی۔

تنے پیدا کن از مشتِ غبارے — تنے محکم تراز سنگیں حصارے
درونِ او دلے درد آشنائے — چو جوئے در کنارِ کوہسارے

شیخ سیف الدینؒ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کے دل میں صرف حصولِ علم کی لگن ہی پیدا نہیں کی بلکہ اس کے ذہن میں علم کے متعلق صحیح نظریے بھی قائم کر دیے۔

ابتدائی تعلیم

شیخ محدثؒ کو ابتدائی تعلیم خود ان کے والد ماجد ہی نے دی تھی۔ سب سے پہلے قرآن پاک شروع کرایا اور وہ بھی نئے انداز سے۔ شیخ محدثؒ نے ابھی قواعد تہجی بھی نہیں سیکھے تھے کہ ان کے والد ماجد نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ قرآن پاک کی کچھ سورتیں لکھ کر ان کو یاد کرنے کے لیے دے دیتے تھے۔ اسی طرح دو تین مہینے میں پورا کلام پاک ختم ہو گیا۔ خود شیخ محدثؒ فرماتے ہیں:

اول از قرآن مجید بے سابقہ تعلیم قواعد تہجی کہ اطفال خوانند، دو سہ جزو بلکہ کم تر ..... تعلیم نمودند۔ سبق در سبق ایشاں می نوشتند و من می خواندم۔ از قرآن ہمیں مقدار تعلیم کردہ ام، بعد ازاں از اثر تربیت و شفقت ایشاں چناں قوت بہم رسید کہ ہر روز قدرے از قرآن می خواندم و ہر مقدار کہ می خواندم پیش ایشاں می گذرانیدم۔ در دو سہ ماہ قرآن	سب سے پہلے قرآن مجید بے سابقہ تعلیم قواعد تہجی کے (جس طرح لڑکوں کو عموماً پڑھایا جاتا ہے) دو تین جزو بلکہ اس سے کم تعلیم فرمائے تھے۔ وہ سبق لکھتے تھے میں پڑھتا تھا۔ قرآن کی یہی مقدار میں نے ان سے سبقاً پڑھی ہے۔ اس کے بعد ان کی تربیت و شفقت کے اثر سے ایسی قوت بہم پہنچی کہ ہر روز تھوڑا سا قرآن پڑھنے لگا۔ اور جتنا پڑھتا تھا ان کو سنا دیتا تھا۔ غرض دو تین مہینے میں قرآن شریف

ختم کردم۔[1] | ختم کرلیا۔

اس کے بعد لکھنے کی طرف توجہ کی اور ایک ماہ کی قلیل مدت میں لکھنا سیکھ لیا۔

"در اندک مدت، شاید اگر مقدار یک ماہ بیں | تھوڑی ہی مدت میں، اگر ایک مہینہ کہوں تو
کنم دروغ نگفتہ باشم، کتابت و سلیقہ انشاء | جھوٹ نہ ہوگا، کتابت اور انشاء کا سلیقہ
پیدا شد"[2] | پیدا ہوگیا۔

اتنے کم عرصہ میں لکھنا اور پڑھنا سیکھ لینا، شیخ کی غیر معمولی ذہانت کا کرشمہ ہے۔ شیخ محدثؒ نے اپنی اس کامیابی کا اصلی سبب اپنے والد کو قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"ہر چہ ہست اثر توجہ و عنایت ایشاں است"[3] | جو کچھ بھی ہے وہ ان کی توجہ اور عنایت کا اثر ہے

شیخ سیف الدینؒ نے اپنے فرزند کی تعلیم میں اس زمانے کے مروجہ نصاب یا طریقہ تعلیم کی پابندی نہیں کی۔ بلکہ ضرورت اور اہمیت کے پیش نظر جس کتاب کو مناسب سمجھا پڑھا دیا۔ اس زمانہ میں نظم کی بہت سی کتابیں نصاب میں شامل تھیں اور ان کا پڑھنا ابتدائی تعلیم کا لازمی جزو سمجھا جاتا تھا۔ شیخ سیف الدینؒ نے اپنے بیٹے کو بوستاں اور دیوان حافظ کے چند جزو کے علاوہ نظم کی کوئی کتاب نہیں پڑھائی۔ قرآن پاک کے بعد میزان شروع کردی۔ اور مصباح اور کافیہ تک خود تعلیم دی۔ شیخ محدثؒ کا بیان ہے

"ایں کتابہائے نظم و اشعار کہ تعلیم آں متعارف | اور نظم کی ان کتابوں میں سے جو اس ملک میں
ایں دیار است، شاید کہ چند جزو از بوستاں | مروج ہیں، شاید گلستاں بوستاں کے چند جزو
و گلستاں و دیوان خواجہ حافظ تعلیم کردہ باشند | اور دیوان حافظ پڑھایا ہو۔ اور لڑکپن ہی سے
دم از ابتدائے حالت صغر سنی بعد از ختم قرآن | قرآن پاک ختم کرنے کے بعد میزان الصرف سے
میزان الصرف یاد دادند۔ تا مصباح و کافیہ | لے مصباح و کافیہ تک خود تعلیم دی۔
خود تعلیم فرمودند"[4]

---

[1] اخبار الاخیار، ص ۳۰۰ [2] و [3] ایضاً، ص ۳۰۱ [4] (بر صفحہ ۸۲)

پڑھاتے وقت اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ان شاء اللہ تو جلد عالم بن جائیگا۔

"ان شاء اللہ تو زود دانشمند شوی"

شیخ سیف الدینؒ اپنے بیٹے کی تعلیم خود اپنی نگرانی میں مکمل کرنے کے لیے بے چین رہتے تھے۔ ان کی تمنا تھی کہ وہ اپنے جگر گوشہ کے سینہ میں وہ تمام علوم منتقل کر دیں جو انہوں نے عمر بھر کے ریاض کے بعد حاصل کیے تھے لیکن یہ ان کی پیرانہ سالی کا زمانہ تھا۔ اس لیے سخت مجبور بھی تھے۔ کبھی کتابوں کا شمار کرتے اور حسرت کے ساتھ کہتے کہ یہ اور پڑھا لوں پھر فرماتے

"مرا حظے غریب دست دہد بہ تصور آنکہ حق تعالیٰ ترا بجائے کہ من خیال کردہ ام برساند" لہ

مجھے بڑی خوشی ہوتی ہے جس وقت یہ تصور کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو اس کمال تک پہنچائے کہ جو میں نے خیال کیا ہے۔

شیخ محدثؒ خود بے حد ذہین تھے۔ طلب علم کا سچا جذبہ تھا۔ جس علم کی طرف توجہ کرتے، پانی ہو جاتا۔ بوڑھا باپ، بیٹے کی ذہانت اور سعی پیہم سے خوش ہوتا اور اس کے شاندار علمی مستقبل کے نقشے ذہن میں جماتا رہتا تھا۔ ایک دن کا واقعہ شیخ محدثؒ خود اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"یاد دارم کہ روزے در ملازمت ایشاں تقریر بعضے سخنان علمی می کردند، وایشاں بجانب من ناظر بودند۔ درا ثنائے سخن ایشاں را حالتے در گرفت، و نعرہا زدند و گریہ کردند۔ وہم دراں حالت

(حاشیہ صفحہ ۸۰) تک عرصے سے ہندوستان کے نصاب میں یہی کتابیں شامل تھیں۔ عباس شیروانی شیرشاہ کی تعلیم کے متعلق تاریخ شیرشاہی میں لکھتا ہے:

"فرید بہ تحصیل علوم عربیہ مشغول شد۔ کافیہ بحواشی قاضی شہاب الدین خوب طرح بخواند، و علوم دیگر نیز تحصیل کرد و گلستان و بوستان و سکندر نامہ وغیرہم بخواند" (قلمی نسخہ)

اس زمانہ کے نصاب تعلیم کے متعلق تفصیلی معلومات درکار ہوں تو مولانا حکیم عبدالحی مرحوم کا مضمون "ہندوستان کا نصاب درس" (الندوہ۔ فروری ۱۹۰۹ء) ملاحظہ کرنا چاہیے۔ نیز ڈاکٹر صوفی کی کتاب المنہاج بھی اس موضوع پر کافی دلچسپ ہے۔

(Al-Minhaj Dr. G. M. D. Sufi Lahore 1941)

(نوٹ صفحہ ہذا) لہ اخبار الاخیار۔ ص ۳۰۱۔

بہ دو دست بروئے فقیر برآوردند، و دعا کردند، و بعد از فرود آمدن آں حالت فرمودند کہ ما را از مشاہدہ

سنا بجلی دست داد، و نورے مشہود شد کہ تعبیر از کیفیت آں ممکن نباشد خداوند کہ آں چہ حالت بود"

بارہ تیرہ برس کی عمر میں شرح شمسیہ اور شرح عقائد پڑھلی۔ پندرہ سولہ برس کی عمر ہوگی کہ مختصر و مطول سے فارغ ہوگئے۔ اٹھارہ برس کی عمر میں علوم عقلی و نقلی کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جس کی سیر نہ کر چکے ہوں۔ اس زمانہ کی پوری روئداد خود اُن کی زبانی سننے کے قابل ہے۔ فرماتے ہیں :-

"اور یہ بھی فرماتے تھے (اپنے والد کی طرف اشارہ کرتے ہیں) کہ ہر ایک علم میں سے مختصر پڑھ لوگے تو تم کو کافی ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد برکت اور سعادت کے دروازے تم پر کھل جائینگے اور تمہیں سارے علوم بے تکلف حاصل ہو جائینگے۔ ان کے اس ارشادِ پاک نے یہ اثر کیا کہ تحصیل علوم میں مجھ کو ایسی سرعت حاصل ہوئی کہ جس کو طے زمان اور طے مکان کہتے ہیں ہر علم حاصل ہوگیا یعنی مختصرات نحو مثل کافیہ ولب وارشاد وغیرہ شاید ایک ایک جزو بلکہ زیادہ یاد کرتا تھا اور اہتمام تحصیل علم کے لیے اس قدر بے چینی تھی کہ اگر کوئی جز ان مختصرات کا صحیح اور محشی مل جاتا تھا تو اس کو خود مطالعہ کرلیتا۔ حاجت استاد سے پڑھنے یا دریافت کرنے کی نہ ہوتی، اگر بحث آسان ہوتی یا مضمون سے پہلے سے واقفیت ہوتی تو میرا فکر اس کو قبول نہ کرتا۔ خدا جانے کہ ان دنوں میں کیا سمجھتا تھا اور کیا دیکھتا تھا لیکن ہر کتاب کے متن اور حاشیے اور ان کے الفاظ سے پورا فائدہ حاصل کرتا تھا۔ اور جو کتاب میرے ہاتھ آتی یا جزو کسی کتاب کا ملتا، خواہ میرے پڑھے ہوئے ہوتے یا نہ ہوتے اُس کو اول سے آخر تک دیکھنا اپنے اوپر واجب کرلیتا تھا، اور میں اس امر کا مقید نہ تھا کہ شروع یا خاتمہ کتاب ملے تو دیکھوں۔ میری نظر تحصیل علم پر تھی۔ خواہ کسی طرح پر ہو۔"[1]

اس زمانہ میں تحصیلِ علم سے اُن کا مقصد کیا تھا؟ اخبار الاخیار میں اُنھوں نے طالب علمی

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۳۰۱۔

کے زمانہ کے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے، جس سے اُن کے مقاصد اور رجحانات کا پتہ چلتا ہے۔ ایک دن اُن کے کچھ ساتھی اس بات پر گفتگو کر رہے تھے کہ حصول علم سے اُن کا کیا مقصد ہے۔ کسی نے کہا کہ معرفت الٰہی کی غرض سے علم حاصل کرتا ہوں، کسی نے کہا دنیوی مشکلات کو حل کرنے کے لیے۔ شیخ محدث کی باری آئی تو اُنھوں نے جواب دیا:

"من اصلا ندانم کہ بر تحصیل علم معرفت الٰہی مرتب شود یا اسباب ملاہی مرا بالفعل خود شوق این ست کہ بارے بدانم کہ چندیں عقلا وعلما گذشتہ اند چہ گفتہ اند و در کشف حقیقت معلومات سائل چہ دُر ہا سفتہ اند تا بعد از حصول آں چہ حالت دست دہد بحظ نفس برد یا بمحبت مولیٰ یا تحصیل دنیا کشد یا طلب عقبیٰ"؟ [۱]

میں بالکل نہیں جانتا کہ تحصیل علم سے معرفت الٰہی حاصل ہو یا اسباب لہو۔ بالفعل مجھے یہ شوق ہے کہ معلوم کروں کہ اتنے عقلاء اور علماء جو گزرے ہیں کیا کہتے ہیں اور کشف حقیقت معلومات میں کس قدر موتی پروئے ہیں۔ اور اس کے حاصل کرنے کے بعد کیا حالت ہوئی یعنی حظ نفس کی طرف گئے یا محبت مولیٰ یا تحصیل دنیا یا طلب عقبیٰ کی طرف۔

---

[۱] اخبار الاخیار، ص ۳۰۲۔

باب چہارم

شیخ محدثؒ طالبِ علم کی حیثیت سے

شیخ محدثؒ نے اپنے بڑھاپے میں نواب مرتضیٰ خاں، شیخ فرید کو ایک خط میں طلب صادق[1] کی نوعیت بتائی تھی کہ

"ہر دمے کہ زند و ہر قدمے کہ زند حصول مطلوب و حضور محبوب پیش چشم دارد۔"

انسان جو سانس لے اور جو قدم رکھے اس میں ہمیشہ حصول مطلوب اور حضور محبوب پیش نظر ہو۔

طالب علمی کے زمانہ میں خود اُن کا یہی حال تھا۔ دن اور رات اسی میں غرق رہتے تھے حصول علم کا جذبہ اس قدر غالب تھا کہ زندگی اور اس کی ساری دلچسپیاں سمٹ کر اسی میں آگئی تھیں۔ خود لکھتے ہیں۔

"از ابتدائے ایام طفولیت نمی دانم کہ بازی چیست و خواب کدام، مصاحبت کیست و آرام چہ و آسائش کو و سیر کجا۔

شب خواب چہ و سکوں کدامست
خود خواب بعاشقاں حرامست!

ہرگز در شوق کسب و کار طعام بوقت نخوردہ و خواب در محل نبردہ"[2]

بچپن سے میرا یہ حال ہے کہ مجھے یہ نہیں معلوم کہ کھیل کود کیا ہے، خواب، مصاحبت، آرام اور آسائش کے کیا معنی ہیں، میں نہیں جانتا کہ سیر کیسی ہوتی ہے۔ تحصیل علم میں مشغولیت کی بنا پر کھانا کبھی بروقت نہیں کھایا اور نیند بھر کر نہیں سویا۔

۱۔ المکاتیب والرسائل۔ ص ۴۷۔ ۲۔ اخبار الاخیار۔ ص ۳۰۲

جس محنت و مشقت اور جانفشانی کے ساتھ انہوں نے علم حاصل کیا تھا، اُس کی مثال اس زمانہ میں ملنی مشکل ہے۔ ابوالفضل نے اگر رات کو پڑھتے پڑھتے اپنے دماغ میں خشکی پیدا کرلی تھی تو شیخ محدث نے بارہا مطالعہ کی مشغولیت میں اپنے بالوں اور عمامہ کو چراغ سے جلایا ہے۔ اور وہ بھی اس طرح کہ آگ لگنے کی خبر تک بھی نہیں ہوئی ہے۔ فرماتے ہیں۔

چہ دود ہائے چراغے کہ در دماغ نرفت — کدام بادۂ محنت کہ در ایاغ نرفت

کدام خواب و چہ آسائش و کجا آرام — چہ خار خار کہ در بستر فراغ نرفت

بجز تم زدل خود کہ عمر رفت ولے — زکنج غمکدہ ہرگز بہ صحن باغ نرفت[1]

شیخ محدث نے صبح سے رات تک کا اپنا پورا پروگرام بتایا ہے حقیقت یہ ہے کہ علمی دنیا کی صدر نشینی کے لیے جس ریاضت کی ضرورت تھی، اُس میں اُنہوں نے کوئی کمی نہیں کی تھی بچپن سے اُنہیں اس بات کا احساس تھا کہ ع جنت تری پنہاں ہے ترے خون جگر میں۔ اس لیے اُنہوں نے تحصیل علم میں اپنے خون کا پانی کردیا۔ طلوع آفتاب سے قبل وہ مدرسہ کو روانہ ہوجاتے تھے۔ مدرسہ مکان سے دو میل کے فاصلہ پر تھا۔ دوپہر کو کھانا کھانے تھوڑی دیر کے لیے گھر آتے اس کے بعد پھر مدرسہ جاکر مطالعہ میں مشغول ہوجاتے۔ چھ میل کی مسافت طے کرچکنے کے بعد بھی ان کو تھکن محسوس نہ ہوتی تھی اور وہ پورے ذوق و انہماک کے ساتھ رات تک مدرسہ میں مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ رات کو جب گھر واپس آتے تو آرام کرنے کے بجائے پڑھنے کے لیے بیٹھ جاتے والدین اُن کی اس محنت اور مصروفیت سے بہت پریشان رہتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ کبھی کبھی آرام بھی کرنا چاہیے۔ لیکن اُن پر تحصیل علم کا ایک نشہ سا تھا۔ وہ سب کی نصیحتیں سُنتے تھے لیکن کچھ مجبور سے تھے۔ مفصل کیفیت خود اُن کی زبانی سُنیے۔ فرماتے ہیں:۔

"ہر روز باوجود غلبۂ برودت ہوائے زمستان و [2] میں جاڑے کی ٹھنڈی ہوا اور گرمی کے جھلسا دینے والی

---

[1] کتابت سے: دود چراغ خوردہ شب آوردہ آم بروز بہ صحن دو دم از نماند دماغ مراتری

[2] اخبار الاخیار۔ ص ۳۰۲۔

وقت حرارت تابستان دوباره بمدرسه دهلی
که تخمیناً از منزل ما بُعد دو میل داشته باشد
سیر می کردم۔ درمیان روز لختی وقفه در غریب خانه
بسبب تناول چند لقمه بسبب عادت قوم
وکمی درازی است واقع می شد.....
والدم پدر و مادر من در پے آن بودند که یکدم
بکودکان محله بازی کنم یا شب بوقت متعارف
بآرام کنم۔ دمی می گفتم که آخر غرض از بازی
خاطر خوش کردن است و مرا خاطر بهمین خوش
است که چیزے بخوانم یا بنویسم۔ برعکس اکثر
پدران و مادران اطفال را بر خواندن و بمکتب
رفتن زجر کنند و عتاب نمایند مرا در جانب
دیگر بمبالغه خطاب می کردند۔ گاہے در اثنائے
مطالعه که از نیم شب در می گذشت، والدم
قدس سره مرا فریاد می زد که بابا! چه می کنی۔
من فی الحال درازی کشیدم تا دروغ واقع
نشود و می گفتم که خفته ام، چه می فرمایند، باز بر
می نشستم و مشغول می شدم۔ ؎

دوپہر کو میں ہر روز دوبارہ دہلی کے مدرسہ میں جاتا
تھا جو ہمارے مکان سے تقریباً دو میل کے فاصلہ
پر ہوگا۔ دوپہر کو تھوڑی دیر گھر ٹھہر کر چند لقمے تھوڑے
کھا لیتا...... میرے والدین ہر چند
کہتے تھے کہ تھوڑی دیر کے لیے محلے کے لڑکوں
کے ساتھ کھیل لو اور وقت پر سو جاؤ، میں کہتا
تھا کہ آخر کھیلنے سے مقصد دل کا خوش کرنا ہی
تو ہے، میری طبیعت اسی سے خوش ہوتی
ہے کہ کچھ پڑھوں یا لکھوں۔ عام طور پر ماں
باپ بچوں کو پڑھنے اور مکتب جانے کی تاکید
اور تنبیہ کیا کرتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس
مجھے کھیل کود کی ترغیب دیتے تھے۔ کبھی مطالعہ
کے دوران میں ایسا بھی ہوا ہے کہ آدھی رات
گزر گئی ہے۔ میرے والد نے مجھ سے فریاد کی
ہے کہ بابا! کیا کرتے ہو۔ میں سنتے ہی فوراً
لیٹ جاتا کہ جھوٹ واقع نہ ہو اور کہتا کہ میں
سوتا ہوں۔ آپ کیا فرماتے ہیں! جب وہ
مطمئن ہو جاتے تو پھر اٹھ بیٹھتا اور مشغول ہو جاتا۔

شاہ صاحب کے زمانہ میں تحصیلِ علم کا کام صرف خواندن پر ہی ختم نہ ہوتا تھا۔ بلکہ اس
کے اور مراحل بھی تھے۔

؎ اخبار الاخیار، ص ۳۰۲-۳۰۳۔

(۱) مطالعہ (۲) بحث وتکرار (۳) کتابت

ان منزلوں سے گزر کر سبق جس قدر پختہ ہو جاتا تھا اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ طالب علم کے دل و دماغ کا رگ و ریشہ اس تعلیم سے متاثر ہوتا تھا اور اس کا قصر علم آج کل کی طرح نقش بر آب نہیں، بلکہ آہنی ستونوں پر کھڑا ہوتا تھا۔ شاہ صاحب مطالعہ اور بحث و تکرار میں مستقل مشغولیت کے باوجود کتابت کے لیے وقت ضرور نکال لیتے تھے۔ فرماتے ہیں:-

"وعجیب تر آنکہ باوجود احاطہ اوقات وشمول ساعات بمطالعہ وتذکار وبحث وتکرار ہرچہ از کتب خواندہ می شد بلکہ ورائے آں از شروح وحواشی در نظر می آمد تقیید آں بکتابت از ضروریات وقت می دانستم، اکثرے از شب وپارہ از روز بمطالعہ می گذشت وپارہ از شب واکثرے از روز بکتابت می رفت" [۱]

اور زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ باوجود مطالعہ تذکرہ اور بحث وتکرار میں بیشتر وقت منہمک رہنے کے، جو کتابیں پڑھتا تھا بلکہ ان کے علاوہ شروح وحواشی بھی جو نظر سے گزرتے تھے ان کے لیے بھی، لکھنے کی مشق کو ضروریات وقت میں سے شمار کرتا تھا۔ رات کا زیادہ حصہ اور تھوڑا حصہ دن کا مطالعہ میں گزرتا تھا۔ اور تھوڑا حصہ رات کا اور زیادہ حصہ دن کا لکھنے میں صرف ہوتا تھا۔

یہ تھا اس شخص کی طالب علمی کا زمانہ جس نے سترہویں صدی میں احیاء علوم الدین کی شاندار خدمت انجام دی!

حفظ کلام پاک شیخ محدثؒ نے ابتدائی زمانہ میں ہی قرآنِ پاک حفظ کر لیا تھا۔ اس کام میں اُن کو سال، سوا سال محنت کرنی پڑی تھی۔ خود فرماتے ہیں:

"بعد ازاں بہ حفظ قرآن مجید نیز موفق شدم و

اس کے بعد قرآن مجید کے حفظ کرنے کی توفیق

[۱] اخبار الاخیار - ص ۳۰۲۔

درکنفِ حفظ در آمدم و در مدت یک سال و چیزے ایں نعمت را ..... بدست آوردم[1]

اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمائی اور میں نے ایک سال اور کچھ دنوں میں اس نعمت کو حاصل کرلیا۔

دانشمندانِ ماوراء النہر سے تلمذ عربی میں کامل دستگاہ اور علم کلام و منطق پر پورا عبور حاصل کرنے کے بعد شیخ محدث رحؒ نے "دانشمندانِ ماوراء النہر" سے اکتساب علم کیا۔ شیخ نے ان بزرگوں کے نام نہیں بتائے۔ بہر حال ان علوم کے حصول میں بھی ان کی مشغولیت اور انہماک کا وہی عالم رہا کہ رات اور دن کے کسی حصہ میں فرصت نہ ملتی تھی۔ اخبار الاخیار کی تصنیف کے وقت نہایت حسرت سے اُن کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ہیں:-

"اگر آں قدر ذوق و شوق در طلب مولیٰ و ریاضت باطن می بود تا کارِ بجائی کشیدے[2]

اگر اس قدر ذوق و شوق کا اظہار ریاضت اور طلب مولیٰ میں ہوتا تو میں کیا کیا حاصل کرلیتا!

شیخ محدث رحؒ نے بڑی رسا طبیعت پائی تھی، جس علم کی طرف متوجہ ہوتے تھے اپنی محنت اور ذہانت سے اس میں کمال حاصل کرلیتے تھے۔ چنانچہ علم کلام اور فلسفہ میں بھی ایسا درک پیدا کیا کہ اُن کے اُستاد بھی اُن کے کمالات کی تعریف کرنے لگے۔ حد یہ ہے کہ انہوں نے اپنے ذہین شاگرد سے اس کا اعتراف کیا:

"ما از تو مستفید یم و ما را بر تو منتے نیست[3]

ہم تجھ سے مستفید ہیں، ہمارا تجھ پر کوئی احسان نہیں۔

عبادت و ریاضت کی ابتدا اقبال رحؒ نے کہا ہے:

فقر کا مقصود ہے عفتِ قلب و نگاہ   علم کا مقصود ہے پاکیِ عقل و خرد

شیخ محدث رحؒ نے "پاکیِ عقل و خرد" کے ساتھ ساتھ "عفتِ قلب و نگاہ" کا بھی پورا پورا خیال رکھا۔ بچپن سے اُن کو عبادت و ریاضت میں دلچسپی تھی۔ اُن کے والد ماجد نے ہدایت کی تھی۔

"ملائے خشک و ناہموار نباشی[4]!"

---

[1] اخبار الاخیار - ص ۳۰۱-۳۰۲   [2] ایضاً - ص ۳۰۲   [3] ایضاً - ص ۳۰۲

[4] ایضاً - ص ۳۰۳۔

چنانچہ عمر بھر ان کے ایک ہاتھ میں جامِ شریعت رہا۔ دوسرے میں سندانِ عشق۔ عشقِ الٰہی کی لگن و تڑپ ان کا خاندانی ورثہ بھی تھی۔ شیخ سیف الدینؒ نے اُن میں عشقِ حقیقی کے وہ جذبات پھونک دیے تھے جو آخرِ عمر تک انکے قلب و جگر کو گرماتے رہے۔

ابتدائی زمانہ میں اُن کا معمول تھا کہ وہ رات میں بیدار ہو کر عبادت میں مشغول ہو جاتے تھے۔ لکھتے ہیں۔

"وباوجود شوق وشغف تحصیل وتکرار علم در کثرت صلوٰۃ و اوراد و شب خیزی و مناجات هم دراں طفولیت ... بوجود می آمد[۱]"

تحصیل علم میں اس قدر انہماک اور مشغولیت کے باوجود اس زمانہ طفلی میں نماز، اوراد، شب خیزی اور مناجات کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔

اس زمانہ میں جس ذوق و شوق کے ساتھ وہ دعائیں مانگا کرتے تھے، اس کے تصور سے پیرانہ سالی میں اُس کے کام و دہن لطف اندوز ہوتے تھے۔ فرماتے ہیں:

ہنوز ذوق آں اسحار و اوقات در کام وقت پیدا است ۔[۲]

اس زمانہ میں شیخ محدثؒ کو علماء و مشائخ کی صحبت میں بیٹھنے اور ان سے مستفید ہونے کا بڑا شوق تھا۔ اپنے مذہبی جذبات اور خلوص نیت کے باعث وہ ان بزرگوں کے لطف و کرم کا مرکز بن جاتے تھے۔ شیخ اسحاقؒ (المتوفی ۹۸۹ھ) سہروردیہ سلسلہ کے مشہور بزرگ تھے اور ملتان کو چھوڑ کر دہلی میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ اکثر اوقات خاموش رہتے تھے۔ بہت کم کسی سے بات کرتے تھے لیکن جب شیخ محدثؒ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تب بے حد التفات و کرم فرمایا، اور

"بفقیر سخناں بسیار کرد"[۳]

[۱] اخبار الاخیار۔ ص ۳۰۳ [۲] ایضاً۔ [۳] ایضاً۔ ص ۲۷۸

باب (۵) پنجم
تکمیلِ علم کے بعد

بازگلبانگ پریشاں می زنم | آتشے در خندلیباں می زنم
مجلہ گل بہر من کردند و من | سر بدیوار گلستاں می زنم

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تکمیل علم بہت کم عمر میں کر لی تھی اس کے بعد (۹۹۶ھ) تک (جب کہ وہ حرمین شریفین کے لیے روانہ ہوئے) وہ کیا کرتے رہے؟ —— اس کا کچھ پتہ ان کی تصانیف سے نہیں چلتا۔ عبدالحمید لاہوری کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تحصیلِ علم سے فراغت کے بعد (یعنی حج بیت اللہ کو روانگی سے قبل) انہوں نے درس و تدریس کا کام شروع کر دیا تھا —— لکھا ہے:

"چوں سنین عمرش بعشرین رسید انا پایۂ تحصیل بعد بجد تدریس برآمد و چندے ہنگامہ افادہ گرم داشتہ بپائے طلب بادیہ پیمائی سفر حجاز گردید"[۱]

جب ان کی عمر بیس سال کی ہوئی تو تکمیل علم کے بعد درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔ اور کچھ دنوں یہ مشغلہ جاری رکھنے کے بعد عازم حجاز ہوئے۔

اخبار الاخیار میں اپنی تعلیم کا ذکر کرنے کے بعد ایک دم سے یہ کہنے لگتے ہیں:——

"چارہ گر بیچارگاں و راہ نمائے آوارگاں مرا بجانب خود طلبید و من بے خانماں را

بے بسوں کے مددگار اور پریشان حال لوگوں کے راہ نما نے مجھے اپنی طرف بلا لیا اور مجھ

---

[۱] بادشاہ نامہ۔ حصہ دوم۔ ص ۲۳۱۔۲۳۲۔

محمد صالح کنبوہ نے شاہ جہاں نامہ (جلد سوم ص ۳۴۲-۳۴۳) میں بھی یہی لکھا ہے: "روزے چند بہ تدریس و تعلیم پرداختہ" اس کے بعد "معنی توحید بر لوح دل بر نگاشتہ بہ عزم کعبہ بسفینہ نشست"

سلسلۂ شوق در گردن افگند و بسوئے خانۂ خود کشید و من نامراد را بمنزل مراد رسانید یعنی بدرگاہ حبیب خود صلی اللہ علیہ وسلم جائم داد[1]

بے خانماں کی گردن میں زنجیرِ شوق ڈال کر اپنے گھر کی طرف کھینچ بلایا اور مجھ نامراد کو منزل مراد تک پہنچا دیا یعنی اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی درگاہ میں مجھے جگہ دی۔

زاد المتقین میں لکھتے ہیں :۔

"در سنہ ست وتسعین وتسع مأتہ جاذبہ از غیب در رسید ووحشت در دل پدید آمد۔ چارہ نماند جز دیوانگی کردن و زاد ہمت بخیال سفر بستن"[2]

۹۹۶ھ میں جذبہ غیب سے پیدا ہو گیا اور دل پر وحشت طاری ہو گئی۔ دیوانگی کی حالت میں سفر کا ارادہ کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا۔

آخر وہ ہندوستان میں اپنے آپ کو "بے خانماں" کیوں سمجھتے تھے؟ اور وہ "وحشت" جس کا ذکر اُنھوں نے زاد المتقین میں کیا ہے اُن کو ہندوستان میں کیوں محسوس ہونے لگی تھی؟

شیخ عبدالوہاب کی خدمت میں پہنچ کر اُنھوں نے اس وحشت کا سبب اس طرح بیان کیا:

"یا سیدی! انا امرؤ نشأت من زمان صغری فی الریاضۃ للتعلم والتعبد لم اعتد بصحبۃ الناس والاختلاط معھم والدخول فیھم ولما حصل لی بفضل اللہ طرف صالح من ذٰلک وقضیت وطری وحاجتی مما ھنالک دعانی بعض اھل الحقوق الی الخروج الی ارباب الدنیا فادرکت سلطان الوقت والامراء فاعتنوا بشأنی ورفعوا

یا سیدی! میں وہ شخص ہوں جو بچپن ہی سے تحصیل علم اور عبادت گزاری کی محنت اور ریاضت میں پلا ہے۔ میں کبھی عام لوگوں کی صحبت اور میل جول کو خاطر میں نہیں لایا، اور جب اللہ کے کرم سے مجھے علم کا اچھا خاصہ حصہ مل گیا، اور میں نے اپنی ضروریات یہاں کی چیزوں سے پوری کرلیں تو بعض اہل حقوق نے مجھے دنیادار لوگوں کی طرف بلایا۔ چنانچہ میں بادشاہ وقت اور امرا کے پاس گیا۔ اُنھوں نے میری طرف

---

[1] اخبار الاخیار، ص ۳۰۴

[2] زاد المتقین (قلمی نسخہ)

مکانی وارادوا ان یکثروا بی سوادھم ویحکموا ویعدوا بھذا الضعیف صورھم وموادھم فحمانی اللہ ولو یترکنی معھم واوجد فی قلب عبدہ جذبۃ تھدیھا الی ھذا المقام الشریف" [1]

بہت توجہ کی، میرا رتبہ بلند کیا اور یہ ارادہ کیا کہ میرے ذریعہ اپنی جماعت بڑھائیں اور مجھ کمزور سے اپنی طاقت مضبوط کریں۔ پس اللہ نے مجھے محفوظ رکھا اور ان کے ساتھ مجھے نہ چھوڑا، اپنے بندہ کے دل میں ایک جذبہ پیدا کیا جس نے اس مقام شریف تک پہنچایا۔

اس سے پہلی بار یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ محدثؒ کچھ عرصہ فتح پور سیکری میں بھی رہے تھے۔ اور وہاں اکبر اور اس کے درباریوں نے اُن کی بڑی قدر بھی کی تھی لیکن جس شخص کی قسمت میں علوم اسلامی کی تجدید اور تقویت شرع لکھی ہوئی تھی وہ کس طرح اُس ماحول میں ٹھہر سکتا تھا جہاں شرع کی بے حرمتی ہو رہی تھی اور بدعات کا ہنگامہ برپا تھا۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے :-

"چوں وضع زمانہ و زمانیاں کہ بہر تخلف بر ہیچ طبیعی مشتمل است دیگر گوں شد و بر اوضاع آشنایاں اعتماد نماند صحبت فلانی و فلانی راست نیامد و توفیق رفتن بکعبہ شریفہ رفیق او شد از دہلی بطریق جذبہ بے ہیچ چیز مقید نہ شدہ بگجرات رفت" [2]

جب اہل زمانہ کی وضع میں (جو اوقات میں مخل اور مکروہات پر مشتمل ہے) فرق آیا اور ملنے والوں کے حالات اعتماد کے قابل نہ رہے اور فلاں فلاں کی صحبت سازگار نہ ہوئی اور کعبہ شریف جانے کی توفیق رفیق حال ہوئی تو شیخ جذبہ کے عالم میں بے سروسامانی کے ساتھ دہلی سے گجرات کو روانہ ہو گئے

جس وقت شیخ محدثؒ نے ہندوستان کو چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا، اُس وقت یہاں کی

---

[1] المکاتیب والرسائل - ص ٢٧٩ [2] منتخب التواریخ - جلد سوم - ص ١١٣ -

سر وولزلے ہیگ (Sir Wolseley Haig) کا خیال ہے کہ ملا عبدالقادر نے یہاں فیضی اور ابوالفضل کا نام لکھنے کے بجائے "صحبت فلانی و فلانی" لکھ دیا ہے۔ (انگریزی ترجمہ منتخب التواریخ - جلد سوم - ص ١٦٨)

دینی فضا انتہائی مکدر تھی علماء سوئے دربار اور دربار سے باہر جو افسوسناک حالات پیدا کر دیے تھے، ان میں کسی بزرگ کا یہاں ٹھہرنا، آسان نہ تھا۔ مدعیان علم و مشیخت" اور زہد فروشان سجادہ طریقت" نے ہر طرف فتنہ و فساد پھیلا دیا تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد اس "عزم شکن" اور "ایمان آزما" دور کی تصویر پیش کرنے کے بعد بے اختیار پکار اٹھتے ہیں :-

"ان تمام حالات کو سامنے لاکر غور کرو کہ اس عہد کی عالم آشوبی کا کیا حال تھا؟ کس طرح ہر طرف سکوت عن الحق کا سناٹا، اور قبول باطل و اطاعت ظلم و طغیان کی مردنی چھائی ہوئی تھی؟ اور جابروں کی ہیبت اور ظالموں کے جبروت نے کلمۂ حق کی گونج سے تمام فضائے ہند کو خالی کر دیا تھا۔" [1]

اسی زمانہ میں ایک بزرگ شیخ جمال الدینؒ ہندوستان کو چھوڑ کر حجاز چلے گئے تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں: "جب دیکھا کہ زمانہ کی حالت دگرگوں ہو گئی ہے اور وقت کی حکومت دنیا سازوں اور دنیا بازوں کے قبضہ میں چلی گئی ہے۔ حتی کہ گوشہ نشینوں کے لیے بھی امن باقی نہ رہا، تو ترک وطن پر آمادہ ہو گئے۔ اور ہندوستان ہی کو چھوڑ دیا۔

دامن اس کا تو بھلا دور ہے اے دست جنوں

کیوں ہے بیکار، گریباں تو مرا دور نہیں" [2]

آئیے، اس زمانہ کے حالات پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لیں۔

ربیع الثانی ۹۸۲ھ مطابق ۱۵۷۵ء کو اکبر نے عبادت خانہ کی تعمیر کا حکم دیا۔ میاں عبداللہ نیازی سرہندی کے مسکن پر یہ عمارت تیار ہوئی۔ ملا شیری نے ایک نظم میں لکھا [1]

دریں ایام دیدم جمع اموال فاروقی

عبادتہائے فرعونی، عمارتہائے شدادی

ابتداء میں صرف مسلمان علماء و اکابر کو اس میں شرکت کی دعوت دی گئی اور مذہب کے

---

[1] تذکرہ، ص ۸۷ (پہلا اڈیشن) [2] ایضاً ص ۱۵۔

مختلف مسائل پر مباحث کی ابتدا ہوئی۔ ان مباحث سے اکبر کا مقصد تلاش حق تھا اور اس نے خلوص نیت کے ساتھ دینی معاملات پر معلومات حاصل کرنے کی غرض سے علماء کو مدعو کیا تھا لیکن علماء نے عبادت خانہ کو دنگل میں تبدیل کر دیا۔ اور بقول حالی یہ حال ہو گیا کہ

کبھی وہ گلے کی رگیں ہیں پھلاتے — کبھی جھاگ پر جھاگ ہیں منہ پہ لاتے

کبھی خوک اور سگ ہیں اس کو بتاتے — کبھی مارنے کو عصا ہیں اٹھاتے

ستوں چشم بد دور ہیں آپ دیں کے

نمونہ ہیں خُلق رسول امیں کے (حالی)

ایک جس فعل کو حرام کہتا، دوسرا کسی حیلہ سے اس کو حلال ثابت کر دیتا۔ اکبر اس ماحول سے گھبرا گیا۔ جن علماء کو وہ رازیؒ اور غزالیؒ کے مرتبے کا سمجھتا تھا، وہ اپنے کردار کے باعث تنگ دیں ثابت ہوئے۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے:

"علمائے عہد خویش را بہتر از غزالیؒ و رازیؒ تصور نمودہ بود، رکاکتہائے ایشاں را دیدہ قیاس غائب بر شاہد کردہ سلف را نیز منکر شدند"[1] — اپنے زمانہ کے علماء کو رازیؒ اور غزالیؒ سے بھی برتر خیال کرتا تھا۔ جب ان کے چھچھورے پن کو دیکھا تو سامنے والوں پر غائبوں کو قیاس کر کے سلف کا بھی منکر ہو گیا۔

عبادت خانے کے مباحث بند کر دیئے گئے۔ اور ملا مبارک ناگوری نے ایک محضر نامہ تیار کر کے علماء وقت کے دستخط کرائے اور یہ اعلان کیا ——

"مرتبۂ سلطان عادل عند اللہ زیادہ از مرتبۂ مجتہد است"[2]

اس کے بعد اکبر کے دینی رجحانات میں نہایت تیزی کے ساتھ تبدیلی واقع ہونے لگی دربار میں ائمۂ اسلام کی توہین کی جانے لگی۔ بقول شیخ احمدؒ کہ کہہ کر اسلام کے ارکان دینی کا مذاق اڑایا جانے لگا۔ پھر "دینِ الٰہی" کی تدوین کی گئی اور ایک نئے فتنہ کو مذہبی رنگ میں شروع

[1] منتخب التواریخ

[2] آئین اکبری۔ باب زیر عنوان "می فرمودند"

کی گئی۔ ان تمام احداث و بدعات کی تفصیل مناسب موقع پر پیش کی جائیگی۔

ابوالفضل اور فیضی نے اس دینی انتشار و ابتری کی رہبری کی شیخ عبدالحق کے فیضی سے ذاتی تعلقات تھے۔ دربار کے یہ حالات دیکھ کر ان کی طبیعت گھبرا اٹھی۔ اگر زمانہ سازی پران کی طبیعت ذرا بھی راضی ہو جاتی تو دولت و ثروت اور عزت و حشمت ان کے قدم چومتی لیکن اُن کا مذہبی شعور بیدار رہتا اور وہ کسی قیمت پر اپنے ضمیر کی آواز کو دبانے کے لیے تیار نہ تھے۔ اکبر کا سیاسی اقتدار اس منزل پر پہنچ چکا تھا جہاں مخالف تحریکوں کا نشوونما پانا ناممکن تھا۔ ان حالات میں ترک وطن کے علاوہ کوئی چارہ کار سمجھ میں نہ آیا۔ اور انہوں نے غیرت دینی سے مجبور ہو کر حجاز کی راہ لی۔

باب ششم (۶)

شیخ محدثؒ حجاز کی طرف

سنہ ۹۹۶ھ مطابق سنہ ۱۵۸۷ء میں جب کہ شیخ محدثؒ کی عمر اڑتیس سال کی تھی وہ حجاز کی طرف روانہ ہو گئے۔ محمد غوثی نے گلزار ابرار میں لکھا ہے کہ شیخ سنہ ۹۹۵ھ کے شروع میں مالوہ ہوتے ہوئے گجرات پہنچ گئے تھے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ جہاز کا موسم گزر چکا ہے۔ چنانچہ آپ سال بھر وہیں رہے۔ اور سنہ ۹۹۶ھ میں حجاز کو روانہ ہوئے۔[۱]

اس زمانہ میں مرزا عزیز کوکہ مالوہ کے حاکم تھے[۲] شیخ نے ان کے پاس بھی قیام فرمایا تھا۔ وہاں سے وہ مانڈو تشریف لے گئے تھے۔ مانڈو میں گلزار ابرار کے مصنف نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر "بہت کچھ فیروزی اور فرخندگی کے فوائد حاصل کیے تھے۔"[۳] مانڈو سے روانہ ہو کر شیخ محدثؒ احمد آباد پہنچے۔ وہاں اُن دنوں مرزا نظام الدین احمدؒ مصنف طبقات اکبری صوبے کے بخشی تھے انہوں نے نہایت گرم جوشی سے شیخ کا استقبال کیا اور "بے حد التماس کر کے آئندہ موسم تک ٹھہرایا"۔[۴]

---

[۲] مرزا کوکہ۔ خان اعظم لقب تھا۔ اتکہ خاں کا لڑکا اور اکبر کا رضاعی بھائی تھا۔ ملا عبد القادر بدایونی نے اس کے متعلق لکھا ہے:۔

"بحسن اخلاق و بانواع فضائل و ہنر موصوف بود" (ج ۲ ص ۲۸۰۔۲۸۱)

اکبر جب اس سے ناراض ہوتا تو کہا کرتا تھا کہ میرے اور عزیز کے درمیان دودھ کی ایک نہر بہتی ہے اس لیے مجبور ہوں۔ جہانگیر نے اس کے سب علمی فضائل کو مختصراً بیان کیا ہے:

"در علم سیر و فن تاریخ استحضار تمام داشت۔ و در تاریخ و تقریب بے نظیر بود و در خط نویسی ید طولیٰ داشت و در لطیفہ گوئی بے مثل بود و در شعر ہم ادائی گفت۔"

[۱] گلزار ابرار۔ ص ۵۹۹ [۳] ایضاً [۴] ایضاً

احمد آباد میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی شیخ وجیہ الدین علوی کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور ان کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں:-

"محرر سطور، در وقتیکہ بقصد زیارت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم با حمد آباد گجرات رسید از متاخرین مشائخ آن دیار کہ شیخ وجیہ الدین جامع کمالات و برکات و مسن و معمر و مرتاض مشغول بتدریس علوم و تصنیف کتب و ترتیب و ارشاد طالبان بود۔ بملاقات وے مستعد شد۔ و ببعضے از اذکار و اشغال بسلسلۂ عالیہ قادریہ مشرف گردید"

محرر سطور جب سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے ارادے سے احمد آباد گجرات پہنچا تو اس وقت وہاں مشائخ متاخرین میں شیخ وجیہ الدین جو جامع کمالات و برکت مسن رسیدہ بزرگ تھے درس و تدریس میں مشغول تھے کتابوں کی تصنیف و ترتیب اور ارشاد طالبان میں ان کا انہماک تھا۔ ان کی ملاقات کی سعادت حاصل کی اور سلسلہ عالیہ قادریہ کے کچھ اذکار و اشغال ان سے حاصل کیے۔

شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی

شیخ وجیہ الدین علوی اپنے زمانے کے جید عالم تھے۔ علوم دینی میں بے پناہ تبحر رکھتے تھے۔ تقریباً ساٹھ سال تک احمد آباد میں انہوں نے درس و تدریس کا ہنگامہ گرم رکھا تھا۔ ان کی زندگی ہی میں احمد آباد سے لاہور تک ان کے شاگرد پھیل گئے تھے۔ ملا عبد القادر بدایونی کا بیان ہے:-

"دائم بدرس علوم دینی اشتغال داشت و قدرت او در جمیع علوم عقلی و نقلی بمرتبہ بود کہ کم کتاب درسی از صرف ہوائی تا قانون و شفا و شرح مفتاح و عضدی باشد کہ او شرحے یا حاشیہ براں ننوشتہ، و خلائق را بہرہ از انفاس متبرکہ او فیض می رسید" [1]

وہ ہمیشہ علوم دینی کے درس میں مشغول رہتے تھے۔ تمام علوم عقلی و نقلی پر ان کا عبور اس حد کو پہنچ گیا تھا کہ صرف ہوائی سے قانون، شفا شرح مفتاح اور عضدی تک شاید ہی کوئی کوئی ایسی کتاب ہو جس پر شرح یا حاشیہ نہ لکھا ہو، لوگ ہمیشہ ان کی ذات بابرکت سے فیض حاصل

شیخ وجیہ الدینؒ ۲۲ محرم ۹۱۰ھ کو بمقام چانپانیر پیدا ہوئے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے چچا سید شمس الدینؒ سے حاصل کی پھر اپنے ماموں سید ابو القاسمؒ سے حدیث پڑھی۔ چودہ پندرہ سال کی عمر میں علامہ محمد بن محمدؒ سے حدیث کا اختتام فرمالیا۔ آخر میں حضرت ابو البرکات بنبانی عباسیؒ کو حدیثیں سنائیں۔ علوم عقلیہ مولانا عماد الدین طارمی شاگرد رشید مولانا جلال الدین دوانی اور ابو الفضل ظہیر الدین محمد گاذرونی سے حاصل کیے۔

شیخ وجیہ الدین نے چشتیہ اور مغربیہ سلسلے کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی تھی۔ پھر حضرت شاہ قاضی چشتیؒ کی صحبت میں رہے اُن کے بعد میاں بدر الدین ابو القاسم سہروردیؒ کی طرف متوجہ ہوئے۔ جب جذبۂ شوق کا غلبہ ہوتا تو سید کبیر الدین مجذوبؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور درد دل کی شکایت بتا کر علاج کی درخواست کرتے۔ آخر میں سید محمد غوث گوالیاری شطاریؒ کے دامن تربیت سے وابستہ ہو گئے۔ مرید ہونے کا قصہ بھی عجیب تھا۔ شیخ گوالیاریؒ کے خلاف شیخ علی متقیؒ نے (جو شیخ عبد الحق محدثؒ کے استاد شیخ عبد الوہاب کے اُستاد تھے) کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ اُن کی تصانیف میں بعض باتیں قابل اعتراض تھیں۔ سلطان محمود گجراتی نے یہ فتویٰ شیخ وجیہ الدین کے پاس استصواب رائے کے لیے بھیجا۔ شیخ وجیہ الدینؒ نے جب سید محمد غوث گوالیاری کو دیکھا تو اس قدر شیفتہ ہوئے کہ استفتاء کو پارہ پارہ کر دیا۔ اور شیخ گوالیاریؒ کے حلقہ مریدین میں شامل ہو گئے۔ شیخ علی متقی کو اس کی اطلاع ہوئی تو شیخ وجیہ الدین کے پاس آکر اپنے کپڑوں کو تار تار کر ڈالا اور پوچھا:

چرا شیوع بدعت و وقوع رخنہ در دین راضی می شوید۔	بدعت کی اشاعت اور دین میں رخنہ پیدا کرنے میں تم کس طرح راضی ہو گئے۔

شیخ وجیہ الدینؒ نے جن کا قلب و جگر پہلے ہی شیخ گوالیاری کے دام الفت میں پھنس چکا تھا، جواب دیا

۱؎ منتخب التواریخ۔ ملا نے ان کا نام اس تعظیم سے لیا ہے "قدوۃ العلماء الراسخین والمتبحرین صاحب التصانیف الشاملۃ العالم باللہ شیخ وجیہ الدین ......" جلد دوم۔ ص ۴۳

"ما ارباب قالیم و شیخ اہل حال، فہم ما بکمالات او نمی رسد، و بظاہر شریعت ہیچ اعتراض قادح برو متوجہ نمی گردد۔" [1]	ہم ارباب قال ہیں، شیخ اہل حال ہیں ہمارا فہم ان کے کمالات تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور بظاہر شریعت کا کوئی اعتراض اُن پر عاید نہیں ہوتا۔

کسی نے سچ کہا ہے ؎

چوں بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست
سخن شناس نۂ، دلبرا خطا اینجاست!

جہانگیر نے لکھا ہے کہ شیخ وجیہ الدین شیخ گوالیاری کے خلیفہ ضرور تھے، مگر ایسے خلیفہ تھے کہ مرشد کو بھی اُن پر فخر تھا۔ "مرشد بخلافت او مباہات کند" [2]

شیخ وجیہ الدین کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ اُن کی مندرجہ ذیل تصانیف خاص طور پر مشہور ہیں۔

۱۔ حاشیہ علی تفسیر البیضاوی [3] ۲۔ حاشیہ علی التلویح [4]
۳۔ حاشیہ علی المواقف [5] ۴۔ شرح شرح نخبۃ الفکر [6]
۵۔ حاشیہ علی شرح الوقایہ [7] ۶۔ حاشیہ علی شرح الجامی [8]

---

[1] منتخب التواریخ۔ جلد سوم۔ ص ۴۳ [2] تزک جہانگیری (سرسید ایڈیشن) ص ۲۱۱
تزک جہانگیری کے انگریز مترجم روجرس (Rogers) نے اس جملہ کا ترجمہ بڑا دلچسپ کیا ہے۔ لکھا ہے:۔
"but a successor against whom the techer disputed
Vol I p420
بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی!

[3] کتب خانۂ آصفیہ میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے (جلد ۲ ص ۱۲۰) جو قدیم ترین ہے اور خاص مصنف کے نسخے سے منقول ہے۔ ایک نسخہ جس کی کتابت کا سنہ ۱۰۰۵ھ ہے حبیب گنج (علی گڑھ) کے کتب خانہ میں بھی ہے۔

[4] قلمی نسخہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتب خانہ میں ہے (۱۲) [5] متولی درگاہ شیخ وجیہ الدینؒ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ [6] قلمی نسخہ رامپور کے کتب خانہ میں ہے (۲۷)

[7] قلمی نسخہ رام پور میں موجود ہے۔ (۱۸۶)

[8] رام پور، آصفیہ، ندوۃ العلماء کے کتب خانوں میں قلمی نسخے موجود ہیں۔

(۷) شرح ارشاد النحو [1] (۸) شرح جام جہاں نما [2]

(۹) رسالہ الشکریہ [3] (۱۰) حاشیہ علی المختصر المعانی [4]

(۱۱) حاشیہ علی العضدی [5] (۱۲) شرح البسیط العلوی۔

(۱۳) رسالہ ترتیب ارکان الصلوٰۃ (۱۴) وافیہ شرح کافیہ

(۱۵) رسالہ توجیہی فی البیت (۱۶) حواشی علی المنہل

(۱۷) شرح شواہد المنہل [6]

شیخ محدث دہلی سے بلا کسی زاد راہ کے احمد آباد پہنچے تھے۔ احمد آباد میں مرزا نظام الدین بخشی نے جو ان کے دیرینہ دوست تھے اُن کو اپنے یہاں ٹھہرایا۔ جب حجاز کو روانہ ہونے کا وقت آیا تو زاد راہ فراہم کی اور جہاز کا بندوبست کیا۔ ملا عبدالقادر کا بیان ہے:

"از دہلی بطریق جذبہ بے ہیچ چیز مقید شدہ بگجرات رفت و بحسن سعی میرزا نظام الدین احمد مددگاری او در جہاز نشستہ بسفر حجاز رفت۔"

دہلی سے ایک جذب کی حالت میں، بلا سامان سفر کے گجرات پہنچ گئے اور میرزا نظام الدین احمد کی مدد سے جہاز میں بیٹھ کر حجاز کو روانہ ہو گئے۔

رسالہ صلوٰۃ الاسرار میں شیخ محدث نے لکھا ہے کہ ان کا شریک سفر ایک قادری درویش

---

[1] رامپور میں قلمی نسخہ موجود ہے۔ [2] نمبر ۸، ۱۱ اصول درگاہ کے کتب خانہ میں موجود ہیں (ملاحظہ ہو معارف اپریل ۱۹۳۳ء)
[3] نمبر ۱۰، ۱۱ یہ کتابیں شیخ کے متوسلین سلسلہ کے پاس موجود ہیں۔ بعض خود متولی درگاہ کے پاس ہیں۔ بشرح کافیہ جلیل مولانا عبدالعزیز یمن کسی زمانہ میں بمبئی میں چھپی تھی (معارف اپریل ۱۹۳۳ء)

شیخ کی جن کتابوں کا سراغ نہیں ملتا وہ یہ ہیں:-

(۱) حاشیہ علی اصول البزدوی

(۲) حاشیہ علی الشرح العضدی علی المختصر ابن حاجب۔

(۳) الحاشیہ علی التلویح (۴) الحاشیہ علی شرح العقائد للتفتازانی۔

(۵) الحاشیہ علی الحاشیۃ القدیمہ (۶) حاشیہ علی المطول (۷) حاشیہ علی مختصر المعانی

[4] نزہۃ الخواطر [5] The Contribution of India to Arabic Literature, by Dr Zubaid Ahmad.

[6] منتخب التواریخ۔ جلد سوم۔ ص ۱۱۳

تھا۔ صبح کو جب جہاز کا لنگر اٹھایا جاتا تھا یہ درویش جہاز کے ایک کونے میں بیٹھا ہوا حضرت شیخ عبدالقادر گیلانیؒ کا نام زور زور سے لیا کرتا تھا۔ شیخ کو اس کی آواز بہت بھلی معلوم ہوتی تھی۔ شیخ محدثؒ ماہِ رمضان سے کافی عرصہ قبل مکہ معظمہ پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ رمضان ۹۹۶ھ تک انہوں نے مکہ معظمہ کے محدثین سے صحیح مسلم اور صحیح بخاری کا درس لے لیا۔ پھر شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

باب (۷) ہفتم

مولانا عبدالوہاب متقیؒ کے قدموں میں

شیخ عبدالحق دہلویؒ ۹۹۶ھ/۸۸-۱۵۸۷ء میں حجاز پہنچے تھے۔ ۹۹۹ھ/۱۵۹۰ء تک ان کا وہاں قیام رہا۔ یہ تقریباً تمام وقت شیخ عبدالوہاب ہی کی خدمت میں گزرا۔ ان کی صحبت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ شیخ نے علم کی تکمیل کرائی اور احسان و سلوک کی راہوں سے آشنا کیا —— تکمیلِ علم کے بعد ذخیر عالم کو ایک سخت منزل پیش آتی ہے۔ اُسے کسی ایسے رہبر کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کے علمی ذخیرے کو تعمیری کاموں میں لگا دے۔ دل و دماغ پر علم کا ایک بوجھ ہوتا ہے، اور وہ اُس وقت تک ہلکا نہیں ہوتا جب تک اُس کے استعمال کے لیے صحیح راہیں متعین نہ ہو جائیں۔ اس منزل پر ذرا سی لغزش عمر بھر کے ریاض کو بیکار کر دیتی ہے —— شیخ عبدالحق خوش قسمت تھے کہ ان کو ایسا رہبرِ کامل مل گیا جس نے اُن کے علم اور علمی صلاحیتوں کو صحیح راہ پر لگا دیا۔

شیخ عبدالوہاب متقیؒ

شیخ عبدالوہاب متقیؒ ہندوستان کے اُن عدیم المثال علماء حدیث میں سے تھے جنہوں نے مکہ معظمہ کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر ساری علمی دنیا کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ اور اپنے علمی تبحر کا سکہ حجاز، یمن، مصر اور شام سے منوایا تھا۔ شیخ محدثؒ کا بیان ہے:

اہلِ حرمین و مشائخ یمن باسرہم حاضراً و غائباً	تمام اہلِ حرمین اور کل مشائخ یمن حاضراً و غائباً اور
و از مشائخ مصر و شام ہر کہ ایشاں را دریافتہ است	مشائخ مصر و شام سے جس نے حضرت کو دیکھا یا ان کا
معتقد اند بر ولایت و علو شان ایشاں [1]	معتقد ہو اور ان کی ولایت اور علو شان کا قائل ہوا

[1] اخبار الاخیار - ص ۲۶۳۔

شیخ عبدالوہاب متقی[1] مندو میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد شیخ ولی اللہ وہاں کے اعیان واکابر میں شمار کیے جاتے تھے۔ کچھ واقعات ایسے پیش آئے کہ شیخ ولی اللہ کو وطن چھوڑ کر برہان پور جانا پڑا۔ اس سفر میں ان کو بڑے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ خود ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا تھا:

"یک بارے در صغر سن ہمراہ والد خود بتقریب بعضے حوادث کہ در دیار مندو حدوث یافتہ بود دربیابانہا افتادہ وراہ گم کردہ بودیم، و ہیچ چیز از جنس طعام وشراب ہمراہ ما نہ، گرسنگی برما غلبہ کردہ، چنانچہ عادت اطفال باشد در گریہ آمدیم، والدہ لداری می داد و می گفت کہ صبر کن طعام در پیش است"[2]

مندو میں کچھ حوادث پیش آجانے کی وجہ سے ایک دفعہ بچپن میں والد کے ساتھ جنگلوں میں چلا گیا۔ اور ہم راستہ بھول گئے۔ کھانے پینے کو کچھ پاس نہ تھا۔ بھوک کا غلبہ ہوا جیسے کہ بچوں کی عادت ہوتی ہے میں نے رونا شروع کر دیا۔ والد نے چمکارا اور فرمایا کہ صبر کرو کھانا آگے ہے۔

شیخ عبدالوہاب ابھی کمسن ہی تھے کہ والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اس سانحہ کا دل پر کچھ ایسا اثر پڑا کہ وطن کو خیرباد کہہ کر خانہ بدوشی اختیار کر لی۔ گجرات، دکن، لنکا، سراندیپ وغیرہ میں عرصہ تک سرگرم سیاحت رہے۔ عموماً کسی مقام پر تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرتے تھے لیکن جب کوئی قبلۂ علم یا خضر طریقت مل جاتا تو اس کے آستانہ پر کچھ دنوں زیادہ قیام کر لیتے۔ لکھا ہے:

"در اکثر اوقات قرار دادہ بہاں بود کہ زیادت از سہ روز در ہیچ مقامے اقامت نہ کنند مگر در بعضے شہرہا کہ بہ جہت تحصیل علم و تقریب صحبت مشائخ و صلحا بمقدار استیفا غرض و

معمول تو یہ تھا کہ تین دن سے زیادہ کہیں قیام نہ فرماتے تھے لیکن بعض شہروں میں تحصیل علم کی غرض سے یا مشائخ و صلحا کی صحبت سے فیض حاصل کرنے کی نیت سے بقدر ضرورت

---

[1] مندو، مالوہ کی قدیم حکومت کا صدر مقام تھا۔ مندو کے تاریخی حالات اور جغرافیائی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: اقبال نامہ جہانگیری، ص ۹۷-۹۹۔ منتخب اللباب، ج ۱، ص ۲۸۹-۲۹۰۔ تاریخ فرشتہ ج ۲، ص ۲۶۸-۳۴۸-۵۳۴۔ Yerry pp 181-184

[2] اخبار الاخیار، ص ۲۶۸

اغراض حاجت اختیار و حسب ضرورت کی آمد و قیام بڑھا دیتے تھے۔

اس زمانے میں انھوں نے جس طرح اپنے دن گزارے اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے جو انہوں نے شیخ عبدالحقؒ کو مکہ معظمہ میں سنایا تھا:

"چند گاہ وقت ما آں بود کہ پائے سیر و استخوانہائے کہ از دکان قصاباں می بریدند فگندہ می آوردہ پارہ از کاہ گندم کہ درمیان کشت زارہا افتادہ بودی آوردہ آں استخوانہا کہ گوشت واں کاہ را شستہ و پاکیزہ می کردند و درمیان دیگ کردہ در آب می جوشانیدند و ہر کدام کاسہ ازاں صاف کردہ می خوردند۔ بعد از چند روز مردم شہر آگاہ می شدند و طعامہا می آوردند و دیگر ازیں جا انتقال می کردیم و جائے دیگر می رفتیم"[۱]

کتنی ہی بار ہمارا گذارا اس طرح ہوا ہے کہ کوئی ساتھی چلا جاتا اور قصائیوں کی دکان کے آگے سے بیکار ہڈیاں اٹھا لاتا۔ اور گیہوں کی بالیں جو کھیتوں میں گرے پڑے رہتے تھے چن لاتا۔ ان ہڈیوں کو گوشت اور اس گھاس کو پاک صاف کر کر پکایا جاتا اور پھر ایک ایک پیالہ کر کے پی لیتے تھے۔ آخر اہل شہر کو اس کی خبر ہو جاتی اور وہ کھانے لانے لگتے، تو ہم اس جگہ سے منتقل ہو کر دوسری جگہ چلے جاتے۔

اسی طرح سیاحت کرتے کرتے مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ یہ جمادی الاول ۹۶۳ھ / ۱۵۵۵ء کا واقعہ ہے۔ اس وقت ان کی عمر بیس سال سے کم ہی تھی۔ مکہ معظمہ میں اس وقت شیخ علی متقیؒ[۳] مسند درس پر متمکن تھے۔ دور دور ان کی شہرت تھی۔ وہ شیخ عبدالوہاب کے والد سے بھی واقف تھے۔ چنانچہ شیخ عبدالوہاب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر انہی کے ہو رہے۔ [۲]

اے روئے تو راحت دل من
چشم تو چراغ منزل من

۱؎ اخبار الاخیار۔ ص ۲۶۱ ۲؎ ایضاً۔ ص ۲۷۰

۳؎ شیخ علی متقیؒ کا تفصیلی حال ضمیمہ میں ملاحظہ فرمائیے۔

شیخ عبدالوہاب کا خط بہت صاف اور پاکیزہ تھا۔ شیخ علی متقیؒ نے سب سے پہلے اُن سے یہی کام کیا۔ جو شخص مدتوں صحرا نوردی کرتا رہا تھا اس کی جبیعت میں یکسوئی پیدا کرنے کے لیے اس سے بہتر کوئی کام نہیں ہو سکتا تھا۔ شیخ عبدالوہابؒ نے بھی یہ کام دل و جان سے انجام دیا۔ شیخ علی متقی کی ایک کتاب بارہ ہزار سطروں کی تھی۔ انھوں نے بارہ راتوں میں اس کی کتابت مکمل کر دی۔ تعجب خیز بات یہ تھی کہ دن بھر دوسری کتابوں کی تصحیح و کتابت میں مشغولیت رہتی تھی۔ صرف رات کو شیخ علی متقی کی اس کتاب کی کتابت کا موقع ملتا تھا۔ شیخ علی متقیؒ نے جب ان کا یہ ذوق و شوق محنت اور جذبہ دیکھا تو ان کو اپنے اس نووارد شاگرد سے بہت خصوصیت پیدا ہو گئی۔ شیخ عبدالوہابؒ نے بھی اُن کے آستانے کو اس مضبوطی سے پکڑا کہ ۹۷۵ھ تک (جب شیخ علی متقیؒ کا انتقال ہوا) وہیں جمے رہے۔ اس کے بعد مکہ معظمہ میں ایسا مرکز علم قائم کیا جس کی شہرت دور دور پھیل گئی۔ شیخ عبدالحقؒ لکھتے ہیں:

در ایں زمان بدانش ایشاں در علوم شرعیہ کمتر کسے خواہد بود، قاموس لغت مبالغہ می توان گفت کہ گویا ہمہ یاد داشت، و فقہ و حدیث نیز ہمیں حکم دارد و مبادی علوم عربیت نیز زیادہ از قدر کفایت است۔ سالہا در حرم شریف درس ایں علوم گفتہ بودند[1]

اس زمانے میں ان کے برابر علوم شرعیہ پر عبور رکھنے والے کم ہوں گے۔ وہ ایک زندہ قاموس تھے، سب کچھ انہیں یاد تھا۔ فقہ و حدیث کا بھی یہی حال تھا اور صرف و نحو و ادب وغیرہ بھی کفایت سے زیادہ جانتے ہیں۔ برسوں تک حرم شریف میں ان علوم کا درس دیا تھا۔

شیخ عبدالوہابؒ عمر کے بیشتر حصہ میں مجرد ہی رہے۔ جب عمر چالیس اور پچاس کے درمیان تھی تو شادی کی۔ شادی سے پہلے ان کا یہ حال تھا کہ جو کچھ فتوح یا کتابت کی اُجرت آتی تھی سب فقراء پر تقسیم کر دیتے تھے۔ شادی کے بعد اہل و عیال کے حقوق کو مقدم سمجھنے لگے تھے۔ لیکن پھر بھی یہ حال تھا کہ کسی محتاج کی مدد سے گریز نہ کرتے تھے۔ ہندوستان کے فقراء اُن کی خدمت

[1] اخبار الاخیار، ص ۲۶۵۔

میں حاضر ہوتے تھے اور وہ کھانے اور کپڑے سے اُن کی مدد کرتے تھے۔

شیخ عبدالوہاب متقیؒ کے ارشادات اور شیخ محدثؒ پر اُن کا اثر

اخبار الاخیار میں شیخ عبدالحق دہلویؒ نے اپنے استاذ محترم شیخ عبدالوہاب متقی کے بعض اقوال ارشادات نقل کیے ہیں اُن کو سامنے رکھ کر جب شیخ عبدالحق کی پوری زندگی پر نظر ڈالی جاتی ہے تو اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے کس طرح اپنے اُستاد اور مرشد کی تعلیمات کو نہ صرف اپنے اندر جذب کر لیا تھا بلکہ اس کی جیتی جاگتی تصویر بن گئے تھے۔

(۱) اختلافی مسائل میں ان کی روش نہایت ہی سلامت روی کی تھی۔ لایعنی بحث و مباحث سے نفرت کرتے تھے۔ مسئلہ وحدت وجود کے متعلق ان کا رویہ یہ تھا۔

در باب کتب حقائق و توحید مثل فصوص و امثال آں توقف و تسلیم است ایں ہارا درس نگویند، و بداں اشتغال نکنند و انکار ہم نکنند و بد نگویند و چنانچہ عادت فقہاء است بطعن و تشنیع پیش نیایند۔[1]	کتب حقائق و توحید مثلاً فصوص الحکم وغیرہ کے سلسلہ میں اُن کا رویہ توقف و تسلیم کا ہے ان کتابوں کا درس نہیں دیتے اور نہ ان میں اشتغال رکھتے ہیں، نہ ان کا انکار کرتے ہیں نہ ان کو بُرا کہتے ہیں۔ ان کی عادت فقہاء کی سی نہیں ہے جو ان کتابوں کی طعن و تشنیع کرتے ہیں

(۲) مذہبی انتشار کے زمانہ میں عقائد کا صحیح رکھنا بڑا دشوار کام ہے۔ جب متضاد نظریات و افکار ٹکراتے ہیں تو شبہات کا پیدا ہونا لازمی ہو جاتا ہے۔ شیخ عبدالوہابؒ کی ہدایت تھی کہ ان حالات میں یہ رویہ اختیار کیا جائے۔

"اول باید کہ اعتقاد خود را ظاہراً و باطناً با اعتقاد اہل سنت و جماعت راست سازند و راسخ گردانند و بعد از رسوخ ایں عقیدہ و از ہر چہ ایشاں گفتہ اند	اول یہ چاہیئے کہ اپنا عقیدہ ظاہراً و باطناً اہل سنت کے اعتقاد کے موافق درست اور راسخ کرے پھر عقیدہ مضبوط ہونے کے بعد یہ کرے کہ جو کچھ

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۲۶۳۔

و نوشته اند نیز محروم نمانند کتب ایشاں را که در حقائق و اسرار نوشته اند نیز مطالعه بکنند و آنچه مشکل شود ازاں بگذرند و در نمانند و طعان را بخود راه ندهند نه آنکه اعتقاد را ابتدا از ایں کتب راست کنند و از هر کس هر چه بشنوند متابع شوند..... هر چه بشنوند اگرچه سخن باطل باشد زود بانکار و تعصب پیش نیایند، اول خود بشنوند که چه می گوید و بفهم سخن نیک در روند که قائل آں چه مقصود دارد، بعد ازاں اگر توانند آں را موافق حق سازند و گرنه رد کنند و اگر ایں را نه توانند از سر آں بگذرند و خلل در عقیدہ خود نیندازند"[1]

انھوں نے (صوفیہ موحدین نے) لکھا ہے اس سے محروم نہ رہے۔ انھوں نے اسرار و معارف میں جو کتابیں لکھی ہیں ان کا مطالعہ کرے۔ جو سمجھ میں نہ آئے اس کو چھوڑ دے۔ اپنی طبیعت میں خلجان نہ پیدا کرے۔ یہ اچھا نہیں کہ ابتدا ہی ان کتابوں سے عقیدہ درست کرنے لگے اور جس کسی سے جو سنے اس کا پیرو ہو جائے..... جو کچھ کسی سے سنے اگرچہ وہ باطل ہی ہو مگر جلدی سے انکار نہ کرے۔ اول سن لے پھر سوچے کہ کہنے والے کا مطلب سمجھ میں آگیا یا نہیں۔ پھر اگر اسے حق سمجھے تو قبول کرے ورنہ رد کر دے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جائے اور اپنے عقیدہ میں خلل نہ ڈالے۔

(۳) ایک ایسے دور میں جبکہ علماء نے تکفیر و تذلیل کو اہم ترین فرض سمجھ رکھا تھا، شیخ عبدالوہاب متقیؒ کا خیال تھا ——

هر را که بینند که بکلمهٔ اسلام اقرار می کند اگرچه ازیشاں ایں کلمات چیزے صادر شود معذور دارند و تکفیر و تشنیع نکنند و نسبت بالحاد نکنند[2]

جس کو دیکھو کہ کلمہ پڑھتا ہے اور اس پر یقین رکھتا ہے، تو اگر اس سے ایسے کلمات صادر ہوں تو اس کو معذور رکھو۔ اور اس کی تکفیر و تشنیع نہ کرو، اور اس کو ملحد نہ بتاؤ۔

(۴) سماع کے متعلق جو اس زمانہ کا نہایت ہی اختلافی مسئلہ تھا، شیخ عبدالوہاب متقیؒ کا رویہ یہ تھا ——

---

[1] اخبار الاخیار، ص ۲۶۳-۲۶۴ [2] اخبار الاخیار، ص ۲۶۴

تبیل آں راضی نیستند و بر فضل مشائخ منکر ند۔	نہ وہ دین کے کام کرنے سے راضی ہیں اور نہ مشائخ کے فضل کے منکر۔

(۵) علم کے متعلق ارشاد ہوتا ہے —

"علم بمنزلہ غذا است کہ ہمیشہ احتیاج آں باقی است" [۱]	علم، غذا کی مانند ہے، جس کی ضرورت ہمیشہ باقی رہتی ہے۔

(۶) ایک مرتبہ کسی نے شیخ عبدالوہاب متقیؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ مشائخ فرماتے ہیں کہ طالب کو ہمیشہ ذاکر رہنا چاہیے۔ فرمایا جو کوئی کار خیر ہے حقیقت میں وہ ذکر ہی میں ہے۔ نماز پڑھنا ذکر ہے۔ قرآن مجید پڑھنا ذکر ہے۔ علم دین کا درس دینا ذکر ہے۔ اور جو عمل خیر ہے وہ ذکر ہی ہے —

— ذکر کا یہ جامع اور ہمہ گیر مفہوم، تصوف کی اعلیٰ ترین تعلیمات کی ترجمانی کرتا ہے۔

شیخ عبدالوہاب متقیؒ کی اس تعلیم نے شیخ عبدالحقؒ کے دل اور دماغ دونوں کو متاثر کیا۔ اور وہ آخر دم تک اس پر عامل رہے۔ زمانہ نے کیا کیا رخ بدلے اور حالات نے کیسی کیسی کروٹیں لیں لیکن اُن کے پائے ثبات میں کبھی لغزش پیدا نہ ہوئی۔

شیخ عبدالحقؒ کی تعلیم و تربیت شیخ متقیؒ کی نگرانی میں

رمضان ۹۹۵ھ میں شیخ عبدالحق دہلویؒ، شیخ عبدالوہاب متقیؒ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ اور مشکوٰۃ کا سبق لینا شروع کیا۔ رمضان کے آخری دس دنوں میں اُن کے ساتھ معتکف رہے۔ مناسک حج اُنہی کے ساتھ ادا کیے۔ عرفات اور مزدلفہ میں اُن کی صحبت سے فوائد حاصل کیے۔ پھر درس میں مشغول ہو گئے۔ ۲۳ ربیع الثانی ۹۹۶ھ کو شیخ عبدالوہاب کی اجازت سے مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے۔ اور آخر رجب ۹۹۶ھ تک وہیں مقیم رہے۔ پھر مکہ معظمہ آکر شیخ عبدالوہاب سے مشکوٰۃ کا درس پورا کیا۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو شیخ نے فرمایا:

الحمد للہ نسبت ایں علم شریف بوجہ اتم حاصل شد	الحمد للہ اس علم پر پورا عبور حاصل ہو گیا ہے بلکہ

---

[۱] اخبار الاخیار۔ ص ۲۶۳۔ [۲] ایضاً ص ۲۶۵۔

شدہ است. وایں مقدار شدہ است کہ از عہدہ خدمت ایں علم تواند برآید، اکنون چند روز بکار دیگر ہم پردازید، وذوقے لذت خلوت وذکر اللہ نیز دیابید[1]

اس قدر ہو گیا ہے کہ اس علم کی خدمت کا حق ادا کیا جا سکتا ہے۔ اب چند دن دوسرے کام میں مصروف ہونا چاہیے اور خلوت و ذکر اللہ کی کچھ لذت بھی چکھنی چاہیے۔

اور اُن کو آداب، اوضاع ذکر و تخلیل طعام وغیرہ کی تعلیم دی اور تصوف کی کچھ کتابیں پڑھائیں ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:-

دراں ہنگام کہ شیخ اجل اعز اکرم، اوحد اعدل عبدالوہاب متقی قادری شاذلی ایں مسکین را تلقین ذکر نمود و اجازت داد و آداب آں آموخت کتابے بدست من داد مسمی بہ منہج السالک الی اشرف المسالک[2] وچوں عبارت آں کتاب عربی بود بہرے طالبان ترجمہ کردم"

جس زمانہ میں حضرت شیخ عبدالوہاب متقی قادری شاذلی اس مسکین کو تلقین ذکر فرما رہے تھے، اور اس کے آداب بتا کر اجازت دی تھی، ایک کتاب میرے ہاتھ میں دی تھی۔ اس کا نام منہج السالک الی اشرف المسالک تھا۔ وہ کتاب عربی میں تھی۔ اس لیے میں نے اس کا (فارسی میں) ترجمہ کر دیا۔

(المکاتیب والرسائل)

ایک اور کتاب جس کی تعلیم خاص طور پر دی تھی وہ قواعد الطریقہ فی الجمع بین الشریعۃ والحقیقۃ تھی کتاب کے عنوان ہی سے شیخ متقیؒ کے مقصدِ تعلیم کا پتہ چلتا ہے۔

پھر حرم شریف کے ایک حجرے میں جو باب جیاد کے مقابل اور حجر اسود اور رکن یمانی کے مابین واقع تھا، ریاضت کے لیے بٹھا دیا شیخ عبدالوہاب متقیؒ نے اس زمانہ میں ان کی طرف خاص توجہ کی۔ اُن کا یہ دستور تھا کہ ہر جمعہ کو حرم شریف میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ جب یہاں آتے تو شیخ عبدالحق سے بھی ملتے اور ان کی عبادت و ریاضت کی نگرانی فرماتے۔ شیخ محدثؒ زاد المتقین میں لکھتے ہیں:-

[1] زاد المتقین (قلمی) [2] شاہ کلیم اللہ دہلویؒ نے کشکول کلیمی (ص ۱۲-۱۱) میں اس کا طویل اقتباس دیا ہے۔

"فقیر را نیز دراں خلوت مشرف می ساختند و پرسش احوال می کردند و می فرمودند کہ الحمد شد ظہور احوال موافق مقصود است"

فقیر کے پاس اس خلوت میں تشریف لاتے تھے۔ پرسش احوال کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ الحمد للہ ظہور احوال مقصد کے مطابق ہے۔

جب اس خلوت کدے سے باہر آنے کی اجازت ملی تو شیخ محدث نے صحیح مسلم کی قرأت کی اجازت چاہی۔ جب اُس سے بھی فارغ ہو گئے تو حکم ہوا۔

اکنوں عزیمت ہندوستان بکنید

اب ہندوستان کا ارادہ کرو۔

شیخ عبدالوہاب متقیؒ نے اپنے علم حدیث کا وہ بیش بہا حصہ عنایت فرمایا جس کی شہرت سے مصر و عرب کے علمی حلقے گونج رہے تھے۔ شیخ عبدالحقؒ فرماتے ہیں۔

تمام کتب احادیث و سائر علوم دینیہ از علمائے آں عالی مقام علیہم رحمۃ اللہ الملک العلام خصوصاً از حضرت شیخ اجل واکرم اوحد اعمل عبدالوہاب متقی قادری شاذلی قدس اللہ روحہ و اوصل الینا فیوضہ و فتوحہ تلقین ذکر و ایشاں خلوت و برکت مشرف و فائز شدہ و نعمتہا و بشارتہا از خدمت شاں در حصول انوار و آثار نتائج و ثمرات برکت و التزام مقام صدق و استقامت در نشر علوم دینی و حصول مواہب یقینی مشرف و مبشر گشتہ برجوع و عود بوطن مالوف مامور و مکلف شدہ[1]

تمام کتب احادیث اور سارے علوم دینیہ حجاز کے علماء کرام سے حاصل کیے۔ خصوصاً حضرت شیخ عبدالوہاب متقی قادری شاذلی قدس اللہ روحہ سے ذکر وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ اور اُن کی خدمت سے بہت سی نعمتیں حاصل کیں اور حصول انوار و برکات و ترقی درجات اور علوم دینی کی نشر و اشاعت میں استقامت کے متعلق بہت سی بشارتیں سننے کے بعد بندہ وطن مالوف کو واپس ہوا۔

(۲) علم ظاہری کے بعد علم باطنی کی تعلیم دی۔ اور سلوک و معرفت کی دشوار گزار راہوں سے

[1] تالیف قلب الالیف (قلمی)

آشنا کیا۔ تصوف کی کتابیں پڑھائیں اور عبادت و ریاضت حرم شریف کے اندر اپنی نگرانی میں کرائی۔

(۳) حقوق العباد کا صحیح جذبہ اور صحیح تصور پیدا کیا۔ تفصیل اگلے باب میں آئیگی۔

(۴) فقہ حنفی کے متعلق شیخ محدث کے خیالات قیام حجاز کے دوران میں بدل گئے تھے اور وہ شافعی مذہب اختیار کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ شیخ عبدالوہاب کو اس کا علم ہوا تو مناقب امام اعظم پر ایسا پرتاثیر خطبہ ارشاد فرمایا کہ شیخ محدث کے خیالات بدل گئے اور فقہ حنفی کی عظمت اُن کے دل میں قائم ہو گئی۔

حدیث۔ تصوف۔ فقہ حنفی۔ حقوق العباد ——— ان چار چیزوں کی اعلیٰ تعلیم شیخ عبدالحق نے حقیقت میں شیخ عبدالوہاب متقی کے قدموں ہی میں حاصل کی۔

باب ہشتم (۸)

مدینۃ الرسول میں

شیخ عبدالحق دہلویؒ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے عشق تھا۔ دیار
حبیب میں جب داخل ہوتے تو برہنہ پا ہو جاتے تھے بحجۃ الاکرام میں لکھا ہے:۔

در مدینہ برہنہ پا گردیدے

ایک مرتبہ یہ قصیدہؔ سرورِ کائنات کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔

قصیدہ

بیا اے دل دمے از ہستی خود ترک دعویٰ کن
میفگن چشم بر صورت نظر در عین معنیٰ کن

فگندی چوں نظر در عین معنی بعد ازاں اے دل
چو عنقا از سر عزت بقاف فقر ماوے کن

ز چاک سینہ ہر دم صد نوائے درد دل بشنو
بدیں قانونِ محنت ترک بزم اہل دنیا کن

چو زیں دار فنا قصد سفر سوئے دگر داری
چرا غافل نشینی اے دل اسبابش مہیا کن

ؔ یہ قصیدہ ہندوستان میں لکھا گیا تھا۔ اس میں متعدد جگہ حالات گرد و پیش پر افسوس اور بددلی کا اظہار کیا گیا
ہے۔ ظلم سب کا بانی اور بے ہنمان دہر ہندوستان کی دینی فضا کو خراب کرنے کے ذمہ دار تھے۔ شیخ فرماتے ہیں ؎

جہاں تاریک شد از ظلمت سیہ کاراں
بیا و عالمے را روشن از نور تجلی کن

بصد خونِ جگر در زیرِ بان کش تو ین قسمت
بدنیاں زاد و راحل گیر و قصد رہ عقبیٰ کن

پس انگہ بر سرِ کوئے فنا نہ پائے استغنا
وجودِ خویش را گم در شہودِ نورِ مولےٰ کن

اگر خواہی تماشائے جمالِ شاہدِ معنیٰ
نخست این چشمِ صورت بیں بمیلِ چشمِ اعمیٰ کن

بشاگردی برآ در مکتبِ جاں پس بلوحِ دل
بتعلیمِ دبیرِ عشق حرفِ شوق املا کن

مبندائے خفتہ دل چشمِ تماشا سر فرو مفگن
ببینِ عبرت آخر سیرِ صُنعِ حق تعالےٰ کن

چہ حاجت کز پئے خلوت روی در کنجِ تنہائی
بیادِ دوست خود را از خیالِ غیر تنہا کن

بیا در انجمن خلوت گزین وا ز رہِ دیگر
بچشمِ دل جمالِ دوست را ہر دم تماشا کن

بسترش غیر را محرم مگرداں بلکہ در خلوت
چناں پوشیدہ کن ذکرش کہ از دل نیز اخفا کن

چو نفیِ ما سوٰے کردی چہ دل گو جاں ہمہ ہیچ اند
دلیلت کلُّ شَیءٍ هالِکٌ اِلّا وَجھَهٗ را کن

چو فرق واضح آمد در میان مہلک و ہالک
ہلاک و نیستی را حکم بر ہر چیز حالا کن

کش از پرکارِ لا خطِ عدم بر صفحۂ عالم

بسانِ دائرہ آنرا محیط جملہ اشیاء کن
پس انگہ نقطۂ ذات ست کامد مرکز ہستی
بروں زیں دائرہ آں نقطہ را ثابت باذکن

بروں از روئے صورت شو واز معنی دروں انش
میانِ نقطۂ وآں دائرہ غیرت باضنا کن
ہماں نقطہ تحرک کرد وآمد دائرہ پیدا
مثالِ از بہر ایں از نقطۂ جوالہ پیدا کن

چو بینی نورِ مطلق خویشتن را درمیاں ناری
جو الحق از انا الحق بجد از یں مختار اولی کن
مسمٰی واحد و اسمائے او از حد و عد بیروں
بہر اسمے شہودِ نورِ ذات آں مسمٰی کن

دراسمائے حقیقی شد مسمٰی عین ہر اسمے
عجب مشکل حدیث است ایں بگوش ہوش اصغا کن
معمائیست مشکل در حسابِ عاقلاں وحدت
بتحصیل کمالِ نفس حلِ ایں معما کن

کمالِ نفس در تہذیبِ اخلاق بدست آید
وگر ایں را ہوس داری بنائے شرع برپا کن
حقیقت از شریعت نیست پیش عارفاں بیروں
مثالِ آں بکشتی ساز و شبہ آں بدریا کن

بریں کشتی نشیں تا بگذری زیں بحرِ بے پایاں
زچوں فرعون خود را غرق بحرِ کفر و اغوا کن

زباں کشا بنا فرمودہ شارع سخن ایں است
پے اسمائے توفیقی زبانِ عجز گویا کن

دہاں را قفل خاموشی نہ و سربستہ داں در
کلید امرش آور واں درِ سربستہ را وا کن

وگر خواہی زباں بکشائی و راہ سخن پوئی
ثنائے پادشاہِ یثرب و سلطانِ بطحا کن

سریر آرائے ملکِ آفرینش احمدِ مرسل
کہ پیش از وے نشد در ملکِ ہستی کار فرما کن

نشد تا بر سرِ منشورِ عالم خاتمِ حکمش
ز دیوانِ ازل نامد براں منشور طغرا کن

بیانِ قربت او قابَ قوسین است او ادنیٰ
بمقدارِ علوِ قدرِ او ایں نیز ادنیٰ کن

قیاسِ رتبہ و مقدار فضل از انبیا تا وے
ز قطرہ تا بدریا یا ز ذرہ تا بہ بیضا کن

حبیب اللہ بود او انبیا را داں محب اللہ
قیاس کار از اسریٰ بعبدہ و جائے موسیٰ کن

بخود میرفت موسیٰ لیکن او را حق بخود بردش
ز لفظ تا بُرون فہم فرق آشکارا کن

چو خود بردند او را در حق او قد رأی گفتند
بموسیٰ لن ترانی فہم تفضیلش ازینجا کن

خطاب با عتاب اِن تولّیتم اگر خوانے

بایں والی والا قدر ملک دین تولا کن

اگر از حسرت دنیا و عقبیٰ آرزو داری
بدرگاہش بیا و ہرچہ می خواہی تمنا کن

بیا اے دل قدم نہ بر سر کوئے وفا وانگہ
زراہ صدق جاں را خاک راہ آں کف پا کن

سر و تن را براہ جلوۂ آں سرو بالا کش
دل و جاں را فدائے حسن آں رخسار زیبا کن

ثنایش گو دلے چوں نیست ایفایش ز تو ممکن
بایں یک بیت مدحش را علی الاجمال اکفا کن

مخواں او را خدا از بہر لمر شرع و حفظ دیں
دگر ہر وصف کش میخواہی اندر مدحش انشا کن

چو از انشائے تفصیل صفاتش عاجزی اے دل
بیا و عرض حال خویش بر خدامش آنہا کن

خرابم در غم ہجر جمالت یا رسول اللہ!
جمال خود نمارحمے بجان زار شیدا کن

اسیران تو جاں دادند در ہجراب لعلت
دہاں بکشا و از راہ کرم احیائے موتیٰ کن

جہاں تاریک شد از ظلم سیہ کاراں
بیا و عالمے را روشن از نور تجلیٰ کن

زیاں کاراں بہ بازار ہوا سودائے زر دادند
شکست رونق و گرمی ایں بازار سودا کن

ہمہ بے ہمتانِ دہر بخل آئینِ خود کردند
بلطف امعان مبیّن از کرم احیایِ مجیا کن

ز ظلم ظالماں شور است و غوغا ہر طرف آخر
بعدل و رافت خود بر طرف ایں شور و غوغا کن

بسنگ سیم و زر جاہل گراں بار است از عالم
بمیزانِ عدالت قدر ہر یک را ہویدا کن

بصدیقؓ صداقت پیشہ فرما تا قدوم آرد
طریق صدق و آئین وفا را باز پیدا کن

عمرؓ را باز بنشاں بر سریر معدلت آئین
بدیں آئیں میان خلق رسم عدل احیا کن

ہر کس راست از عجب و تکبر دعوے اندر سر
ز مرہم عثمانؓ را و قطع امر شورا کن

بدفع حیلہ ایں روبہاں بفرست شیرِ حق
بفرمایش کہ قلع باغیاں و قمع اعدا کن

بزور بازوے خیبر کشا بنیاد جہل افگن
رواج رونق بازار علم و کار تقوی کن

و گرنائی تو با یاران بظلم آباد ایں دنیا
بدفع ظالمان حکم نیابت را بعیسیٰ کن

بہر صورت کہ باشد یا رسول اللہ کرم فرما
بلطف خود سرو ساماں جمع بے سروپا کن

محب آل و اصحاب تو ام کار من حیران

بلطف خویش ہم امروز ہم در روز فردا کن

بیا حقی مدہ تصدیع خدام جنابش را

کہ احوال تو معلوم است اظہارش مکن یا کن

بقسمت باش راضی دم مزن الا بشکر حق

سکونت ورز و تسکین دل خود از قسمنا کن

زاد المتقین میں لکھا ہے کہ جب اس شعر پر پہنچے ؎

خرابم در غم ہجر جمالت یا رسول اللہ جمال خود نما، رحمے بجان زار شیدا کن

تو دل بے قابو ہو گیا اور بقول خود

"گریہ زار زار در گرفت" [1]

خلوص و عقیدت کا یہ والہانہ تقاضہ قبول ہوا اور وہ زیارت رسول پاک سے مشرف ہوئے

زاد المتقین میں شیخ عبدالحق دہلوی نے چار بار زیارت رسول اکرم سے مشرف ہونے

کا حال لکھا ہے۔ ۲۱۔ ذی الحجہ ۹۹۹ھ کو مکہ معظمہ میں جو خواب دیکھا اس کو اس طرح بیان کرتے ہیں

دیدم کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بر سریرے	میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
نشستہ درس علم حدیث شریف میفرمایند و	ایک تخت پر بیٹھے ہوئے حدیث شریف کا درس
انوار جمال و جلال از وجہ شریف وے متلالی	دے رہے ہیں۔ اور جمال و جلال کے وہ انوار
است و با حسن صورت تجلی است کہ فوق	اُن کے چہرۂ مبارک سے جھلک رہے ہیں جن سے
آں تصور نتواں کرد"	زیادہ تصور ہی نہیں کیے جا سکتے۔

اسی شب میں یہ بھی خواب میں دیکھا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اعدائے دین سے لڑنے کے

لیے لشکر تیار کر رہے ہیں ـــــ شیخ عبدالحق کی پوری زندگی حقیقت میں اسی خواب کی تعبیر بن گئی۔

وہ آخری سانس تک حدیث کی نشر و اشاعت میں سرگرم اور بدعات کے خلاف نبرد آزمائی میں

[1] زاد المتقین (قلمی)

معروف رہے۔

باب نہم (۹)

حجاز سے روانگی

علم وعمل کی سب وادیوں کی سیر کرانے کے بعد شیخ عبدالوہاب متقیؒ نے شیخ عبدالحق کو ہندوستان واپس جانے کی ہدایت کی اور فرمایا۔

"بخانہ خود بروید کہ والدہ وفرزنداں شما بسیار پریشان حال وبجانب شما نگراں خواہند بود	(اب تم) اپنے گھر جاؤ کہ تمہاری والدہ اور بچے بہت پریشان حال اور تمہارے منتظر ہوں گے۔

شیخ محدثؒ ہندوستان کے حالات سے کچھ ایسے دل برداشتہ ہو چکے تھے کہ یہاں آنے کو مطلق طبیعت نہ چاہتی تھی۔ عرض کیا ـــــ

"فقیر را نیت اقامت ایں مقامات شریفہ بسیار است وبعد ازاں نیت سیر بغداد وزیارت حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ ہست"	فقیر کے دل میں ان مقامات مقدسہ میں قیام کرنے کی بڑی تمنا ہے۔ اس کے بعد سفر بغداد اور زیارت حضرت غوث الثقلینؒ کی نیت ہے۔

اس سلسلہ میں اُستاد اور شاگردوں میں جو گفتگو ہوئی وہ خود اُن ہی کی زبانی سُننے کے قابل ہے:

شیخ عبدالوہاب:۔

شما را بعد ازیں گنجائش ندارد کہ اینجا باشید یا جائے دیگر روید الا بوطن اصلی خود حق شرع برہمہ مقدم است۔ وحضرت غوث الثقلین	اب اس کے بعد تمہیں یہاں رہنے یا اصلی وطن کے سوا دوسری جگہ جانے کی اجازت نہیں۔ حق شرع سب پر مقدم ہے حضرت

رضی اللہ عنہ باشما اند۔ ہر جا کہ باشید محبت و
اعتقاد و توجہ باایشاں درست دارید۔ و قصد
اتباع ایشاں بکنید۔ و بر فرمودۂ ایشاں روید۔
ایشاں ہرگز راضی نیستند کہ ایذائے والدہ و
زوجہ و فرزنداں صغیر بکنید۔ و شما خود می گفتید
کہ والدۂ من مرا رضائے حرمین دادہ و گفتہ
است کہ بجائے ثالث نروی۔ پس چوں
می توانید رفت۔

غوث اعظم تمہارے ساتھ ہیں۔ جس جگہ بھی رہو
اُن سے محبت اور اعتقاد اور ان کی طرف توجہ
رکھو۔ ان کی پیروی کی کوشش کرو اور ان کے
حکم پر چلو۔ وہ اس سے ہرگز خوش نہیں کہ تم اپنی
والدہ بیوی اور چھوٹے بچوں کو ایذا دو۔ تم خود
کہتے تھے کہ میری والدہ نے مجھے حرمین شریفین
جانے کی اجازت دی ہے اور تاکید کر دی ہے
کہ تیسری جگہ نہ جانا۔ اس حالت میں تم کیونکر جا سکتے ہو

شیخ عبدالحقؒ :-

"فقیر نیت کردہ است کہ از ہماں راہ بغداد
رسیدہ، بہندوستان رود۔ چہ ایں راہ و
چہ آں راہ۔ پس گویا بجائے ثالث نرفتہ"

فقیر نے یہ نیت کی ہے کہ اسی راہ سے بغداد ہوتا
ہوا ہندوستان جائے جیسی یہ راہ ویسی وہ راہ
لہٰذا اس کو تیسری جگہ جانا کیونکر کہا جا سکتا ہے۔

شیخ عبدالوہابؒ :-

ایں چنیں اگر کنید درست است۔ اما می
توانید کہ در بغداد یک ماہ یا چہل روز
باشید۔ بعدہٗ از آنجا برآمد نمی توانید۔
ایں نسبت کہ شما بجانب ایشاں دارید برآمدن
شما از آں جا مشکل است نمی توانید از آنجا
برآمد۔ سفر ممتد می شود۔ جماعہ شما در انتظار
ہلاک می شوند و ایذا می کشند۔

اگر ایسا کرو تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن کیا یہ ممکن
ہے کہ تم بغداد میں صرف ایک ماہ یا چالیس روز
قیام کرو اور پھر وہاں سے ہندوستان کو روانہ ہو
جاؤ۔ نہیں۔ حضرت غوث اعظم سے تمہاری نسبت
کو دیکھتے ہوئے تمہارا وہاں سے نکلنا مشکل ہے۔
نتیجہ یہ ہوگا کہ سفر طویل ہو جائیگا اور تمہاری جماعت
انتظار میں تباہ ہو جائیگی اور ایذا اٹھائیگی۔

شیخ عبدالحقؒ :-

توجہ فرمایند کہ در ہر چہ خیریت بندہ است پیش آید

دعا کیجیے کہ جو کچھ بندے کے حق میں بہتر ہو وہی ظہور میں آئے۔

شیخ عبدالوہابؒ:-

ان شاء اللہ تعالیٰ خیریت است۔ استخارہ بکنید۔ اکنوں در ظاہر خود خیریت منحصر است در آنکہ بخانہ خود روید۔

ان شاء اللہ تعالیٰ بہتری ہوگا۔ استخارہ کر لو اب بظاہر خیریت اسی میں نظر آتی ہے کہ اپنے وطن واپس جاؤ

شیخ عبدالحقؒ کو اور زیادہ گفتگو کرنے کی جرأت نہ ہوئی، اس وقت خاموش ہو گئے۔ دوسرے دن موقع پا کر پھر اس گفتگو کو چھیڑا۔

شیخ عبدالحق:-

شیخ عبداللہ طبیانی ... فرمودہ است کہ ایں شرط طالب راہ آں است کہ بداند کہ ہیچ حقے از حقوق بالاتر از حق باری تعالیٰ نیست۔ و بیشتر از تحصیل معرفت وے سبحانہٗ تعالیٰ ہیچ کس را بر وے حقے نیست خواہ مادر و پدر باشند یا زن و فرزنداں۔ ترک ہمہ باید بود و تکمیل نفس باید کرد

شیخ عبداللہ طبیانی نے فرمایا ہے کہ طالب حقیقت کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ حق تعالیٰ کے حق سے بڑھ کر کسی کا حق نہیں ہے اور اس کی معرفت حاصل کرنے سے زیادہ کسی کا حق اس کے ذمہ نہیں ہے۔ ماں باپ ہوں یا بیوی بچے سب کو چھوڑ دے اور معرفت الٰہی کی طلب اور تکمیل نفس کی کوشش جاری رکھے۔

شیخ عبدالوہابؒ نے یہ گفتگو سن کر کچھ دیر توقف کیا۔ پھر فرمایا:-

ایں چنیں خود نیست کہ ایشاں گفتہ اند۔ حقوق شرع ہمہ حقوق اللہ اند۔ و رعایت آں مورث معرفت حق تعالیٰ و موجب قرب رضائے وے تعالیٰ است۔ اگر از طلب حق

جو شیخ موصوف نے کہا ہے وہ صحیح نہیں۔ حقوق شرع سب کے سب حقوق اللہ میں داخل ہیں اور ان کا خیال رکھنا معرفت اور قرب الٰہی کا سبب ہے۔ البتہ اگر وہ لوگ طلب حق و دین اسلام

"در دین اسلام مانع آید آں دیگر است" سے مانع ہوں تو دوسری بات ہے۔

شیخ عبدالحق ؒ:۔

دیگر ہمیں بزرگ گفتہ است کہ طلب رزق	انھیں بزرگ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ طلب رزق
وکسب معیشت نباید کرد۔ زیرا کہ حق تعالےٰ	اور تلاش معاش نہ کرنی چاہیے۔ کیونکہ حق
گفتہ است: نحن نرزقک وان اللہ	تعالیٰ کا ارشاد ہے: نحن نرزقک (ہم تجھے
ھو الرزاق ذو القوۃ المتین۔	رزق دیتے ہیں)

شیخ عبدالوہاب:۔

"ایں مسئلہ مختلف فیہ است تفصیلے دارد۔	یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ اور تفصیل کا محتاج ہے۔
مطلق نیست۔ بہ شیب تجرد ہر دو طریق قرب	مطلق طلب رزق ممنوع نہیں ہے۔ تعلق اور تجرد
و وصول است	دونوں طریقوں سے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے

شیخ عبدالحق ؒ کی عجیب حالت تھی۔ شیخ کے سامنے سوء ادب کے خوف سے زیادہ گفتگو نہ کرتے تھے، اور تعمیل حکم میں کوتاہی کرنے کو بھی جی نہ چاہتا تھا لیکن جب تنہا ہوتے اور واپسی کے متعلق سوچتے تو دل گھبرانے لگتا۔ فرماتے ہیں:۔

"چوں ایں فقیر بہ منزل خود می آمد و تنہا می	جب فقیر قیام گاہ پر آتا تھا اور اکیلا ہوتا تھا
بود، بخود قرار می داد کہ بہ ہندوستان نرود	تو دل میں طے کر لیتا تھا کہ ہندوستان نہ جاؤنگا
مطلق ایں عزیمت فسخ نمود۔	اور واپسی کا ارادہ بالکل فسخ کر دیتا تھا۔

اس کے بعد کئی بار بغداد کے سفر کا ذکر آیا۔ شیخ عبدالوہاب متقی ؒ نے ہر مرتبہ یہی مشورہ دیا کہ وطن واپس جانا چاہیے۔ شیخ دہلوی اس کے لیے کسی طرح راضی نہ تھے۔ ان کا دل چاہتا تھا کہ بغداد چلے جائیں یا پھر شیخ عبدالوہاب ؒ ہی کی خدمت میں رہیں۔ ایک دن شیخ نے وطن جانے کے لیے کہا تو عرض کیا کہ حضور کی صحبت سے مجھے روزانہ فوائد حاصل ہوتے ہیں، یہیں رہنے دیا جائے فرمایا:۔

اکنوں فائدہ شما دریں است کہ بوطن خود	اب تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ وطن جاؤ اور
بروید و اہل حقوق را بملاقات خود مسرور	جن لوگوں کے تم پر حقوق ہیں ان کو اپنے دیدار
سازید، ایں نیز عبادت است	سے مسرور کرو کہ یہ بھی عبادت ہے۔

اس پیہم تقاضہ سے مجبور ہو کر شیخ عبدالحقؒ نے ہندوستان کو واپس ہو جانے کا ارادہ کر لیا۔ آخر شعبان ۹۹۹ھ میں طائف جا کر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مزار کی زیارت کی۔ پھر رمضان کے آخر تک شیخ عبدالوہابؒ کی خدمت میں رہے۔ شوال میں عازم ہندوستان ہو گئے۔

حجاز سے روانگی کے وقت اُن کی حالت یہ ہو گئی کہ

"حیرتے در وقت پیش آمد کہ ایں ہمہ خواب و خیالے بود کہ گذشت و چناں نمود کہ یک روز ایں جا آمدہ است نہ نمودہ بود" [1]

آنکھوں میں آنسو اور دل میں یہ شعر لیے [1]

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

وہ اس مقدس سرزمین سے رخصت ہوئے جہاں تین سال قبل وہ ایک نہایت ہی والہانہ انداز میں داخل ہوئے تھے۔ اور جہاں ان کو وہ دولت ملی تھی جس پر دنیا کی تمام دولتیں نثار کی جا سکتی تھیں —— صحیح مذہبی وجدان، بلندی فکر و نظر، احساس فرائض اور دل دردمند۔

شیخ عبدالوہابؒ نے رخصت کرتے وقت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا ایک پیراہن مبارک عنایت فرمایا، اور ہدایت کی کہ:

"بیکار نباشید۔ وازینجا بمداد انوار ان شاء اللہ متوالی خواہد بود"

شیخ عبدالحقؒ ابھی جدہ میں ہی تھے کہ اُنہوں نے ایک ایسا "خریطہ" بھیجا جس کو اُنہوں نے عرصہ تک استعمال کیا تھا۔

[1] زاد المتقین (قلمی)

باب (۱۰) دہم

شیخ محدث ہندوستان میں

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۱۰۰۰ھ میں ہندوستان واپس آئے۔ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:-

"ولعل المملوك قد تشرف بكم في ذلك المقام بل قد يظن انه جاء معكم في المراكب الهندية سنة الف" [1]	اور یہ غلام شاید اس مقام شریف میں آپ کی زیارت سے مشرف ہو چکا ہے۔ بلکہ ایسا خیال ہوتا ہے کہ ۱۰۰۰ھ میں آپ ہی کے ساتھ ہندوستانی کشتیوں پر واپس آیا ہے۔

یہ زمانہ وہ تھا جب اکبر کے غیر متعین مذہبی افکار نے دین الٰہی کی شکل اختیار کر لی تھی۔ ملک کا سارا مذہبی ماحول خراب ہو چکا تھا۔ شریعت و سنت سے بے اعتنائی عام ہو گئی تھی۔ دربار میں اسلامی شعار کی کھلم کھلا تضحیک کی جاتی تھی۔ اگر ملا عبدالقادر کے بیانات کو ایک متعصب ملا کے نظریات قرار دے کر قابل اعتنا نہ سمجھا جائے، تب بھی بعض ایسے قطعی تاریخی شواہد موجود ہیں جن کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اکبر کے دل میں اسلام کی عظمت قائم نہیں رہی تھی۔ ابوالفضل نے آئین اکبری میں اس کے اقوال "می فرمودند" کے عنوان سے جمع کیے ہیں۔ اُن میں متعدد جگہ "کیش احمدی" کہہ کر فقہ اسلامی کا مذاق اُڑایا گیا ہے۔ [2]

کسی نے سچ کہا ہے ــــ الناس علیٰ دین ملوکھم ــــ بادشاہ کی اس بے راہ روی نے عوام کی زندگی پر بھی اثر ڈالا۔ حد یہ ہے کہ مدرسے اور خانقاہیں تک اس کے مسموم اثرات سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ صوفیہ نے شریعت کو طریقت سے علیٰحدہ کر کے اپنے غیر شرعی

---

[1] المکاتیب والرسائل۔ ص ۲۷۰ [2] آئین اکبری۔ ص ۲۲۳ وغیرہ۔

اعمال کا جواز تلاش کر لیا۔ علماء سو نے فقہ کو اپنی بہانہ جو فطرت کا آلہ بنایا[1] اور حیلہ بازی کا وہ دور شروع ہوا کہ بقول ملا عبدالقادر بدایونی

"حیل بنی موسیٰ پیش آں شرمندہ"[2]

شیخ محدث ہندوستان کے ان روح فرسا حالات میں حجاز سے واپس آئے۔ چار سال قبل ان ہی حالات سے بددل ہو کر انہوں نے ہندوستان کو خیرباد کہا تھا لیکن اب خود اُن کی حالت بدل چکی تھی۔ پہلے وہ ان گمراہیوں کی مدافعت کا سامان اپنے اندر نہ پاتے تھے۔ اس لیے مایوسی اور بددلی نے اُن پر قابو پا لیا تھا۔ اب ان کی راہِ عمل متعین ہو چکی تھی۔ علوم دینی کا بے پناہ سرمایہ اُن کے سینے میں تھا۔ اور اسی سے مذہبی انتشار کو دور کرنے کے لیے انہیں مجاز کا کام لینا تھا۔

حجاز سے واپسی پر شیخ عبدالحق نے دہلی میں مسند درس و ارشاد بچھا دی۔ شمالی ہندوستان میں اس زمانہ میں یہ پہلا مدرسہ تھا جہاں سے شریعت و سنت کی آواز بلند ہوئی۔ اس مدرسہ کا نصاب تعلیم دوسری درس گاہوں سے بالکل مختلف تھا۔ یہاں قرآن و حدیث کو تمام علوم دینی کا مرکزی نقطہ قرار دے کر تعلیم دی جاتی تھی۔ فرمایا کرتے تھے ؎

چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

اخبار الاخیار میں شیخ محدث نے درس و تدریس میں اپنی مشغولیت کا ذکر نہایت کسر نفسی سے اس طرح کیا ہے۔

"..... زیادہ تر از آں محنت و ریاضت می کشم و بہ مشغولی تعلیم و افادہ معاذ اللہ کہ تعلم[3]

[1] مخدوم الملک نے زکوٰۃ سے بچنے کے لیے جو حیلہ تلاش کیا تھا وہ بدایونی کی زبان سے سنئے:
"در آخر ہر سال مجموعہ خزانہ خود را بہ منکوحہ می بخشید و پیش از حولان حول کامل استرداد می نمود"
منتخب التواریخ۔ ج ۲۔ ص ۲۰۳

[2] منتخب التواریخ۔ ج ۲ ص ۲۰۳ [3] المکاتیب والرسائل۔ ص ۲۰۲

واستفادہ بسری برم، ورزاویہ عزلت افتادہ ودل بامیدواری نہادہ باہیچ کس از نیک و بد
کارے نہ۔ واز ہیچ آزردہ بر دل غبارے نہ واز مصاحبت این وآں فارغ بالم بلکہ از خود
نیز بیزارم کہ در ترکیب نحوہ کمر شود نیز در عالم۔ رباعی

صد شکر کہ باہیچ کسم کارے نیست   واز من بدل ہیچ کس آزارے نیست
گر بر دل دشمناں بارے ہست   بر خاطر دوستان من بارے نیست[1]

درس وتدریس کا یہ ہنگامہ شیخ محدثؒ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک برپا رکھا۔ ان کا مدرسہ دہلی ہی میں نہیں، سارے شمالی ہندوستان میں ایک امتیازی شان رکھتا تھا۔ سیکڑوں کی تعداد میں طلبا استفادہ کے لیے جمع ہوتے تھے اور متعدد اساتذہ درس وتدریس کا کام انجام دیتے تھے۔ عبدالحمید لاہوری نے لکھا ہے:-

"..... از سلامت توفی بانواع طاعات وریاضات وتعلیم وتالیف وتصحیح بسان ایام شباب می پرداز د۔ از اعقاب او ہفت تن تحصیل علوم رسمیہ نمودہ بافادہ مشغول اند"[2]

شیخ محدث کا یہ دارالعلوم اس طوفانی دور میں شریعت اسلام اور سنت نبویؐ کی سب سے بڑی پشت پناہ تھا۔ مذہبی گمراہیوں کے بادل چاروں طرف منڈلائے۔ مخالف طاقتیں باربار اس دارالعلوم کے بام ودر سے آ کر ٹکرائیں، لیکن شیخ محدثؒ کے پائے ثبات میں ذرا بھی جنبش پیدا نہ ہوئی۔ اُن کے عزم واستقلال نے وہ کام انجام دیا جو ان حالات میں ناممکن نظر آتا تھا۔

ہوا ہے گو تند وتیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیے ہیں انداز خسروانہ

ابوالخیر مبارک کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ انسان کی زندگی کے تین درجے ہیں۔ خوردی، جوانی اور پیری۔ جوانی "خلاصہ عمر" ہے۔ اس میں انسان کو پورے انہماک اور

[1] اخبار الاخیار، ص ۳۰۳۔ [2] بادشاہ نامہ حصہ دوم، ص ۳۴۱۔ ۳۴۲۔

جوش وخروش کے ساتھ کام کرنا چاہیے۔ فرماتے ہیں:۔

"اگر توفیق رفیق سعادت گردد کارے میتواں کرد وبلکہ میتواں نمود، اگر توفیق کار یافت وعروس مراد درکنار گرفت حصل المقصود۔۔۔۔"[1]

خود اپنی جوانی انہوں نے جس طرح گزاری تھی اس کی بابت بھی سن لیجیے:۔

"تمام عمر بریاضت ومجاہدہ وغم ومحنت وناکامی گذشت ؎

من ندانم کہ زندگانی چیست | کامرانی چہ وجوانی چیست
روز گلے خوشی کرا گویند | دل خوش درجہاں کجا جویند
وصل باکام دل چہ می باشد | کامیاب از جہاں کہ می باشد
آنکہ او دید چہرۂ مقصود | کیست درعالم کہ خواہد بود
آنکہ مقصود یافت درعالم | کہ بود ربنا بہ اعلم"[2]

شیخ محدثؒ جس طرح شب وروز کام میں مشغول رہتے تھے، اسی طرح یہ بھی چاہتے تھے کہ اُن کے وابستگان، عقیدتمند اور متعلقین بے کار نہ بیٹھیں۔ وہ وقت کی قدر کریں اور سرگرم عمل رہیں۔ ایک خط میں اعلان کرتے ہیں:۔

"آدمی را دریں کارخانہ برائے کار آفریدہ اند"[3]

اور یہ مصرعہ اور شعر پڑھتے ہیں:۔

ع مزد آں گرفت جانِ برادر کہ کار کرد

کارکن کار وبگذر از گفتار | کاندریں راہ کار دارد کار

شیخ محدثؒ گو مولانا عبدالوہاب متقیؒ کے اصرار سے مجبور ہو کر ہندوستان تشریف لے آئے تھے، لیکن سرزمین حجاز سے اُن کو جو محبت اور تعلق تھا اُس میں کسی طرح کمی نہ آئی۔ اور اُن کی تمنا یہی رہی کہ وہ حجاز کو واپس چلے جائیں اور دیار رسولؐ میں سکونت اختیار کرلیں۔

---

[1] و [2] کتاب المکاتیب۔ ص ۸۱ و ۸۲۔ [3] ایضاً۔ ص ۲۲۱

وصیت نامہ میں نہایت حسرت کے ساتھ انہوں نے یہ فقرہ لکھا ہے :-

اللّٰھم ارزقنی شھادۃً فی سبیلك واجعل موتی ببلد رسولك

الٰہی مجھے تیری راہ میں شہادت نصیب ہو اور میری موت تیرے رسولؐ کے شہر میں ہو

شیخ فرید کے نام ایک خط میں اپنی اس تمنا کا ذکر اس طرح کرتے ہیں :-

"... چوں جوانی بود و توفیق رفیق شدہ و زاد و راحلۂ شوق بہم رسیدہ بود، بہ شوق رفت و بذوق ماند و بسلامت آمد و بحضور نشست، اکنوں می بینم باز آں سودا غلبہ می آرد و باعثۂ محبت آں مقامات جوش می زند کریا الٰہ العالمین اگر یک بار دیگر مددے کنی و بمقام قربت رسانی چہ شود، ہیچ وقت بے ایں اندیشہ و خالی از ایں خیال نیست تا در پردۂ غیب چیست و ارادت ازلی ہرچہ رفتہ است الا آنکہ دراں بار اول از قید تدبیر و مصلحت نیوشی عاقبت کار اندیشی مطلق برآمدہ بود و چیزے از انچہ مانع عزیمت و موجب توقف گردد گرد سراپردہ خیال نمی گشت، الآن مجتے و خواہشے دارد و صلاح وقت خود دراں می اندیشد و مصلحت حال دراں می بیند کہ بقیہ عمر صرف خدمت آں آستانہ گردد، از پریشانیہائے ایں دیار و بیگانگیہائے اہل ایں روزگار دیر آمدہ، در مقام جمعیت و آشنائی جا یابد" [۱]

شیخ نور الحقؒ کو بھی ایک خط میں انہوں نے اپنی اس دلی خواہش کی اطلاع دی ہے۔ اور بتایا ہے کہ کس طرح وہ بے چین ہیں کہ حجر اسود کو بوسہ دیں، آنحضرتؐ کی زیارت کریں، مقام ابراہیم میں دوگانہ ادا کریں، آب زمزم پییں، حرم میں بیٹھیں، طواف کعبہ کریں۔ وغیرہ وغیرہ۔ کہتے ہیں :-

"اے کاش آں موسم گذاشتہ باز آید کہ در پنج و شش ماہ بروند و باز آیند، ایں جوش کہ دریں ایام سینہ پدر تراست اگر موسم می بود می دیدی کہ چہ میکرد" [۲]

---

[۱] المکاتیب والرسائل - ص ۱۱۴ - ۱۱۵ [۲] ایضاً - ص ۳۰۱ -

باب یازدہم[1]

شیخ محدثؒ کے رُوحانی مُرشد

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے جس ماحول میں آنکھ کھولی اور جس فضا میں پرورش پائی اس پر تصوف کا رنگ غالب تھا۔ ناممکن تھا کہ وہ اس ماحول سے متاثر نہ ہوتے چنانچہ بچپن ہی سے اُن میں عبادت و ریاضت کی لگن پیدا ہوگئی۔ ابتدائی زمانہ میں جس طرح وہ عبادت کرتے تھے اس کا ذکر پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے۔ اُن کا یہ مذہبی جذبہ عمر کے ساتھ ساتھ ترقی کرتا رہا، یہاں تک کہ تصوف کا رنگ پوری طرح اُن پر چڑھ گیا[2]۔ نظام الدین احمد بخشی نے لکھا ہے :۔

"امروز در دہلی است ...... در لباس صوفیہ می گزراند" [2]	آج کل دہلی میں ہیں اور صوفیہ کے طرز پر زندگی گزارتے ہیں۔

ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں :۔

"در تصوف رتبہ بلند دارد" [3]	تصوف میں بلند رتبہ رکھتے ہیں۔

بلکہ ملا صاحب کا خیال تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے درس وتدریس میں مشغولیت اس لیے رکھی تھی کہ لوگ اُن کو علوم ظاہری کا فاضل سمجھ کر باطنی تعلیم کے لیے پریشان نہ کریں لکھتے ہیں :۔

"ستر حال خویش بافادہ و استفادہ علوم رسمیہ	علوم رسمیہ کے درس وتدریس کو اُنھوں نے

---

[1] خافی خاں نے لکھا ہے، "در صلاح و تقویٰ کہ لازمہ علم باعمل است ممتاز بودہ، در ادائے فرض و سنن و رسم و آداب دقیقہ فروگذاشت ننمود" ص ۲۳۰۔

[2] طبقات اکبری۔ جلد دوم۔ ص ۴۶۶

[3] منتخب التواریخ۔ جلد سوم۔ ص ۱۱۳۔

اختیار حال کا ذریعہ بنا لیا ہے۔

می کند"۔

والدِ ماجد سے بیعت

شیخ عبد الحق نے سب سے پہلے اپنے والد ماجد مولانا سیف الدین سے روحانی تعلیم و تربیت حاصل کی۔ رسالہ وصیت میں لکھتے ہیں:-

"والدم را بر من حق پدری و استادی و دوستی و پیری جمع است"۔

میرے والد ماجد کے مجھ پر پدری، استادی، دوستی اور پیری کے حق جمع ہیں۔

شیخ سیف الدین کا یہ حال تھا کہ پہروں اپنے نوعمر فرزند کو آغوش میں لیے بیٹھے رہتے تھے اور اس کے سینہ کو علوم باطنی سے معمور کرنے کے لیے بے چین رہتے تھے۔ شیخ عبد الحق نے "مکتب عشق" کا پہلا درس اپنے باپ ہی سے لیا تھا۔ اس کے بعد باپ نے حکم دیا کہ سید موسیٰ گیلانی کے حلقہ مریدین میں شامل ہو جاؤ۔ سعادت مند فرزند نے اس حکم کی تعمیل بھی بسر و چشم کی۔ فرماتے ہیں:-

"بامر پدر مرید حضرت سیدی سندی کلیم الہی الشیخ موسیٰ گیلانی ام"۔[2]

والد ماجد کے حکم سے میں نے حضرت سیدی سندی شیخ موسیٰ گیلانی سے بیعت کی۔

حضرت سید موسیٰ گیلانی

حضرت سید موسیٰ گیلانی قادری سلسلہ کے مشہور و معروف بزرگ مخدوم سید حامد المعروف بہ حامد گنج بخش (المتوفی ۹۷۸ھ / ۱۵۷۰ء) کے فرزند ارجمند اور خلیفۂ راستین تھے۔ مخدوم سید حامد کے متعلق شیخ محدث کا بیان ہے:-

"مخدوم شیخ حامد بن شیخ عبد الرزاق بن شیخ عبد القادر الحسنی الجیلانی صاحب سجادہ بر حق و خلیفہ مطلق حضرت غوث الثقلین بود بزرگ و عالیشان و رفیع المکان مظہر کبریا و جلال

شیخ حامد بن شیخ عبد الرزاق بن سید عبد القادر الحسنی الجیلانی صاحب سجادہ برحق اور خلیفۂ مطلق حضرت غوث الثقلین کے تھے۔ بزرگ عالیشان و رفیع المکان مظہر کبریا و جلال صفا

---

[1] منتخب التواریخ۔ جلد ۳ ص ۱۱۳۔ [2] وصیت نامہ (قلمی)

وصاحب تصرف وکرامت وعظمت ہیبت	تصرف وکرامت وعظمت وہیبت وجلالت
وجلالت ہستے بس عالی داشت ومقامے	تھے۔ ہمت ان کی بہت عالی اور مقام بہت
بس بلند از متاع دنیاوی از ہر قسم کہ تصور کنند	بلند تھا۔ دنیا کے اسباب میں سے کل چیزیں
قسطے وافر او را حاصل بود ولیکن ہرگز مالک نصابے	ان کے پاس موجود تھیں لیکن کبھی نصاب کے
نامی کہ شرط وجوب زکوٰۃ باشد نشدہ۔ مرید	جس سے زکوٰۃ واجب ہو مالک نہ تھے اور مرید
جد خود است شیخ عبدالقادر ثانی قبولے عظیم	اپنے دادا کے ہیں۔ شیخ عبدالقادر ثانی نے اپنے
داشت و در زمان خود کوس بزرگی ومشیخت	زمانہ میں نقارۂ بزرگی ومشیخت اس سلسلہ کا خوب
وخلافت این سلسلۂ علیہ میزد...... شیخ حامد	بجایا اور خلقت میں قبول عظیم رکھتے تھے جو شیخ
در حالتِ حیاتِ خود امر خلافت وسجادہ نشینی	حامد نے اپنی حیات ہی میں اپنے صاحبزادہ کو امر
را بولد شریف خود سپرد (یعنی شیخ موسیٰ)[1]	خلافت وسجادہ نشینی سپرد کر دیا تھا۔

شیخ حامد کے وصال کے بعد ان کے بیٹوں شیخ موسیٰ اور شیخ عبدالقادر میں سجادہ نشینی کے مسئلہ پر جھگڑا شروع ہوا۔ اور عرصہ تک چلتا رہا[2] شیخ موسیٰ، اوچ چھوڑ کر دربار میں آگئے اور یہاں اکبر نے ان کو پانسو کا منصب دیا۔[3]

شیخ موسیٰؒ اتباع شریعت وسنت میں مشہور تھے۔ لکھا ہے:۔

"در خُلق وخَلق وارث حضرت نبوی است صلی اللہ علیہ وسلم۔"[4]

ملا بدایونی کا بیان ہے کہ مذہبی معاملات میں وہ بادشاہ کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔ اگر وہ بادشاہ کے حضور میں ہوتے اور نماز کا وقت ہو جاتا تو دیوان خانہ میں خود اذان دے کر نماز با جماعت شروع کر دیتے تھے، اور کسی کو اُن کے روکنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ لکھا ہے:

---

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۲۰۰ ۔ اردو ترجمہ ص ۲۹۵-۲۹۶

[2] "درمیان شیخ عبدالقادر وشیخ موسیٰ برادر خوردش سالہائے دراز بر سر سجادہ مشیخت منازعتہا افتاد" منتخب التواریخ۔ جلد سوم ص ۹۱

[3] منتخب التواریخ۔ جلد دوم ص ۴۰۴ [4] اخبار الاخیار۔ ص ۳۰۱

در حضور پادشاہ در عین دیوان خانۂ خاص و عام اگر وقت نماز می رسید خود اذان گفتہ نماز بجماعت میگذارد و ہیچکس چیزے نمی توانست گفت؟ [1]

خلیفۂ وقت بجماعت میگذارد و ہیچکس چیزے نمی توانست گفت؟ [1]

شیخ موسیٰؒ قادریہ سلسلے کے عظیم المرتبت بزرگ تھے۔ شیخ محدثؒ کا بیان ہے:-

"وے دریں سلسلۂ علیہ عالیہ (یعنی سلسلۂ قادریہ) مطلع انوار و مہبط اسرار تجلی بود و جمال صورت و معنی داشت" [2]

شیخ موسیٰ کی صحبت میں بڑی کشش تھی۔ جو اُن کے پاس پہنچ جاتا تھا اُن ہی کا ہو جاتا تھا۔ شیخ عبدالحق نے لکھا ہے کہ وہ اس حدیث کے مصداق تھے۔

کانت فی عینی موسیٰ ملاحۃ من راٰہ احبہ [3] — موسیٰ کی آنکھوں میں نمکینی تھی جو ان کو دیکھتا تھا اُن سے محبت کرتا تھا

شیخ محدثؒ نے اخبار الاخیار میں دو بزرگوں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور شیخ موسیٰؒ کے تذکرہ میں انشاپردازی کا پورا زور صرف کر دیا ہے اس کا ایک ایک حرف عقیدت و ارادت میں ڈوبا ہوا ہے۔ شیخ موسیٰؒ کا تعارف اس طرح کرانے کے بعد——

کسیکہ قدم بر قدم مصطفیٰ بود...... سعادت آں سراست کہ پائمال او گردد [4]

فرماتے ہیں —

"دیگراں قطب اند و قطب الاقطاب است و اگر ایشاں سلاطین او سلطان السلاطین محیی الدین کہ دین اسلام زندہ گردانید" [5]

یہ دونوں جملے شیخ محدثؒ کی اپنے پیر و مرشد سے عقیدت کی وجہ پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔ شیخ موسیٰؒ (۱) قدم بر قدم مصطفیٰ بود (۲) دین اسلام زندہ گردانید۔ خود شیخ محدثؒ کی زندگی ان ہی دو جملوں کی تفسیر ہے۔

---

[1] منتخب التواریخ۔ جلد سوم ص ۹۲۔ [2] رسالہ وصیت (قلمی)

[3] اخبار الاخیار۔ ص ۲۰۱ [4] ایضاً۔ ص ۲۰۲ [5] ایضاً۔ ص ۲۰۲۔

آگے چل کر شیخ محدثؒ خدا کا شکر ادا کرتے ہیں

"بر من چنیں نفسے را فرستاد کہ ہر نفس او مائدۂ
بود از آسمان معرفت نازل و باعث عیدِ
سرور اواخر و اوائل موسیٰ مقامے کہ جمال
او ناریست از شجرہ وحدت طالع و نورے
از جانب حقیقت لامع خلیل کہ
رخسارہ زیبائش گلزار بوستانِ خلت و
گل گلستان دین و ملت ست، مصطفےٰ
جمالے کہ دہانش نمک داں خوان انا املح
و زبانش تبیان قرآن انا افصح ست مرتضیٰ
کمالے کہ دلش باب مدینۂ علم و فتوح و بر
ضمیرش ابواب اسرار و کشف مفتوح
حسن سیرتے وارث مرتبہ وانک لعلی
خلق عظیم و نائب منصب بالمؤمنین
رؤف رحیم حسین سریرتے کہ مصدق
ویطہرکم تطہیرا آمد و مصداق الا المودۃ
فی القربیٰ شد زین العابدینؑ امام الصادقین
السید النقی التقی والعلوی العلی المہدی
سمی کلیم اللہ و محبوب حبیب اللہ۔

میرے واسطے ایک عیسیٰ نفس کو بھیجا جن کا ہر
سانس آسمان سے نازل ہونے والا مائدہ تھا
اور اگلے پچھلوں کے واسطے عید و سرور، موسیٰ
مقام جن کا جمال شجرِ وحدت کی نار اور حقیقت
کا نور ہے، خلیل خلت جن کا رخسارۂ زیبا
گلزار بوستاں خلت اور گلستان دین وملت ہے
مصطفیٰ جمال کہ جن کا دہان نمکدان خوان انا
املح اور جن کی زبان تبیان قرآن انا افصح
ہے۔ مرتضیٰ کمال جن کا دل مدینۂ علم
و فتوح ہے اور ان کے ضمیر دل پر ابواب
اسرار و کشف مفتوح ہیں۔ حسن سیرت
وارث انک لعلی خلق عظیم و نائب
منصب بالمؤمنین رؤف رحیم
حسین سریرتے جن کے مصداق آیت تطہیر
ہے اور مصداق الا المودۃ فی القربیٰ
زین العابدین و امام الصادقین السید النقی
التقی والعلوی والعلی المہدی سمی کلیم اللہ
و محبوب حبیب اللہ۔

رباعی

احمد خوئے کہ عالم بندۂ اوست
یوسف روئے کہ ماہ شرمندۂ اوست

عیسیٰ نفسے کہ جان و دل زندہ اوست — موسیٰ کرمے کہ دوست خواہندہ اوست[1]

جب تعریف کرتے کرتے تھک جاتے ہیں تو بے اختیار پکار اُٹھتے ہیں ؎

حقا بیان شوق بپایاں نمی رسد
کوتاہ ساز قصہ دور و دراز را[2]

شیخ محدث نے ۲۷ شوال ۹۹۵ھ (۱۵۸۷ء) کو حضرت سید موسیٰ گیلانیؒ کے دامن سے وابستہ ہوئے تھے۔ شیخ نے اُن پر خاص توجہ فرمائی اور اُن کو خلافت سے بھی نوازا۔ خود فرماتے ہیں:

"نہایت محبت بمن داشت، و مرا بفرزندی قبول کرد، و تلقین نمود و خلافت داد"[3]

شیخ عبدالوہاب متقی سے ارادت

مکہ معظمہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنے استاد شیخ عبدالوہاب متقیؒ سے بھی بیعت کی تھی۔ فرماتے ہیں:

"بعد شرف یابی از سید موسیٰ گیلانیؒ بہ مکہ رفتم و بہ خدمت شیخ ولی اجل اعز و اکرم قطب الوقت عبدالوہاب متقی رضی اللہ عنہ مشرف شدم۔ وے نیز مرا قبول کرد..... و علم ظاہر و باطن تربیت فرمود۔ و وے در انتساب قادری و در سلوک و ارشاد شاذلی و از سلسلہ مدینیہ و چشتیہ کہ از راہ بالا بجناب ولایت مآب شیخ مودود چشتیؒ می رسد نیز خلافت داشت مرا نیز بخلافت ایں سلاسل مشرف گردانید"

شیخ عبدالوہاب متقیؒ شیخ علی متقیؒ کے شاگرد، مرید و خلیفہ تھے۔ شیخ علی متقیؒ نے بچپن میں شاہ باجن چشتیؒ سے جو برہان پور کے مشہور مشائخ میں تھے، بیعت کی تھی۔ اس کے بعد جب سن بلوغ کو پہنچے تو شیخ عبدالحکیم بن شاہ باجن چشتیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے چشتیہ سلسلہ میں خلافت حاصل کی۔ پھر حرمین شریفین چلے گئے۔ وہاں شیخ ابوالحسن بکری قادری کی صحبت میں رہے، اور شیخ محمد بن محمد سخاویؒ سے خاندان قادریہ کی خلافت حاصل کی۔[4]

---

[1] اخبار الاخیار، ص ۳۰۵۔ اردو ترجمہ، ص ۴۴۴-۴۳۵ — [2] ایضاً، ص ۳۰۷

[3] رسالہ وصیت (قلمی)۔ [4] حالات کے لیے ملاحظہ ہو "گلزار ابرار"، ص ۲۶۵۔

علاوہ ازیں شیخ سخاویؒ ہی سے شاذلیہ سلسلہ[1] کی اجازت حاصل کی، اور سلسلہ مدنیہ[2] کا خرقہ پایا۔

شیخ عبدالوہاب متقیؒ نے اس طرح اپنے مرشد سے چشتیہ، قادریہ، شاذلیہ اور مدنیہ چاروں سلسلوں کی خلافت انہوں نے اپنے عزیز ترین مرید اور شاگرد شیخ عبدالحق دہلویؒ کو بھی عنایت فرمائی۔

شاذلیہ سلسلہ میں دعائے حزب البحر کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اور اس سلسلہ کی باطنی تعلیم کا بیشتر حصہ اسی سے متعلق ہے۔ شیخ عبدالحق دہلویؒ جب ہندوستان کو روانہ ہونے لگے تو شیخ عبدالوہابؒ نے ان کو حزب البحر کی مخصوص اجازت سے سرفراز فرمایا[3]

شیخ محدثؒ نے "الرسالۃ السابعۃ والخمسون فی ذکر الاحوال والاقوال خشیۃ علی رعایۃ طرق الاستقامۃ والاعتدال"[4] میں ان اوراد کی تفصیل دی ہے جن کی اجازت شیخ عبدالوہاب متقیؒ

---

[1] شیخ ابو الحسن علی بن عبداللہ شاذلیؒ (المتوفی ۶۵۶ھ / ۱۲۵۸ء) حالات کے لیے ملاحظہ ہو Ency. of Islam جلد چہارم ص ۲۳۰-۲۲۹، A. Cour کا مضمون اس سلسلہ کے بانی ہیں۔ مولانا جامی نے ان کا ذکر نفحات الانس (۶۴۱-۶۴۲) میں کیا ہے۔ مصر، الجیریا اور تیونیسیا میں یہ سلسلہ خوب پھیلا۔ اور کثیر تعداد میں لوگ اس میں شامل ہو گئے۔ (D. S. Margoliouth نے Ency. of Islam (جلد چہارم ص ۳۲۰-۳۲۹) میں اس سلسلہ کے اصولوں اور نشو و نما پر جو مضمون لکھا ہے وہ بہت دلچسپ ہے اور مطالعہ کے قابل ہے۔

[2] مدنیہ سلسلہ شیخ ابو مدین شعیب المغربی پر ختم ہوتا ہے۔

[3] دعائے حزب البحر شیخ ابو الحسن شاذلیؒ کی تصنیف ہے۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ عجائب الاسفار جلد اول ص ۲۲-۲۳ میں اس کو نقل کیا ہے اور لکھا ہے: "جب شیخ مذکور حج فرمایا کرتے اور براہ صعید مصر اور بحر جدہ ہو کر تشریف لیجایا کرتے اور کشتی پر سوار ہوا کرتے اور روزانہ اس دعائے حزب البحر کو پڑھ لیا کرتے۔ چنانچہ آپ کے سلسلہ کے لوگ روزانہ اب تک اس کا ورد رکھتے ہیں" (ص ۲۱)۔ کشف الظنون (جلد سوم ص ۸۱) میں اس دعا کے اثرات تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ شیخ محدث نے زاد المتقین میں وہ حالات بھی بیان کیے ہیں جن میں شیخ شاذلیؒ نے یہ دعا ترتیب دی تھی۔

زاد المتقین میں لکھتے ہیں کہ رخصت کرتے وقت شیخ عبدالوہاب سے پوچھا کہ حزب البحر را از ما اجازت ہست گفتم ہست۔ بلکن اگر در ملازمت شما شد کہ موجب سعادتے دیگر است کہ اجازت مقرون گردید۔ نیز ملاحظہ ہو المکاتیب والرسائل ص ۲۸۲، نیز ص ۱۸۱۔

[4] المکاتیب والرسائل ص ۲۷۳-۲۸۲۔

نے ان کو عنایت فرمائی تھی۔

ان اعمال و اوراد سے قطع نظر شیخ عبدالوہاب متقی نے حقیقت بھی شیخ عبدالحق کے ذہن نشین کرائی کہ دعوت و اصلاح بھی روحانی ترقی کا ایک موثر ذریعہ ہے۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

روزے کہ حضرت قطب الوقت شیخ عبدالوہاب متقی قدس اللہ روحہ ایں فقیر را بنعمت اجازت اذکار و دعوات و احصار مشائخ مشرف ساختند فقیر پرسید کہ دعوت ہم طریق قرب و وصول حق می باشد فرمودند چرا نباشد۔ [1]

جس وقت حضرت قطب الوقت شیخ عبدالوہاب متقی قدس اللہ سرہٗ نے اس فقیر کو اذکار و دعوات و احصا مشائخ سے مشرف فرمایا تو فقیر نے پوچھا کہ کیا دعوت بھی قربت حق تعالیٰ کا ذریعہ ہے۔ فرمایا۔ کیوں نہیں۔

پھر شیخ عبدالوہاب نے دعوت و اصلاح کے کام کی نوعیت بتائی۔ اور سمجھایا کہ لوگوں کی جفا و تعدی کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے ہی میں روحانی ترقی کا راز پنہاں ہے۔ انسان کو چاہیے کہ مشکلات میں صبر سے کام لے۔ ماحول ناسازگار ہو تو بددل نہ ہو جائے۔ صبر و استقامت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرے اور دعوت و اصلاح کے کام میں سرگرم رہے۔ فرماتے ہیں:

بآزار رسانی مردم صبر شرط است رنجیدن و وطن گذاشتن و ہجرت نمودن نیامدہ است ..... دل قوی باید داشت۔ [2]

آدمیوں کی آزار رسانی پر صبر کرنا چاہیے جگہ سے ہٹنا اور وطن چھوڑ کر ہجرت کر جانا کہیں نہیں آیا ہے..... دل کو قوی رکھنا چاہیے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں

رسالہ وصیت میں شیخ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں:

چوں بہ ہندوستان آمدم صحبت افتاد مرا

جب ہندوستان واپس آیا تو خواجہ محمد باقی

[1] المکاتیب والرسائل۔ ص ۲۹۷۔ [2] ایضاً ص ۱۹۸

باخواجہ محمد باقی نقشبندی مدتے مشق نسبت خواجگان کردہ طریقۂ ذکر، مراقبہ، ورابطہ و حضور ویادداشت حاصل نمودہ؎	نقشبندی کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا عرصہ تک طریقہ خواجگان کی مشق کی اور ذکر، مراقبہ، رابطہ، حضور اور یادداشت کی تعلیم حاصل کی۔

محمد صادق ہمدانی نے کلمات الصادقین میں لکھا ہے کہ شیخ محدث نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے روحانی اشارے پر حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی اگر سولھویں صدی کے آخر اور سترھویں صدی کے شروع کی مذہبی اور روحانی تاریخ کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائیگی کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی ذات گرامی احیاء سنت اور اماتت بدعت کی تمام تحریکوں کا منبع و مخرج تھی۔ ان کے ملفوظات و مکتوبات کا ایک ایک حرف ان کی مجددانہ مساعی، بلندی فکر و نظر کا شاہد ہے۔ شیخ عبدالحقؒ نے جب احیاء علوم الدین کا بیڑا اُٹھایا تو حضرت باقی باللہؒ کا آفتاب ارشاد نصف النہار پر تھا۔ ناممکن تھا کہ وہ اُن سے کسب فیض نہ کرتے۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

"وکان الداعی الیھا والمرشد للطالبین فی بلدنا ھذا الشیخ العارف الکامل سر اللہ الاعظم ونور الاتم سیدنا ومولانا خواجہ محمد الباقی قدس سرہ الاصفی و ھو من مشائخنا فی ھذا الطریق جزاہ اللہ منا خیرًا۔ ؎	ہمارے شہر میں اس نسبت نقشبندیہ کے داعی اور مرشد شیخ العارف الکامل سر اللہ الاعظم ونور الاتم سیدنا ومولانا خواجہ محمد الباقی قدس سرہٗ تھے۔ وہ اس طریقہ میں ہمارے مشائخ میں ہیں۔ اللہ ان کو جزائے خیر دے۔

؎ ان اصطلاحات کی وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو "شفاء العلیل ترجمہ قول الجمیل از حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ ص ۶۱-۷۰۔
؎ المکاتیب والرسائل۔ ص ۲۷۸-۲۷۹

حضرت خواجہ محمد باقیؒ ۹۷۱ھ میں کابل میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد ماجد قاضی عبد السلامؒ علم و فضل میں ممتاز تھے۔ فقہ و حدیث میں کمال رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ کی خواجہ محمد باقیؒ نے ملا صادق حلوائی سے جو مشہور فاضل تھے تلمذ کیا۔ دوران درس میں ایک مجذوب نے خواجہ صاحب کو مخاطب کرکے کہا ؎

در کنز و ہدایہ نتواں دید خدارا　　　آئینۂ دل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

اس شعر کا سننا تھا کہ خواجہ صاحب کا دل علوم ظاہری سے گھبرا گیا اور مرشد کامل کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ عرصہ تک صحرانوردی کرتے رہے۔ مختلف بزرگوں کی خدمت میں رہ کر فیض حاصل کیا[1]۔ اور بالآخر ایک روحانی اشارے پر ہندوستان کا رُخ کر دیا۔ اور یہاں آکر نقشبندیہ سلسلہ کے فیض کو خاص و عام تک پہنچا دیا۔ خافی خاں نے لکھا ہے:-

"حضرت خواجہ باقی باللہ دراں عہد از مقتدائے زماں بودہ، صفات ذاتی و کسبی و خوارق ایشاں زیادہ ازاں است کہ بزبان قلم دادہ شود"[2]

مکتوبات و ملفوظات کے مطالعہ سے خواجہ صاحبؒ کی جو تصویر ذہن میں آتی ہے اس میں اصولی سختی اور حکیمانہ نرمی کا امتزاج بڑا حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے۔ ان کی نظر سوسائٹی کے اُن تمام گوشوں تک پہنچ گئی تھی جہاں اصلاح و تربیت کی ضرورت تھی۔ امراء، صوفیہ علماء، طلباء، سپاہی، تاجر ـــ سب کو اُنھوں نے موقع اور مصلحت کے مطابق ہدایتیں کیں اور اس انداز میں کہ جس نے اُن کی بات سُنی، گناہوں سے کنارہ کش ہو گیا

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے خواجہ باقی باللہؒ کے دامن تربیت سے وابستہ ہو کر بہت کچھ حاصل کیا۔ کتاب المکاتیب والرسائل میں مندرجہ ذیل سات خطوط

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ حیات باقیہ۔ ص ۱-۱۲۔　　[2] منتخب اللباب ص ۲۰۴-

شیخ محدث نے اپنے مرشد کے نام لکھے ہیں۔

(۱) سلوک طریق الفلاح عند فقد التربیت بالاصطلاح۔

(۲) اصول الطریقۃ لکشف الحقیقۃ

(۳) تبیین الطریق لاہل الارادۃ بالتزام وظائف الخیر والعبادۃ

(۴) تنبیہ اہل النہی تبفاوت حال الابتدار والانتہاء

(۵) تحصیل الکمال الابدی باختیار الفقر المحمدی۔

(۶) قرع الاسماع با خلاف اقوال المشائخ واحوالہم فی السماع

(۷) ورود الامداد بالاستقامۃ علی الاوراد

یہ مکتوبات مستقل رسائل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان سے شیخ محدث کی اپنے مرشد سے عقیدت اور اس زمانہ کے حالات پر بہت روشنی پڑتی ہے۔ شیخ محدث نے بعض اہم وقتی مسائل پر ان سے گفتگو کی ہے اور اُن کی رہنمائی چاہی ہے لیکن یہ تمام خطوط نہایت حزم و احتیاط سے لکھے گئے ہیں۔ اس لیے پہلی نظر میں اُن کا سمجھنا مشکل ہے۔ جتنا اُن کے الفاظ پر غور کیا جاتا ہے اسی قدر شیخ کا مفہوم صاف ہوتا جاتا ہے اور "ستر و کتمان" کے پردے اُٹھتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اور اخیر میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان خطوط کو لکھنے والا مذہبی انتشار پر خون کے آنسو رو رہا ہے۔

خواجہ باقی باللہ نے شیخ محدث سے ایک مرتبہ رسالہ فقر محمدی[۱] کے مصنف اور مضمون کے متعلق دریافت کیا۔ شیخ محدث نے ان کے استفسار کے جواب میں جو کچھ لکھا وہ ہندوستان کے حالات پر ایک بصیرت افروز تبصرہ تھا جس میں اس کتاب کی آڑ لے کر حالات گرد و پیش پر نہایت بالغ نظری کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ پردے پردے میں انہوں نے عہد

---

[۱] شیخ احمد بن ابراہیم الی سطی الحزمی کی تصنیف ہے۔ شیخ محدث نے ان کے متعلق لکھا ہے:

"از کبار مشائخ دیار عرب و معتبر روزگار و در طریق اتباع سنت و تقویم و ترویج ایں طریقہ بے نظیر وقت خود بود"

الکاتیب والرسائل۔ ص ۱۹

اکبری کے سب فتنوں کی طرف اشارہ کردیا ہے اور اپنے پریشان دل کی دھڑکن کو اپنے پیرو مرشد کے کانوں تک پہنچا دیا ہے۔

شیخ محدث اپنے مرشد کا جو ادب و احترام کرتے تھے اس کا اندازہ اس عبارت سے لگایا جا سکتا ہے۔ لکھتے ہیں :-

"نقل ایں چند کلمہ اتفاق افتاد، ہر بار کہ می خواست کہ بجانب ایشاں عریضہ بنویسد و چیزے ازیں سخناں کہ بنظر در آمدہ نقل نماید، حیا و حجاب مانع می آمد و نامحرمیت و نااہلیت خود منظور می افتاد دریں مرتبہ کہ قلم تقدیرے بے سابقہ تامل و تدبر جریان یافت و کلمہ چند بظہور آمد معذور خواہند داشت" [1]

خواجہ باقی باللہ نے ایک مرتبہ اُن کو خط میں کچھ راز کی باتیں بتائیں۔ شیخ محدث کو اس قدر خوشی ہوئی کہ پھولے نہ سماتے تھے اور تعجب کرتے تھے کہ کس طرح ——— ایں حقیر را بایں سخن...... مخاطب ساختہ" [2]

حضرت خواجہ صاحب کو بھی اُن سے بڑی محبت اور خصوصیت تھی۔ اُن کے خطوط کو نہایت ذوق و شوق سے پڑھتے تھے۔ ملفوظات باقیہ کی یہ عبارت اس سلسلہ میں دلچسپی سے پڑھی جائیگی۔

"روزے عنایت نامۂ بندگان حضرت	ایک روز کا ذکر ہے کہ حضرت مخدومی حاجی
مخدومی حاجی شیخ عبدالحق کہ مضامین	شیخ عبدالحق کا عنایت نامہ جو حقیقت میں
حقائق آمیز و کلمات نصائح انگیز نسخہ	حقائق آمیز مضامین اور نصائح آمیز کلمات
سعادت را عنوانے بود، رسید، بنظر	کا نسخۂ سعادت بلکہ اس کا عنوان تھا پہنچا۔
آں مکتوب کلمہ چند از آثار کلک بدائع نگار	خط کی پشت پر چند کلمے حضور کے قلم سے
حضرت ایشاں بنظر تعطش اثر در آمد چنانچہ	لکھے ہوئے نظر پڑے۔ ایک ایسی حالت اور

[1] ، [2] کتاب المکاتیب والرسائل۔

بخشید کہ از حوصلۂ کاغذ و قلم بیروں است
مجملے از ذوق آں دریں مصرعہ یافتہ می شود
خادم روئے بر روئے وے واز خویشتن رفتم
وآں کلمات حقائق آیات ایں است
اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من
الظلمٰت الی النور۔
ہرچہ نوشتنی بود در صحیفۂ بندگان
مخدومی مندرج است زیادہ چہ
نویسم بارے فرصت و قوت بلکہ
وقت و نفس را غنیمت شمردہ بمقتضائے
آں زندگانی میباید کرد، دریغ کہ ایں
عاجز گرفتار را قوت کار نماندہ وگرنہ
بتوفیق اللہ دریں دو روزہ عمر
دیوانہ وار ماتم باز ماندگی خود میداشت
و زندگانی فدائے ایں راہ می کرد حق تعالے
دریں افتادگی نیز دردے و آشوبے
کرامت فرماید کہ کار دو جہاں خود را
در قبضۂ اقتدار او نہادہ از مجموع
گرفتاریہا فارغ بیابم۔ آمین یارب
العلمین۔ امید از آں برادر آنست
کہ روئے بر خاک نہادہ از برائے حصول

وجد طاری ہوا کہ کاغذ و قلم کے حوصلے سے
خارج ہے۔ اس ذوق کا نمونہ مجملاً اس مصرعہ
میں پایا جاتا ہے "یعنی میں نے اپنا منہ اس کے
منہ پر رکھا اور اپنے آپ سے بے آپے ہو گیا۔
حضور نے جو کلمات حقائق آمیز لکھے تھے وہ یہ
ہیں" اللہ ایمان والوں کا حامی و مددگار ہے کہ
اُن کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی
روشنی میں لاتا ہے" جو کچھ لکھنا تھا بندگان
مخدومی کے خط میں لکھا گیا۔ زیادہ کیا لکھوں
ہاں اتنا لکھتا ہوں کہ فرصت اور قوت بلکہ
وقت اور نفس کو غنیمت شمار کرکے اس کے
مناسب زندگی کرنی چاہیے۔ افسوس کہ اس
عاجز گرفتار کو قوت کسی کام کی نہیں رہی۔
ورنہ خداوندی توفیق سے اس دو دن کی
عمر میں دیوانوں کی طرح اپنی عاجزی اور
سستی کا ماتم کرتا اور اپنی زندگی کو اس
راہ میں قربان کر دیتا لیکن دعا ہے کہ خدائے
تعالٰی اس عاجزی میں بھی ایسا درد اور
آشوب عنایت فرمائے کہ میں اپنے دین و دنیا
کے کاموں کو اس کے قبضۂ اقتدار میں سونپ
کر تمام گرفتاریوں سے فراغت پا جاؤں۔ آمین

ایں آرزو ے فقیر از خدا بجواہد کہ دعاء الغائب للغائب اسرع اجابۃ آمدہ است والدعاء[1]

یارب العٰلمین امید ہے کہ تم ہمیشہ خاک مذلت پر عاجزی کا منہ رکھ کر فقیر کی اس آرزو پر کامیاب ہونے کی خاطر سے دعا مانگتے رہو گے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ غائب کی دعا غائب کے لیے بہت جلد قبول ہوتی ہے۔ والدعا۔

سلسلۂ قادریہ سے خصوصی تعلق

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو مندرجہ ذیل سلاسل کی خدمت ملی تھی:-

(۱) قادریہ

(۲) چشتیہ

(۳) شاذلیہ

(۴) مدنیہ

(۵) نقش بندیہ

لیکن اُن کا قلبی اور حقیقی تعلق سلسلہ قادریہ سے تھا۔ اُن کی عقیدت وارادت کا مرکز حضرت غوث الاعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ وہ بعض وقتی ضروریات اور ماحول کے اثرات کی بنا پر دوسرے خانوادوں کے بزرگوں سے استفادہ کرنے پر مجبور ہو گئے تھے لیکن اُن کا دل ودماغ کا رشتہ شیخ جیلانیؒ کے عشق میں گرفتار تھا۔ زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار میں لکھتے ہیں کہ مجھے خواب میں حضرت غوث الاعظمؒ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ پر مرید کیا تھا اور بیعت ہونے کے بعد حضور سرور کائناتؐ نے بزبان فارسی بشارت دی تھی کہ "بزرگ خواہی شد"[2]

اپنی تصانیف میں جس طرح اُنھوں نے شیخ جیلانیؒ کا ذکر کیا ہے وہ ان کے جذبات عقیدت کا آئینہ دار ہے۔ شیخؒ کا نام آتے ہی اُن پر ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور اُن کا

[1] کلمات طیبات ۔ ص ۵۴-۵۵
[2] زبدۃ الآثار (قلمی نسخہ)

قلم فرطِ مسرت اور جوشِ عقیدت میں وجد کرنے لگتا ہے۔ اخبار الاخیار میں اُنہوں نے صرف ہندوستان کے علماء و مشائخ کا ذکر کیا ہے لیکن عقیدت کی بنا پر حضرت شیخ جیلانیؒ کے تذکرہ سے کتاب کا آغاز کیا ہے۔ ایک مکتوب میں اپنے فرزند شیخ نور الحقؒ کو لکھتے ہیں:

"مرجع و ماوائے ما فقیراں ہمہ جناب سید کائنات و خلاصۂ موجودات است علیہ افضل الصلوٰۃ و اکمل التحیات بوسیلہ حضرت پیر دستگیر غریب نواز شکستہ پرور غوث الثقلین شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ" [1]

شیخ محدثؒ اپنے نام کے ساتھ بھی صرف قادریہ سلسلے ہی سے اپنی نسبت ظاہر کرتے ہیں:

"عبد الحق بن سیف الدین الدہلوی وطناً، البخاری اصلاً، الترکی
نسباً، الحنفی مذہباً، الصوفی مشرباً، القادری طریقۃً" [2]

---

[1] المکاتیب والرسائل۔ ص ۲۹۸۔

[2] British Museum Catalogue (Persian Ms) Rieu - Or 1107 Vol I p. 14.

باب (۱۲) دوازدہم

شیخ محدثؒ اور شاہانِ وقت

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سلیم شاہ سوری کے عہد میں پیدا ہوئے تھے۔ اور شاہجہان کے سنہ جلوس میں اُنہوں نے وصال فرمایا۔ اس مدت میں دہلی کے تخت پر مندرجہ ذیل فرمانروا بیٹھے۔

(۱) اسلام شاہ (۲) مبرز خاں
(۳) ابراہیم شاہ (۴) احمد خاں سکندر شاہ
(۵) ہمایوں (۶) اکبر
(۷) جہانگیر (۸) شاہ جہاں

آخری تین بادشاہوں کے عہد کو اُنہوں نے اچھی طرح دیکھا تھا اور حالات کا بغور مطالعہ کیا تھا لیکن اُنہوں نے کبھی سلاطین یا ارباب حکومت سے کوئی تعلق رکھنا پسند نہیں کیا۔ وہ عمر بھر گوشہ تنہائی میں رہے، اور ہمیشہ یہ کہتے رہے ؎

حقی از گوشۂ دہلی نہ نہم پا بیروں خود گر غنیم کہ ملک گجراتم دادند

اس گوشہ گیری کے متعدد اسباب تھے۔ اول تو علماء سو نے دربار اکبری میں جس طرح علم دین کی تذلیل کی تھی، اس سے علمائے حق اس درجہ بددل ہو گئے تھے کہ دربار سے قطع کر لینے ہی میں اُن کو علم و دین کی عافیت نظر آتی تھی۔ دوسرے شیخ محدثؒ کا خیال تھا کہ دربار شاہی میں آمد و رفت سے علمی کاموں میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ علمی کام اور درباداری ساتھ ساتھ نہیں چل سکتیں۔ تیسرے، شیخ محدثؒ کی خودداری فطرت شاعرانہ مبالغہ آرائی اور مدح و ثنا سے

انکار کرتی تھی شیخ فرید کو لکھتے ہیں:

"در حفظ مراسم مدح و تعظیم و بیان خلوص و محبت بر جادۂ وسط و اعتدال ایستادن و از دائرہ احتیاط و نفس الامر بیروں نیفتادن در غایت دشواری است اگر براہ مبالغہ در مدح و ثنا فرود نامد از خطۂ عرف و عادت عاطل بود و اگر بجادۂ عزیمت دین و صولت یقین باطل شود اے کاش ایں رسم و عادت در عالم نبودے"[1]

جس شخص کی فطرت مبالغہ کے القاب تک لکھنے سے گھبراتی ہو وہ دربار میں قصیدہ خوانی کا کام کس طرح کر سکتا تھا! شیخ محدث نے امراء میں بھی صرف اُن سے تعلقات رکھے ہیں جن کو کبھی بھول کر بھی یہ خیال نہیں آتا تھا کہ یہ بوریہ نشین شہنشاہ اُن کے سامنے تعظیم و ادب سے حاضر ہوں۔

شیخ محدث کے حزم و احتیاط اور سیاست سے علیحدہ رہنے کی خواہش کا یہ حال تھا کہ ان کو تاریخ لکھنے میں بھی اس لیے تامل تھا کہ اس طرح بھی سیاست میں کچھ نہ کچھ دخل ہو ہی جاتا ہے۔ ع

درویش ترا ز ذکر شاہاں چہ غرض

اکبری عہد میں جب ملت کی پریشاں حالی اور ابتری کا دل پر اثر ہوا تو حجاز چلے گئے۔ جب شیخ عبدالوہاب متقی نے مجبور کر کے ہندوستان واپس کر دیا تو یہاں آکر گوشہ نشین ہو گئے۔ جب اکبر کا انتقال ہوا تو اُنھوں نے شیخ فرید کو عربی زبان میں ایک نہایت ہی پرمعنی خط لکھا۔[2] مراۃ الحقائق میں لکھا ہے کہ یہ خط شیخ فرید کی معرفت جہانگیر کو بھجوایا گیا تھا۔[3]

اکبر کے عہد میں مذہب کا جو حال ہوا تھا اس سے شیخ محدث کا دل مجروح ہو چکا تھا

---

[1] المکاتیب والرسائل [2] ملاحظہ ہو ضمیمہ

[3] مراۃ الحقائق۔ ص ۹۵۔ "ایں رسالہ در واقعہ رحلت جلال الدین اکبر بادشاہ برکن السلطنت نواب سید فرید مرتضیٰ خاں برائے اطلاع و آگہی نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ فرستادہ شدہ"

جہانگیر کی تخت نشینی کے وقت اُنھوں نے ضروری سمجھا کہ نئے بادشاہ کو اس کے فرائض اور پابندیوں سے آگاہ کیا جائے۔ چنانچہ اُنھوں نے ایک رسالہ نورانیہ سلطانیہ تصنیف کیا اور اس میں قواعد و ارکان سلطنت پر تفصیلی بحث کی۔ بعد کو شاہجہاں کے لیے اُنھوں نے ایسی چالیس احادیث جمع کیں جن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطین کو نصیحتیں فرمائی ہیں۔ اس رسالہ کا نام اُنھوں نے "ترجمۃ الاحادیث الاربعین فی نصیحۃ الملوک والسلاطین" رکھا۔

اکبر کے انتقال کے بعد غالباً شیخ محدثؒ نے شاہان سے کچھ تعلقات رکھنے ضروری سمجھے تاکہ دین کی صحیح تعلیم کسی نہ کسی طرح اُن تک پہنچائی جا سکے۔ ممکن ہے کہ شیخ محدثؒ کے رویے میں اس تبدیلی کا سبب حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی تعلیم ہو۔ خواجہ صاحب کا اصول یہ تھا کہ جھونپڑوں سے لے کر محلوں تک ارشاد و تلقین کا ہنگامہ برپا کرنا چاہیے، اور سلاطین سے علیحدہ رہنے کی بجائے اُن کو متاثر کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

جہانگیر کے ۱۳ سنہ جلوس میں شیخ محدثؒ بادشاہ سے ملاقات کے لیے دربار میں تشریف لے گئے۔ جہانگیر اپنی تزک میں لکھتا ہے ——

"شیخ عبدالحق دہلوی کہ از اہل فضل و ارباب	شیخ عبدالحق دہلوی جو اہل فضل اور ارباب سعادت
سعادت است، دریں ایام دولت ملازمت	میں سے ہیں، میرے یہاں آنے پر تشریف لائے
دریافت، کتابے تصنیف نمودہ بود	انھوں نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس
مشتمل بر احوال مشائخ ہند بنظر در آمد،	میں ہندوستان کے مشائخ کے حالات جمع
خیلے زحمتہا کشیدہ، مدتہا است کہ در گوشہ	ہیں۔ میں نے اس کو دیکھا۔ اس کی تصنیف
دہلی بوضع توکل و تجرید بسری برد، مرد گرامی	میں انھوں نے بڑی محنت کی۔ وہ مدت سے
است۔ صحبتش بے ذوق نیست، بانواع	دہلی کے ایک گوشہ میں توکل و تجرید کی زندگی گزار
مراحم دل نوازی کردہ رخصت فرمودم۔"[1]	رہے ہیں۔ وہ مرد گرامی ہیں۔ ان کی صحبت بے ذوق نہیں ہوگی۔ میں نے ان کو بہت سی عنایات و نوازشات کے بعد رخصت کیا۔

[1] تزک جہانگیری۔ ص ۲۰۲ (سرسید ایڈیشن ۱۸۶۳ء)

انگریز مورخین نے خط کشیدہ عبارت کے سمجھنے میں غلطی کی ہے اور کچھ ایسا ترجمہ کر دیا ہے جس سے جہانگیر کا مفہوم بالکل ہی بدل گیا ہے۔ ایلیٹ عبارت خط کشیدہ کا ترجمہ کیا ہے[۱]

"He had suffered a great deal of trouble and was living in retirement at Delhi; resigned to his lot and trusting in God"

"انہوں نے بڑی تکلیفیں اٹھائی تھیں اور وہ دہلی میں ایک گوشہ تنہائی میں رہتے تھے، اپنی قسمت پر قانع اور خدا پر توکل کیے ہوئے"

روجرس لکھتا ہے[۲] :-

"He had endured some hardships and for a long time had lived in Delhi in seclusion and the practice reliance on God and of asceticism."

انہوں نے کچھ تکالیف برداشت کی تھیں اور بہت عرصے سے وہ دہلی میں سب سے علیحدہ رہتے تھے، خدا پر بھروسہ کرتے تھے اور تجریدی زندگی بسر کرتے تھے۔

دونوں مصنفوں نے "خیلے زحمتہا کشیدہ" کا مطلب غلط سمجھا ہے۔ جہانگیر نے یہ جملہ اخبار الاخیار کی تصنیف میں شیخ محدثؒ کی محنت، تلاش اور تحقیق کے متعلق لکھا ہے۔ ایلیٹ اور روجرس نے اس کو دوسرے جملے کے ساتھ ملا کر اس کا مطلب یہ کر دیا کہ شیخ نے دہلی میں اپنا وقت سخت تکلیف

---

۱ Elliot and Dowson's History of India Vol VI p 366.

کس قدر جرأت اور دیدہ دلیری کی بات ہے کہ یہی ایلیٹ، تاریخ حقی کے اقتباس کے سلسلہ میں جب شیخ عبدالحق محدثؒ کا ذکر کرتا ہے تو ان کو ابن الوقت یا زمانہ ساز بزرگ (Time-Serving saint) لکھتا ہے (جلد ششم ص ۱۷۸) شیخ محدثؒ کی پوری زندگی اس جملہ کی تردید کرتی ہے۔ اگر ایلیٹ شیخ کے حالاتِ زندگی سرسری نظر سے مطالعہ کرنے کی زحمت گوارا کرتا تو اس کو یہ بات لکھتے ہوئے شرم محسوس ہونے لگتی:

۲ English Translation by Alexander Rogers, Vol II p. 111.

اور مصیبت میں گزارا تھا۔

جہانگیر نے شیخ محدثؒ کی وضع توکل سے متاثر ہو کر ایک گاؤں[1] بگروالا جاگیر کے طور پر پیش کیا، شیخ نے اس کے قبول کرنے سے انکار کیا۔ بادشاہ کے اصرار پر آپ نے مجبوراً قبول کر لیا۔ آخری زمانہ میں جہانگیر کے تعلقات شیخ محدثؒ سے خراب ہو گئے تھے۔ دارا شکوہ کا بیان ہے:

روزے کہ جہانگیر بادشاہ در کشمیر بودند بعضے مردمان سخنان غیر واقع از طرف شیخ عبدالحق دہلوی کہ امام محدثان وقت اند و مرزا حسام الدین کہ از مریدان باکمال شیخ احمد سرہندی بودند بعرض بادشاہ رسانیدند۔[2]

جس زمانہ میں جہانگیر بادشاہ کشمیر میں تھے، کچھ لوگوں نے شیخ عبدالحق دہلوی (جو محدثان وقت کے امام ہیں) اور مرزا حسام الدین (جو شیخ احمد سرہندی کے مریدان باکمال میں ہیں) کے متعلق بے سروپا باتیں بادشاہ کے کانوں میں ڈال دیں۔

جہانگیر نے دونوں کو کشمیر بلوایا۔ شیخ نور الحقؒ کو حکم ہوا کہ کابل چلے جائیں۔ شیخ محدثؒ جب لاہور پہنچے تو سخت تنگ دل اور پریشان تھے۔ حضرت میاں میر صاحبؒ نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ پیرانہ سالی میں وطن سے اور بچوں سے جدا ہونے کا بڑا خیال ہے۔ شیخ ابھی کشمیر نہ پہنچے تھے کہ جہانگیر کا انتقال ہو گیا اور وہ اپنے بیٹے کے ساتھ دہلی واپس آ گئے۔

---

[1] مصنف مرآۃ الحقائق لکھتے ہیں: ”دہلی سے نو کوس بگوشہ غرب و جنوب قریب سڑک پختہ رونڈہ حنڈوی بھوانی کے واقع ہے۔ رقبہ اس کا سات ہزار بیگہ سے جس سے خام ہے اور اڑتیس چاہات پختہ واقع ہیں جب اس کی اس وقت کثیر تھی۔ چنانچہ جس تحریری آمدنی سالانہ اپنی حصہ ششم کی از روئے بٹائی (کہ جو بٹائی نصف اسامی مشہور ہے) ایک ہزار روپیہ کی ہوتی تھی لیکن اب بموجب بندوبست انگریزی قریب دو ہزار روپے کے رہ گئی ہے۔ تقسیم اس کی مدت سے چھتیس چاہ پر باستر سانٹ بابی چھ حصص پر ہے یعنی حصہ میں چھ چاہ و آدھی دو چاہ کی شاملاتی ہر شش حصہ داراں ہے۔ انہی دو چاہ سے آب نوشی بھی سکنائے دیہہ کی ہوتی ہے۔ یہ گاؤں اب تک ہم لوگوں یعنی اولاد در اولاد حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے قبض و تصرف میں چلا آتا ہے اور بہت کچھ انقلابات ہوئے اور دیہات حوالی گرد و نواح اس کے ضبط ہو گئے مگر یہ بدستور معفو رہا ہے۔“ ص ۸۹

[2] سکینۃ الاولیاء (قلمی نسخہ) ص ۶۴-۶۵۔

جیسا کہ دارا شکوہ نے خود لکھ دیا ہے یہ محض بہتان تھا۔ ورنہ شیخ محدث کا مسلک تو یہ تھا ؎

رموز مصلحت ملک خسرواں دانند　　گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

دارا شکوہ نے "سخنانِ غیر واقع" کی وضاحت نہ کر کے شیخ محدثؒ کی زندگی کے اہم حادثہ کی صحیح نوعیت کو سمجھنے میں بڑی دشواری پیدا کر دی ہے۔ مراۃ الحقائق میں لکھا ہے کہ نورجہاں اور شیخ محدثؒ کے تعلقات اچھے نہ تھے۔ ممکن ہے کہ نورجہاں ہی ان "سخنان غیر واقع" کی ذمہ دار ہو۔ مشہور ہے کہ ایک بار نورجہاں نے شیخ محدثؒ کو بلایا۔ شیخ نے جواب میں کہلا بھیجا: "فقیر کا بادشاہوں یا بیگمات کے پاس کچھ کام نہیں ہے۔ فقیر کے لائق جو امر ہو کہلا بھیجے کہ اس کے انجام میں حتی الامکان دریغ نہ ہو گا"[1]

باب سیزدہم (۱۳)

وصال

۲۱۔ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ کو یہ آفتاب علم جس نے چورانوے[1] سال تک فضلائے ہند کو اپنی ضوفشانی سے منور رکھا تھا غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۰

وصیت نامہ میں لکھا تھا:۔

"دعا و تمنائے فقیر از درگاہ الٰہی است اللھم ارزقنی شہادۃ فی سبیلک واجعل موتی ببلد رسولک اگر ایں دعا قبول افتد ہیچ حاجت بوصیت نیست، واگر در ینجا اجل رسید بالائے حوض شمسی کہ جائے پاکاں و مغفوران است دفن کنند"

چنانچہ ان کے جسد خاکی کو حوض شمسی کے کنارے ہی سپرد خاک کیا گیا۔ وصیت نامہ میں قبر کے متعلق یہ ہدایات تھیں

"قبر وسیع بکنند۔ تجاوز از حد اعتدال و درون قبر گچ نکنند۔ و دیوار لحد او بخشت خام برآرند و بدیوار ایں طاق بسازند و شجرۂ پیراں دراں نہند"

اس کے بعد لکھا تھا کہ شیخ سیف الدین کے کفن پر جو عبارت لکھی گئی تھی وہ قبر پر جلی حروف میں کھود دی جائے۔ اور

"اگر مصلحت دانند لوحے قائم کنند کہ در وے تاریخ ولادت و فوت با بعضے از احوال تحصیل و سفر و اوقات آنرا باختصار نوشتہ بکنند۔

وصیت کے مطابق شیخ نور الحق نے نماز جنازہ پڑھائی اور مزار پر یہ کتبہ نصب کرایا:۔

---

[1] خافی خاں نے غلط لکھا ہے کہ "زیادہ از صد سال مراحل عمر طے نمودہ" ص ۲۳۰۔

"مجملے از احوال کرامت منوال ایں شیخ وقت مقتدائے زماں صاحب المفاخر ابو المجد
عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ آنکہ از مبادی شعور بطاعت حق و طلب علم کمربستہ
نزدیک باوان بلوغ اکثر علوم دینی تحصیل کرد و در سن بست و دو سالگی از ہمہ آں فارغ
شدہ و کلام مجید از بر گرفتہ بر مسند افادہ نشست۔ و ہم در عنفوان جوانی بجاذبۂ الٰہی در رسید بیکبار
دل از یار و دیار برکندہ متوجہ حرمین محترمین گشت۔ مدتے مدید بآں مقامات شریفہ اقامت
ورزیدہ باقطاب زماں و اولیائے کبار صحبتہا داشتہ بودائع ارجمند و رخصت ارشاد طالبان
اختصاص یافت۔ و علاوہ آں تکمیل فن حدیث نمودہ با برکات فراواں بوطن مالوف مراجعت
فرمود۔ و مدت پنجاہ و دو سال بجمعیت ظاہر و باطن تمکن یافتہ تکمیل فرزندان و طالبان
بجا آورد۔ و بنشر علوم سیما بعلم شریف حدیث پرداختہ بنہجیکہ در دیار عجم احدے را از
علمائے متقدمین و متاخرین دست ندادہ است۔ ممتاز و مستثنیٰ گردید۔ و در فنون علمیہ
خاصۃً فن حدیث کتب معتبرہ تصنیف کرد۔ چنانکہ علمائے زماں اعتنا بآں ورزیدہ
دستور العمل خود دارند۔ و اہل دانش از خواص و عوام بجان خریداری می نمایند تصانیف
ایں فیاض والا گہر از صغیر و کبیر بصد مجلد و بحسب شمار ابیات بپانصد ہزار رسیدہ است
در محرم ۹۵۸ھ ایں نور اتم پرتو ظہور بعالم عنصری داد۔ و در ۱۰۵۲ھ بتمام آگہی کشادہ
پیشانی بعالم قدس خرامید۔ تاریخ ولادت شیخ اولیا ۹۵۸ھ۔ و تاریخ رحلت فخر عالم ۱۰۵۲ھ
است"

لوح مزار کی یہ عبارت اس قدر جامع اور مکمل ہے کہ بہت سے مصنفین نے شیخ محدث
کے حالات میں صرف اسی کو نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ مولوی انوار الحق نے اس عبارت
کو کتاب المکاتیب والرسائل کے ساتھ طبع کرا دیا ہے۔

مراۃ الحقائق میں مقبرے کے متعلق لکھا ہے:

"ایسا سنا ہے کہ نواب مہابت خاں سپہ سالار عہد شاہجہاں نے حضرت کی حیات میں

کنارہ حوضِ شمسی پر بنوایا تھا۔ نواب مرحوم کو حضرت سے عقیدت مفرط تھی۔ معماریا مہتمم نے حضرت شیخ سے جب اطلاع کی کہ حضرت مقبرہ تیار ہے۔ فرمایا کہ ہم بھی تیار ہیں"[1] سرسید نے آثار الصنادید میں لکھا ہے کہ یہ مقبرہ وفات کے بعد تیار ہوا۔ میرے خیال میں سرسید کی رائے صحیح ہے۔ صاحب کا انتقال شیخ محدث کے وصال سے آٹھ سال قبل ہو گیا تھا۔

---

[1] مراۃ الحقائق۔ ص ۹۲۔

بابِ چہاردہم

شیخ محدثؒ کا مکان، مدرسہ اور کتب خانہ

دہلی دروازہ سے آگے، باغ مہدیاں کے قریب شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا مکان، خانقاہ اور مسجد واقع تھی۔ خانقاہ کی طرف خود انہوں نے مشکوٰۃ شریف کی شرح میں اس طرح اشارہ کیا ہے:-

تَمَّ فی الخانقاہِ القادری وھٰذا الفقیر یخدم ویکنسہٗ ویوقدُ سراجہٗ کانّما تمّ فی مجلسٍ واحدٍ۔

(یہ کتاب خانقاہ قادریہ میں ختم ہوئی جس کی خدمت یہ فقیر کرتا ہے اور اس میں جھاڑو دیتا ہے اور وہاں کا چراغ روشن کرتا ہے۔ گویا کہ یہ کتاب ایک جلسہ میں تمام ہوئی)

شیخ کی خانقاہ کا کچھ حصہ انیسویں صدی کے آخر تک موجود تھا۔ منشی برکت علی حقی مصنف مراۃ الحقائق نے اس کی زیارت کی تھی۔ مسجد کی اس زمانہ میں مرمت کرائی گئی تھی۔

شیخ محدث کے مکانات کی زمین کی پیمائش اُن کے خاندان کے لوگوں نے کرائی تھی۔ کل رقبہ چھ بیگہ اور چند بسوہ تھا۔ شیخ کے خاندان کے لوگ ہی اس پر قابض تھے۔

شیخ محدثؒ نے جس مدرسہ میں تعلیم پائی تھی اور جس کی نسبت اخبارالاخیار میں لکھا ہے۔

"ہر روز با وجود غلبہ برودت ہوائے زمستان و شدت حرارت تابستان دوبار بمدرسہ دہلی کہ از منزل ما بعد دو میل داشت با خود میل میکردیم۔ و مدتے پیشتر از وقت صبح بمدرسہ می رسیدیم و در سایہ چراغ جزو می کشیدیم۔"

پرانے قلعہ کے قریب واقع تھا۔ مراۃ الحقائق میں اس کے متعلق لکھا ہے۔

یہ مدرسہ عمارت پختہ دو منزلہ مع مسجد مقابل قلعہ کہنہ لب سڑک دہلی و آگرہ واقع ہے یعنی
دروازہ قلعہ کا بجانب غرب ہے اور اس مدرسہ کا بسمت شرق ہے۔ یہ مکان مدرسہ اب
تک اپنی ہیئت پر بدستور قائم ہے۔ سامنے دروازے سے مسجد اس کی نظر آتی ہے۔ اور گرد
صحن کے ہر چہار طرف مکانات بنے ہوئے ہیں۔ اور اس سے بھی زیادہ ترجیح یہ ہے کہ
بسمت دکھن جو دیوار مکانات بالائی کی ہے۔ اس میں چند دروازے باہر کی طرف ہیں
منجملہ اُن کے کوئی دروازہ پتھر اور چونے سے مسدود شدہ ہے اور کوئی بدستور کشادہ
ہو کر ہیئت پول سے جانے والوں کو دور سے دکھائی دیتی ہے اور جانب شمال متصل
اس مدرسہ کے ایک ایسا ہی مکان عظیم الشان اسی زمانہ کا بنا ہوا ہے اور اس کے دروازہ
صدر پر سنگ سرخ لگا ہوا ہے۔[1]

ایک ایسے دور میں جبکہ پبلک کتب خانے وجود میں نہیں آئے تھے ہر تصنیفی کام کرنے والے کے لیے ناگزیر تھا کہ وہ ایک ذاتی کتب خانہ جمع کرے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ؒ نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ تصنیف و تالیف میں بسر کر دیا۔ اس نصف صدی میں اُنھوں نے عرب و عجم کے علمی خزانے اپنے کتب خانہ میں سمیٹ لیے تھے۔ ان کی تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر فن پر اُن کے پاس معیاری کتابوں کا اچھا ذخیرہ تھا۔ شرح سفر السعادت لکھنے بیٹھے تو حدیث، تفسیر و فقہ کی کتابوں کا ڈھیر سامنے تھا۔ اخبار الاخیار مرتب کرنے لگے تو اسلامی ہند کا سارا مذہبی لٹریچر پیش نظر تھا۔ حجاز میں قیام کے دوران میں انھوں نے کثیر تعداد میں کتابیں حاصل کی تھیں۔ اس طرح ان کا کتب خانہ ہندوستان کے نہایت ہی بیش قیمت علمی ذخیروں میں تھا۔ شیخ محدث ؒ کے کتب خانے کی جو کتاب بھی خاکسار کے نظر پڑی ہے اس پر شیخ کے دست مبارک سے تصحیح و مقابلہ کے نشانات ضرور ملے ہیں۔ اس سے ان کے کتب خانہ کی افادیت اور علمی حیثیت بہت بڑھ جاتی ہے۔ شیخ کا یہ کتب خانہ ان کے وصال کے بعد عرصہ تک صحیح حالت میں رہا۔ اُن کے فرزند

[1] مراۃ الحقائق - ص ۱۰۳

شیخ نور الحق تک اور پھر ان کی اولاد علمی ذوق رکھتی تھی ۔ اس طرح اس کتب خانہ کی نگرانی و نگہداشت ہوتی رہی ۔ اٹھارہویں صدی میں جب دہلی کی سیاسی فضا بدلی اور مرہٹوں ، سکھوں اور جاٹوں نے مسلسل ہنگامہ آرائی پر کمر باندھ لی تو معنوی دولت کے یہ خزانے بھی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکے ۔ شیخ محدث ؒ کی روح ان ہنگاموں کو دیکھ رہی تھی اور جس کتب خانہ کو نصف صدی کی جگر سوزی کے بعد جمع کیا تھا اُس کی تباہی کو دیکھ کر بے اختیار زبانِ حال سے کہہ رہی تھی ؎

اس دور میں ہر اک پہ چرخِ کہن لُٹا
اوروں کا زر لٹا مرا نقدِ سخن لُٹا

شیخ نور الحق کے پوتے شیخ الاسلام ؒ شرح بخاری کی دوسری جلد کے خاتمہ پر شیخ محدث ؒ کے کتب خانہ کی بربادی کا حال اس طرح لکھتے ہیں :-

"تمام شد ..... در ہنگام شکستہ بال و پریشانی حال از نہب و غارت خانہ در حملہ شہر کہنہ دہلی کہ باستیلاء کفار عتاۃ باتفاق طغاۃ و لمغاۃ واقع شد و ذہاب کتب خانہ قدیمہ و جدیدہ کہ بسیار ازاں دریں دیار کمیاب بود و بعضے ازاں بہ تصحیح و تحشیہ و تدریس شیخ المحدثین شیخ اجل محقق دہلوی بود رحمۃ اللہ علیہ ..... نماند در خانہ مگر چند کتب در گوشہائے شکستہ افتادہ"

حصّۂ دوم

تصانیف

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے پورا نوّے سال کی عمر پائی۔ اس عمر کا بیشتر حصہ تصنیف و تالیف میں بسر ہوا جس جوش و خروش سے انھوں نے جوانی میں کام شروع کیا تھا اسی جذبے اور ہمت کے ساتھ آخر عمر تک انجام دیتے رہے۔ عبدالحمید لاہوری کا بیان ہے:

"با آنکہ عقود دہ گانہ اش بتسعین پیوستہ است از سلامت قویٰ بانواع طاعات و ریاضات و تعلیم و تالیف و تصحیح بساں ایام شباب می پرداخت[1]"

اُن کی تصانیف کی تعداد عبدالحمید لاہوریؒ، محمد صالح کنبوہ[2] اور خافی خاں نے سو یا سو سے کچھ زیادہ بتائی ہے۔ اس اندازہ میں مورخین نے غلطی کی ہے۔ اُنھوں نے وہ مضامین و رسائل بھی علیحدہ کتاب تصور کر لیے ہیں جو حقیقت میں ایک ہی کتاب کا جز ہیں۔

شیخ محدثؒ نے اپنی تصانیف کی فہرست خود ایک رسالہ میں جس کا نام تالیف قلب الالیف بذکر فہرس التوالیف ہے دی ہے۔ یہ فہرست جس وقت مرتب کی گئی تھی اس وقت تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری تھا۔ چنانچہ اسی فہرست کے اختتام پر فرماتے ہیں:

"ہنوز سلسلۂ سخن دراز است و در فیض الٰہی باز تا بکجا رسد و بکجا رساند"

اس فہرست میں ۴۹ کتابوں کے نام درج ہیں۔ ان میں ایک کتاب یعنی المکاتیب و الرسائل میں ۶۰ رسائل شامل ہیں۔ اگر اس میں سے ہر رسالہ کو الگ تصنیف مانا جائے (جیسا کہ عبدالحمید لاہوری اور محمد صالح کنبوہ نے کیا ہے) تو تصانیف کی تعداد ۱۰۶ ہو جاتی ہے لیکن میرے خیال میں ان رسائل کو ایک ہی کتاب سمجھنا چاہیے، جیسا کہ خود شیخ نے بھی ہدایت فرمائی ہے:

"ایں ہمہ را یک صحیفہ سازند و در یک جلد شیرازہ بہ بندند"

فہرس التوالیف کو مرتب کرنے کے بعد شیخ محدثؒ نے گیارہ کتابیں اور تصنیف فرمائی

[1] بادشاہ نامہ حصہ دوم ص ۲۴۲-۲۴۱ [2] "و در فنون دانش یک صد و کسرے از تصانیف مختصر و مطول دارد" بادشاہ نامہ۔ [3] "و یک صد و چند کتاب از تصانیف مختصر و مطول بر صفحۂ روزگار گذاشتہ" شاہجہاں نامہ ج ۳ ص ۳۸۳ "صد کتاب از ہمہ علوم عقلی و نقلی تالیف فرمودہ" منتخب اللباب ج ۱ ص ۲۳۰۔

تھیں۔ اس طرح اُن کی کل تصانیف کی تعداد ساٹھ ہوتی ہے۔ ان تصانیف کے موضوع مختلف ہیں، لیکن مقصد ایک ہے ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار
بگذارند و سر طرۂ یارے گیرند

جیسا کہ خود انھوں نے کتاب الرسائل میں کہا ہے وہ اس بات پر مامور تھے کہ سوائے سنت و شریعت کے کسی موضوع پر گفتگو نہ کریں، چنانچہ ان کی تمام ادبی کاوشوں کا مرکز و محور شریعت و سنت ہی ہے۔

شیخ محدثؒ کی تصانیف فن و موضوع کے اعتبار سے مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت آتی ہیں۔

(۱) تفسیر
(۲) تجوید
(۳) حدیث
(۴) عقائد
(۵) فقہ
(۶) تصوف
(۷) اخلاق
(۸) اعمال
(۹) فلسفہ و منطق
(۱۰) تاریخ
(۱۱) سیر
(۱۲) نحو
(۱۳) ذاتی حالات
(۱۴) خطبات
(۱۵) مکاتیب
(۱۶) اشعار

جب اس چیز پر غور کیا جاتا ہے کہ ایک ہی قلم سے یہ مختلف النوع تصانیف نکلی ہیں اور ان سب کا علمی معیار نہایت اعلیٰ ہے تو شیخ محدثؒ کے علمی تبحر کا غیر فانی نقش دل پر قائم ہو جاتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ؎

یک چراغ ست دریں خانہ کہ از پرتوِ آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

باب اوّل

تفسیر

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی تین تصانیف اس عنوان کے ماتحت آتی ہیں۔

(۱) تعلیق الحاوی علیٰ تفسیر البیضاوی۔

(۲) شرح صدور تفسیر آیت النور۔

(۳) تحصیل الغنائم والبرکات بہ تفسیر سورۃ والعادیات۔

تفسیر کے سلسلہ میں شیخ محدثؒ کا عقیدہ راسخ یہ تھا کہ فلسفیانہ موشگافیوں سے کلی طور پر پرہیز کرنا چاہیے۔ وضعیت سے کلام ربانی کی تاثیر کم ہوجاتی ہے۔ قرآن براہِ راست انسان کے مذہبی وجدان وشعور کو آواز دیتا ہے۔ چنانچہ صحیح تفسیر وہی ہے جو انسان کے ہوش وگوش کو اس آواز کے سننے کے لیے آمادہ کردے۔

علامہ عبداللہ بن عمر البیضاویؒ (المتوفی ۱۲۹۱ء) کی مشہور تفسیر انوار التنزیل و الاسرار التاویل کو عموماً بہت معتبر سمجھا جاتا ہے۔ شیخ محدثؒ کی نظر میں اس کی بہت سی خامیاں تھیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

"بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ در تفسیر قرآن وشرح احادیث ازیں باب قباحتہا بسیار کردہ تجاوز اللہ عنہ واگر آں مواضع را بشمارم سخن دراز گردد" (نکات الحق)

ایک مشہور مستشرق نالڈیکی (Noldeke Nr.) نے بھی اس تفسیر کے متعلق تقریباً اسی طرح کی رائے ظاہر کی ہے [1]

[1] ملاحظہ ہو Ency. of Islam جلد اول ص ۵۹۱

تعلیق الحاوی علی تفسیر البیضاوی۔ تفسیر بیضاوی کے کچھ حصہ پر حاشیہ ہے۔ شیخ محدثؒ کا مقصد اس حاشیہ سے یہی تھا کہ تفسیر بیضاوی کے موثر و معتبر اجزا کو ابھار دیا جائے اور دور از کار اور مشکل مباحث کو علیحدہ کر دیا جائے، تاکہ اس کی افادیت بڑھ جائے۔ اس حاشیہ کا کوئی نسخہ اب موجود نہیں ہے۔

شرح صدور تفسیر آیت النور۔ آیت نور السموات والارض کی تفسیر تھی جو ایک ہزار سے کچھ زائد سطروں پر پھیلی ہوئی تھی۔ اس کا قلمی نسخہ مولوی انوار الحق مرحوم دہلویؒ[1] کے کتب خانہ میں ۱۹۰۲ء تک موجود تھا۔

تحصیل الغنایم والبرکات بتفسیر سورۃ والعادیات۔ سورۂ والعادیات کے برکات وغنائم پر ڈھائی صفحہ کا مختصر نوٹ ہے جو المکاتیب والرسائل میں شامل ہے۔[2]

---

[1] خان بہادر مولوی انوار الحق حقی، شیخ عبد الحق محدثؒ کی اولاد امجاد سے تھے۔ دہلی میں تراہہ بہرام خاں میں رہتے تھے۔ شیخ محدثؒ کی قلمی اور مطبوعہ کتب کا بیش بہا ذخیرہ اُن کے پاس تھا۔ مراۃ الحقائق کے مصنف کو ان کے کتب خانہ سے بڑی مدد ملی تھی۔ المکاتیب والرسائل کو مولوی انوار الحق ہی نے مطبع مجتبائی دہلی سے شائع کیا تھا۔

معلوم نہیں کہ مولوی انوار الحق مرحوم کے کتب خانہ کا کیا حال ہوا، اور اب یہ جواہر پارے کہاں اور کس حال میں ہیں!

[2] کتاب المکاتیب - ص ۲۸۳-۲۸۶۔

بابِ دوم (۲)

تجوید

شیخ عبدالحق محدثؒ نے شیخ عبدالوہاب متقیؒ سے علم قرأت سیکھا تھا۔ شیخ عبدالوہابؒ علم قرأت کے ماہر اُستاد تھے۔ اُنھوں نے شیخ دہلوی میں بھی اس فن سے ایسی دلچسپی پیدا کردی کہ اُنھوں نے ایک کتاب درۃ الفرید فی قواعد التجوید[1] اسی موضوع پر تصنیف فرمائی۔ یہ کتاب اب نایاب ہے اور ہندوستان کے کسی کتب خانہ میں اس کے قلمی نسخے کا پتہ نہیں چلتا۔ اسی عنوان کے ماتحت شیخ محدثؒ کی اور تصنیف شرح القصیدۃ الجزریہ ملتی ہے۔ اس کا ایک خوشخط نسخہ ۱۳۰۱ھ کا لکھا ہوا اسلامیہ کالج پشاور کے کتب خانہ میں موجود ہے۔[2]

---

[1] درۃ الفرید نام سے ہی حافظ طاہر اصفہانی کی اس فن پر ایک مشہور تصنیف ہے۔ اس کا ایک نسخہ جو رمضان ۹۶۹ھ میں لکھا گیا ہے، خاکسار کے پاس ہے۔

[2] لباب المعارف العلمیہ۔ کتاب نمبر ۱۰۹۲۔

باب سوم (۳)

حدیث

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی علمی خدمات کا خاص پہلو علم الحدیث کی ترویج واشاعت سے متعلق ہے۔ اس ضمن میں اُن کی بیش بہا خدمات پر آگے بحث کی جائیگی۔ یہاں صرف اُن کی تصانیف کا ذکر مقصود ہے۔ حدیث اور علم حدیث پر شیخ محدثؒ کی مندرجہ ذیل تصانیف ہیں:-

(۱) اشعة اللمعات فی شرح المشکوٰة

(۲) لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰة المصابیح۔

(۳) ترجمة الاحادیث الاربعین فی نصیحة الملوک والسلاطین

(۴) جامع البرکات منتخب شرح المشکوٰة

(۵) جمع الاحادیث الاربعین فی ابواب علوم الدین

(۶) رسالہ اقسام الحدیث

(۷) رسالہ شب برات

(۸) ما ثبت بالسنة فی ایام السنة

(۹) الاکمال فی اسماء الرجال

(۱۰) شرح سفر السعادت

(۱۱) اسماء الرجال والرواة المذکورین فی کتاب المشکوٰة

(۱۲) تحقیق الاشارة فی تعمیم البشارة

(ترجمہ مکتوب النبی الاعلی فی تعزیۃ ولد معاذ بن جبل۔)

اشعۃ اللمعات فی شرح المشکوٰۃ

فارسی زبان میں مشکوٰۃ کی نہایت جامع اور مکمل شرح ہے۔ شیخ محدث نے یہ عظیم الشان کام ۱۰۱۹ھ / ۱۶۱۰ء میں دہلی میں شروع کیا تھا، ۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء میں چھ سال کی محنت کے بعد مکمل کیا۔ کتاب کے خاتمہ پر لکھتے ہیں:

> الکتاب شکر اللہ سعیہ واتم علیہ نعمہ وقع انفراغ من جمیع الاحادیث النبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اخر یوم الجمعۃ من رمضان عند رویۃ ہلال شوال سنۃ سبع وثلاثین وسبع مائۃ بحمد اللہ[1]

مشکوٰۃ کی شرح لکھنے کا خیال جن حالات میں پیدا ہوا اس کے متعلق خود فرماتے ہیں۔

> بعد از رجوع از حرمین شریفین زادہما اللہ تشریفاً وتعظیماً وحصول اجازت روایت حدیث از مشائخ آں دیار شریف چوں توفیق وتائید الٰہی تعالیٰ دستگیری کرد ودر خدمت ایں علم شریف در مقام استقامت بنشاند خواست کہ کتاب مشکوٰۃ المصابیح را کہ دریں روزگار بسمت تداول واشتہار موسوم است شرح کند واز فوائد آنچہ در کتب قوم دیدہ واز مشائخ وقت شنیدہ یا بخاطر فاتر رسیدہ بطالبان رساند[2]

اشعۃ اللمعات کی تکمیل میں حضرت شاہ ابو المعالیؒ کے تقاضوں اور دعاؤں کو بھی بڑا دخل تھا۔ ایک مرتبہ شیخ محدثؒ لاہور تشریف لے گئے تو فرمایا:

> "شرح مشکوٰۃ را تمام کنید ان شاء اللہ کتابے شود کہ اہل عالم ہمہ ازاں مستفید شوند"[3]

شاہ صاحب نے ساتھ ہی ساتھ یہ ہدایت بھی فرمائی کہ شرح میں موقع کی مناسبت سے جگہ بجگہ اشعار بھی لکھے جائیں جیسا کہ ملا حسین نے اپنی تفسیر میں کیا ہے۔ شیخ محدث نے عرض کیا کہ

۱؎ اشعۃ اللمعات، جلد چہارم، ص ۶۲۳ ۲؎ ایضاً جلد اول ص ۲ ۳؎ کتاب المکاتیب والرسائل ص ۳۰

"اس عبارت میں کتاب کی تکمیل کا سنہ ۳۷ ۷ درج ہے جو ظاہر ہے کسی طرح درست نہیں۔ یہ طباعت کی غلطی ہوگی" مصحح

دوسروں کے اشعار ان کو یاد نہیں ہیں۔ فرمایا:

"شمارا حاجت بہ شعر ہائے مردم نیست۔ انچہ شمارا باید از شما زاید۔ شمارا در ہیچ چیز بہیچ کس احتیاج نخواہد بود، ہمہ چیز حاصل است۔ ان شاء اللہ تعالیٰ" [۱]

اشعۃ اللمعات، چار جلدوں پر مشتمل ہے اور مطبع نول کشور سے شائع ہو چکی ہے۔ ان چار جلدوں میں مضامین کی ترتیب یہ ہے۔ پہلی جلد میں علم حدیث و محدثین پر انتالیس صفحات کا ایک مقدمہ ہے جس میں علم حدیث اور اقسام حدیث پر نہایت عالمانہ اور بصیرت افروز انداز میں تبصرہ کیا گیا ہے۔ اور امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام حنبلؒ، امام ابو داؤد سجستانیؒ، امام ترمذیؒ، امام نسائیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ، دارقطنی، بیہقی، رزین، نووی، ابن جوزی کے حالات مختصراً لکھے گئے ہیں۔ اس کی افادیت کے پیش نظر اس کو علیحدہ بھی شائع کیا گیا۔ [۲]

اس مقدمہ کے علاوہ پہلی جلد میں مشکوٰۃ کی مندرجہ ذیل پانچ کتابوں کا ترجمہ ہے:

(۱) کتاب الایمان (۲) کتاب العلم (۳) کتاب الطہارت
(۴) کتاب الصلوٰۃ (۵) کتاب الجنائز

دوسری جلد میں چھ کتابیں ہیں:

(۱) کتاب الزکوٰۃ (۲) کتاب الصوم (۳) کتاب فضائل القرآن
(۴) کتاب الدعوات (۵) کتاب اسماء اللہ تعالیٰ (۶) کتاب المناسک

تیسری جلد میں مندرجہ ذیل نو کتابیں ہیں۔

(۱) کتاب البیوع (۲) کتاب العتق (۳) کتاب الحدود
(۴) کتاب الامارت و القضاء (۵) کتاب الجہاد (۶) کتاب الصید و الذبائح
(۷) کتاب الاطعمہ (۸) کتاب اللباس (۹) کتاب الطب و الرقی

---

[۱] کتاب المکاتیب والرسائل۔ ص ۳۰۶-۳۰۷
[۲] ۱۳۰۳ھ میں مطبع اعظم جون پور سے شائع ہوا۔

چوتھی جلد میں دو کتابیں ہیں ۔۔

(۱) کتاب الآداب (۲) کتاب الفتن ۔

چاروں جلدیں ۲۶۵۵ صفحات پر مشتمل ہیں۔ ان ڈھائی ہزار صفحات میں شیخ محدثؒ نے مشکوٰۃ کی شرح کا حق پوری طرح ادا کر دیا ہے۔

اشعۃ اللمعات کے قلمی نسخے حبیب گنج (علی گڈھ)[1] اسلامیہ کالج پشاور،[2] ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ،[3] برٹش میوزیم،[4] بانکی پور،[5] مسلم یونیورسٹی علی گڈھ[6] اور دیگر کتب خانوں میں موجود ہیں۔ ان سب نسخوں میں حبیب گنج کا نسخہ سب سے زیادہ قدیم اور قابل قدر ہے۔ اس کے خاتمہ پر مصنف کے دست مبارک کی یہ عبارت ہے:۔

"تمام شد تسوید ایں کتاب عشیۂ یوم الاربعا بیست و چہارم ربیع الآخر سنہ ہزار و بیست و پنج از ہجرت سید المرسلین و خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و علی آلہ و اصحابہ و اتباعہ اجمعین و بود ابتداء تالیف سیزدہم ذی الحج سنہ یک ہزار و نوزدہ و بہ تحقیق در آمد درمیان مشاغل دیگر از تالیفات دیگر[7] کہ مجموع سہ سال و کسرے باشد و تمام شد در خانقاہ قادریہ در دہلی کہ ایں بندہ خدمت میکند او را و جاروب می کشدم می افروزد چراغ آں را۔ و بود ابتداء و ختم در یک مکان گویا در مجلس واحد تمام شد مقصود بیان توفیق الٰہی ست سبحانہ و اعطائے

---

[1] مقالات شروانی، ص ۲۲۵-۲۲۶ ۔ نیز رسالہ "معارف" اکتوبر ۱۹۲۳ء ص ۲۷۷ ۔

[2] نمبر ۲۱۵ ۔

[3] Catalogue of the Arabic and Persian Books and MSS in the Library of the Asiatic Society of Bengal, by Ashraf Ali p3.

[4] Catalogue of MSS in the British Museum, Vol I Rieu (1879) MS.No. 1107 Or

[5] نمبر ۱۱۹۳-۱۱۹۴ [6] سبحان اللہ کلیکشن ۲۹۷/۱۲ ، ۲۹۷/۱۲ ، ۲۹۷/۲ شیفتہ کلیکشن ۴/۱

[7] اسی زمانہ میں شرح فتوح الغیب اور دیگر رسائل کی تکمیل ہوئی۔

دے استقامت مرا تخصیص بے تعالیٰ بندہ مسکین را بسلامت وعافیت والحمد للہ اولاً

وآخراً وظاہراً و باطناً حررت ہذہ الاسطر علی ید مولفہ الفقیر الحقیر عبد الحق بن سیف الدین

القادری الدہلوی البخاری۔ ضحوہ یوم الجمعۃ ۱۰۴۹ھ الف وتسع واربعین وآخر دعوانا ان الحمد

للہ رب العالمین"

اس عبارت کی تحریر کے وقت شیخ محدث کا سن شریف اکیانوے برس کا تھا مگر بقول نواب حبیب

الرحمٰن خاں صاحب مرحوم "خط میں ہاتھ کی کمزوری یا نگاہ کے ضعف کا بال برابر اثر نہیں ہے"[1]

خاتمہ کتاب پر لکھا ہے:۔

"ترجمہ مشکوٰۃ شریف تصنیف حضرت شیخ عبد الحق قدس سرہ کہ در خاتمہ کتاب دستخط

حضرت شیخ درج است بہ ہدیہ یک ہزار و دو صد روپیہ گرفتہ"

یہ عبارت بھی کافی قدیم ہے۔ اس سے اس زمانہ میں شیخ محدثؒ کی تصانیف کی قدر و قیمت کا

اندازہ ہوتا ہے۔ حبیب گنج کے نسخہ کے بعد ایشیاٹک سوسائٹی اور اسلامیہ کالج کے نسخے بہت قابل

قدر ہیں۔ دونوں کا سنہ کتابت ۱۰۹۵ھ ہے یعنی مصنف کے تینتالیس سال بعد۔

لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح عربی زبان میں مشکوٰۃ کی شرح ہے۔ دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ فہرس التوالیف میں شیخ

محدثؒ نے سرفہرست اسی کا ذکر کیا ہے۔ شیخ محدث جب اشعۃ اللمعات کی تصنیف میں

مصروف تھے تو بعض مضامین ایسے پیش آئے جن کی تشریح کو فارسی میں مناسب نہ سمجھا

فارسی عوام کی زبان تھی بعض مباحث میں عوام کو شریک کرنا مصلحت کے خلاف تھا لہٰذا

جو باتیں فارسی میں قلم انداز کر دی تھیں وہ عربی میں بیان کر دیں۔ فرماتے ہیں:۔

"دراثنائے مطالعہ آں سخناں روئے نمود کہ درج آں در شرح فارسی مناسب نباشد وا ندرست

دادن آں سخناں را نیز گنجائش نبید۔ پس در شرح آں طلبان عربی نیز شروع نمودتا چند گاہ ہر دو شرح

---

[1] مقالات شروانی۔ ص ۲۳۶۔

فارسی وعربی مفا تسوید یافت، آخر چناں گشت کہ عربی چوں اسپ تازی بیشتر رفت وتمام شد و فارسی

در نیمہ راہ ماند چوں امر از نظر ثانی بر اں مقید شد و تبیض نمود و زمانے مدید بر اں گشت و مسودہ فارسی

حکم نسیاً منسیاً گرفت باز امر شد کہ فارسی نیز تمام گردد۔"[1]

۴۔ ۲۔ رجب ۱۰۲۵ھ کو شیخ محدث لمعات التنقیح سے فارغ ہوئے۔

لمعات میں لغوی و نحوی مشکلات اور فقہی مسائل کو نہایت عمدگی سے حل کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں احادیث سے فقہ حنفی کی تطبیق نہایت کامیابی کے ساتھ کی گئی ہے۔ خود فرماتے ہیں کہ اس شرح کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ حضرت امام شافعیؒ اصحاب الرائے میں سے ہیں اور حضرت امام اعظمؒ اصحاب ظواہر میں سے۔ لمعات کے شروع میں جو مقدمہ ہے وہ نہایت جامع اور مفید ہے اور مشکوٰۃ کے متن کے ساتھ اور علیحدہ شائع کیا گیا ہے[2]

لمعات التنقیح ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہے۔ اس کے قلمی نسخے بانکی پور[3]، رامپور[4]، حیدرآباد[5]، ایشیاٹک سوسائٹی[6]، دہلی[7] اور علی گڑھ[8] کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

جمع احادیث الاربعین فی ابواب علوم الدین میں چالیس ایسی احادیث جمع کی گئی	جمع الاحادیث الاربعین فی ابواب علوم الدین ۵ ترجمۃ الاحادیث الاربعین فی نصیحۃ الملوک والسلاطین

---

[1] اشعۃ اللمعات ج ۱۔ ص ۲ [2] مولانا احمد علی محدث سہارنپوری نے مشکوٰۃ کے ساتھ شائع کیا۔ اس کا ترجمہ شیخ الٰہی بخش بہاری اور خواجہ محمد علی فاضل سہارنپوری نے کیے تھے۔

[3] Catalogue of the Arabic & Persian Mss in the Oriental Public Library _ Ms No. 361

[4] نسخہ نمبر ۱۰۔ [5] فہرست کتب خانہ آصفیہ۔ نسخہ نمبر ۲۶۳

[6] نسخہ نمبر ۵۰ AG (فہرست مرتبہ مرزا اشرف علی)

[7] نسخہ نمبر ۱۷۱ Hand-Written Catalogue of Arabic Mss in the India Office.

[8] سبحان اللہ کلکشن۔ $\frac{۲۹۷/۲}{۱۹}$

ہیں جن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہوں کو ہدایات کی ہیں۔ ترجمۃ الاحادیث ہیں ان احادیث کا فارسی ترجمہ شاہ جہاں کے لیے کیا گیا ہے۔

جامع البرکات منتخب شرح المشکوٰۃ یہ شرح مشکوٰۃ کا دو جلدوں میں خلاصہ تھا۔ فہرس التوالیف میں اس کے متعلق فرماتے ہیں:

"مجموعہ ایست شامل فوائد کثیرہ و عوائد عزیزہ در ہر باب یک، دو متن حدیث ذکر کردہ و باقی احادیث بر مضامین آن اقتصار کردہ، و اختصار نمودہ شدہ است"

اس کے قلمی نسخے مولوی انوار الحق مرحوم دہلوی کے کتب خانہ میں موجود تھے۔

رسالہ اقسام حدیث عربی زبان میں علم حدیث پر مفید رسالہ تھا۔ فہرس التوالیف میں شیخ محدثؒ نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ مولوی انوار الحق مرحوم کے کتب خانہ میں اس کا قلمی نسخہ موجود تھا۔

رسالہ شب برات فارسی زبان میں تھا۔ فہرس التوالیف میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ گزشتہ صدی تک اس کا قلمی نسخہ شیخ محدثؒ کے خاندان میں موجود تھا۔

ما ثبت بالسنہ فی ایام السنۃ (عربی) اس کتاب میں ماہ محرم سے لے کر ماہ ذی الحجہ تک کے ان تمام مذہبی مناسک کا تفصیلی ذکر ہے جو حدیث سے ثابت ہیں۔ عاشورہ محرم کے بارے میں جو صحیح حدیثیں مروی ہیں اُن کو نقل کیا ہے اور محرم کے سلسلے میں جو توہمات ہیں اُن کی تردید کی گئی ہے۔ مثلاً یہ خیال کہ عاشورے کے دن سرمہ لگانے سے آنکھیں نہیں دکھتیں، یا عاشورے کے دن غسل کرنے والا کبھی بیمار نہیں ہوتا، لغو اور باطل ہے۔ اس کے بعد اُن تمام احادیث پر تنقید و تبصرہ کیا گیا ہے جو حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے متعلق ہیں۔ ماہ صفر کے سلسلے میں

اس خیال کی تردید کی ہے کہ یہ مہینہ نا مسعود ہے، شعبان، رمضان، شوال، ذی الحجہ کے سلسلہ میں روزہ، تراویح، عید الفطر، حج وغیرہ کے متعلق سب احادیث کو یکجا جمع کر دیا گیا ہے۔ ماہ ربیع الاول کے مذہبی مناسک کا جہاں ذکر ہے وہاں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر ایک مختصر نوٹ ہے۔ ربیع الثانی کی بحث میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا مختصر حال درج ہے۔

ماثبت بالسنہ کے قلمی نسخے بانکی پور[1]، رامپور[2]، دہلی[3] اور حیدرآباد[4] کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ ۱۲۵۳ھ میں یہ کتاب کلکتہ اور ۱۳۰۷ھ میں لاہور سے شائع ہوئی تھی۔ ۱۳۰۹ھ میں سبحان بخش شکارپوری نے دہلی سے اس کو مع ترجمہ شائع کیا تھا اور اعمال ماثورہ نام رکھا تھا۔

الاکمال فی اسماء الرجال (اور) اسماء الرجال والرواۃ المذکورین فی کتاب المشکوٰۃ

الاکمال فی اسماء الرجال کا ذکر ڈاکٹر زبید احمد نے شیخ محدث کی عربی تصانیف حدیث کے ضمن میں کیا ہے[5]۔ فہرس التوالیف میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اسماء الرجال پر شیخ کی مشہور تصنیف اسماء الرجال والرواۃ المذکورین فی کتاب المشکوٰۃ ہے۔ اس میں مشکوٰۃ کے سب راویان حدیث کے نام یکجا کر دیے گئے ہیں شروع میں خلفاء راشدین کا ایک طویل تذکرہ ہے۔ اس کے بعد اہل بیت کا حال ہے پھر راویان حدیث کے حالات حروف تہجی کی ترتیب سے لکھے گئے ہیں۔ اسماء الرجال پر ہندوستان میں عربی زبان میں اس سے قبل امام رضی الدین حسن الصغانیؒ صاحب مشارق الانوار نے ایک کتاب در السحابہ فی بیان مواضع وفیات الصحابہ لکھی تھی۔

اسماء الرجال والرواۃ المذکورین فی کتاب المشکوٰۃ کا ایک قلمی نسخہ بانکی پور کے

---

[1] نمبر ۳۰۴ سنہ کتابت ۱۲۹۶ھ ہے [2] تین نسخے ۳۲۰، ۳۱۹، ۳۱۸ - [3] نمبر ۲۷۰

[4] کتب خانہ آصفیہ، فہرست جلد اول، ص ۵۰، ۵۱

[5] The Contribution of India to Arabic Literature, p. 256

کتب خانہ میں موجود ہے۔ کتاب اب تک شائع نہیں ہوئی ہے۔

شرح سفر السعادت سفر السعادت، مولانا مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس کی تصنیف ہے۔ اس میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث جو عبادات، احوال و معاش سے متعلق ہیں جمع کی گئی ہیں۔

شیخ محدث نے اس کتاب کی احادیث کے پیشِ نظر اس کی شرح لکھنی شروع کی تھی لیکن ساتھ ہی ساتھ ایک اور خیال بھی ملحوظ خاطر تھا۔ مولانا فیروز آبادی بعض موقعوں پر حد اعتدال و جادۂ انصاف سے باہر چلے گئے تھے۔ اس لیے شیخ محدث نے ضروری سمجھا کہ ان تمام لغزشوں کی نشان دہی کر دی جائے۔ فرماتے ہیں۔

"... ولیکن چوں وے دریں باب بر مذہب اقحاح محدثین از اصحاب ظواہر رفتہ و در بسیارے از مواضع سخن در خلاف مذاہب مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین گفتہ و ادعائے فساد و بطلان مخالف مدعائے خود نمودہ .... در مبالغہ و افراط از حد اعتدال و جادۂ انصاف بیروں رفتہ است .... لازم طریقۂ انصاف و نصیحت نمودہ شرح آں کردن و حقیقت حال کشف نمودن"[1]

فہرس التوالیف میں لکھتے ہیں:

"مقصود وے (مولانا مجد الدین) دریں کتاب آنست کہ اعمال شریفہ حضرت نبویہ را از عبادات و عادات باحدیث اثبات کردہ و تصحیح نمودہ و برد و انکار ہرآنچہ مخالف آں از مذاہب اربعہ واقع شدہ تصریح کردہ است۔ پس در شرح تائید مذاہب اربعہ خصوصاً مذہب حنفی و معارضہ کلام مصنف و ادعائے صحت احادیث موافق مدعائے خود نمودہ رقم رد و بطلان برخلاف آں کشیدہ است، کردہ شد۔"

شرح سفر السعادت تین حصوں پر منقسم ہے، پہلے حصہ میں مولانا فیروز آبادی کی بیان کردہ احادیث پر محدثانہ انداز میں بحث کی گئی ہے اور ہر ایک حدیث کے اسناد و رجال کو

---

[1] شرح سفر السعادت۔ ص ۳۔

معلوم کیا گیا ہے۔ دوسرے حصّہ میں مجتہدین پر بحث ہے، خصوصیت کے ساتھ حنفی مذہب کے اصولوں کی حمایت کی گئی ہے۔ یہ کتاب کا خاص حصّہ ہے اور حقیقت میں سفر السعادت کی شرح لکھنے کا اصلی سبب بھی یہی ہے۔ تیسرے حصّہ میں شرعی احکام کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

جس وقت شیخ محدث نے یہ شرح لکھنی شروع کی تھی اس وقت خیال تھا کہ شاید زندگی وفا نہ کرے اور یہ کتاب نامکمل رہ جائے۔ اس لیے فرماتے ہیں :۔

"وصیت می کنم فرزند عزیز نور دیدہ دانش و بینش نور الحق را کہ رجوع ثانی و مقصود اولی من است

.... ایں مہم را صورت دہد" [۱]

ساتھ ہی احتیاطاً سب ماخذ کی فہرست بھی دے دیتے ہیں تاکہ شیخ نور الحق کو کتابوں کی تلاش میں دقت نہ ہو۔ جو کتابیں اس شرح کے لکھتے وقت شیخ محدث کے پیش نظر تھیں اُن کے نام یہ ہیں :۔

(۱) تفسیر کشاف	(۲) تفسیر بیضاوی	(۳) مدارک
(۴) جلالین	(۵) صحیح البخاری	(۶) کرمانی
(۷) فتح الباری	(۸) توشیح سیوطی	(۹) مشارق الانوار
(۱۰) صحیح مسلم	(۱۱) شرح امام نووی	(۱۲) موطائے امام محمد
(۱۳) جامع ترمذی	(۱۴) جامع الاصول	(۱۵) جمع الجوامع سیوطی
(۱۶) شمائل النبوی	(۱۷) مشکوٰۃ	(۱۸) طیبی
(۱۹) شرح ابن حجر	(۲۰) انوار فصل رابع مشکوٰۃ و مصابیح۔	
(۲۱) توربشتی	(۲۲) مشارق	(۲۳) مجمع البحار

[۱] ۱۰۳۳ھ میں یہ کتاب مکمل ہوئی۔ اس وقت شیخ کی عمر ۷۵ سال تھی

[۲] شرح سفر السعادت۔ ص ۲۔

(۲۴) نہایہ جزری (۲۵) مختصر نہایہ سیوطی (۲۶) مقاصد حسنہ سخاوی
(۲۷) تنزیہ الشریعہ ابن عراق (۲۸) والدر المنتثرہ فی الاحادیث المشتہرہ للسیوطی۔
(۲۹) تمییز الطیب من الخبیث فیما یدور علی الالسنۃ من الاحادیث لابن ربیع
(۳۰) شفائے قاضی عیاض (۳۱) مواہب لدنیہ (۳۲) صواعق محرقہ
(۳۳) روضۃ الاحباب (۳۴) سنن الہدیٰ (۳۵) اذکار نووی
(۳۶) عمل الیوم واللیلہ سیوطی (۳۷) حصن حصین جزری (۳۸) شرح اربعین ابن حجر
(۳۹) مختصر السیر طبری (۴۰) جامع الاصول (۴۱) تقریب
(۴۲) تہذیب (۴۳) مغلو (۴۴) شرح نخبۃ المصنف
(۴۵) شرح شمنی (۴۶) الفیہ عراقی (۴۷) شرح مصنف
(۴۸) سخاوی (۴۹) شیخ زکریا (۵۰) رسالہ مختصر طیبی
(۵۱) ہدایہ (۵۲) شرح ابن الہمام (۵۳) شرح وقایہ
(۵۴) شرح نقایہ شمنی (۵۵) زاد الفقیہ (۵۶) حاوی
(۵۷) رسالہ ابن ابی زید (۵۸) شرح زرکشی بر کتاب خرقی (۵۹) قراۃ شاطبی
(۶۰) اتقان سیوطی (۶۱) جوزۂ جزریہ (۶۲) قاموس
(۶۳) مہذب (۶۴) مغرب

اس طویل فہرست کے باوجود لکھتے ہیں:۔

"جز ایں مذکورات بعضے کتب و رسائل نیز شاید کہ در بعضے بنظر در آمدہ باشد"[1]

شرح سفر السعادت، ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۶ء میں کلکتہ سے ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء اور ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء میں لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی۔ قلمی نسخے انڈیا آفس[2]، حیدرآباد[3]، ایشیاٹک سوسائٹی[4]، کلکتہ مدرسہ[5]، پٹنہ[6] و

[1] شرح سفر السعادت ص ۳۔ [2] نمبر ۵۶ [3] نمبر ۲۸، ۲۹ [4] نمبر ۱۰۰۲
[5] نمبر ۱۱۰ [6] نمبر ۳۱۹۔

اور بانکی پور کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ بانکی پور کا نسخہ مصنف کے دست خاص کا لکھا ہوا ہے۔ اس کے خاتمہ پر یہ عبارت ہے:

"ثم انہ کان تسوید ہذا الکتاب بین الصلوٰتین من یوم الاثنین الرابع والعشرین من شہر جمادی الاولیٰ سنہ ست عشر والف والحمد للہ ثم تم انتساخ ہذہ النسخۃ ومقابلتہا علی ید مولفہ الفقیر الی اللہ عبدالحق بن سیف الدین بن سعد اللہ سحرۃ یوم الثلاثاء السابع العشر من جمادی الاخریٰ سنہ الف وثلاث وثلاثین من ہجرۃ سید الاولین و الآخرین" [1]

انڈیا آفس کا نسخہ خود مصنف کا تصحیح کیا ہے۔ حیدرآباد کا نسخہ ۱۰۸۰ھ/۱۶۷۰ء کا ہے۔ ایشیاٹک سوسائٹی کا ۱۱۰۰ھ کا۔ کلکتہ مدرسہ کا ۱۱۹۴ھ کا۔

مرزا مظہر جان جاناں کے پاس شرح سفر السعادت کا ایک ایسا نسخہ تھا جو مصنف کے درس میں رہ چکا تھا۔ مرزا صاحب کو یہ نسخہ بہت عزیز تھا۔ ایک دوست فریدالدین خاں نے عاریتاً مانگا تو بھیج دیا لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا:

"نسخہ شرح سفر السعادت موجود است اما میان او شما وعدہ آں نبود، ہرگاہ شما طلبیدید مستحق ترے از شما کیست، ازاں ہم حوالہ محمد عظیم کردیم۔ ایں نسخہ از درس مصنف گذشتہ و حواشی بدست مصنف دارد وخط شیخ عبدالحق را می شناسم، قدر آں را بدانید، و از آب تاب نگاہ دارید چنانچہ ہست" [2]

تحقیق الاشارہ فی تعمیم البشارہ	اس کتاب میں ان تمام احادیث کو جمع کیا گیا ہے جن میں کسی نہ کسی بزرگ کو جنت کی بشارت دی گئی

[1] نمبر ۱۱۸۶۔ [2] فہرست جلد ۱۲۔ ص ۳۷۔

[3] کلیات طیبات۔ ص ۶۶۔

ہے ۔ اس کا قلمی نسخہ دہلی کے ایک کتب خانہ[1] میں موجود ہے ۔

ترجمہ مکتوب النبی الاھل فی تعزیۃ ولد معاذ بن جبل رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مکتوب کا ترجمہ ہے جو حضور نے معاذ بن جبل کے نام لکھا تھا کتاب المکاتیب والرسائل[2] میں یہ دو صفحہ کا ترجمہ شائع ہو چکا ہے ۔

---

[1] Contribution of India to Arabic Literature p. 256

[2] ص ۲۸۶-۲۸۸ ۔

باب (۴) چہارم

عقائد

عقائد پر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی کتاب تکمیل الایمان وتقویۃ الایقان کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ اس کتاب میں شیخ نے عقائد اسلام اور قواعد ملت کو "بر طریق سنیۂ اہل سنت وجماعت" نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وجہ تصنیف اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"نوشتم آنرا برائے ہر مومن طالب وطالب صادق واقتصار کردم در وے بر اثبات مذہب حق وبیان قول صحیح وتعرض نکردم بذکر مذاہب زائفہ وایراد اقوال باطلہ وتقیم براہ بحث وجدال وطریقہ قیل وقال وتجرید کردم از دلائل کلامیہ وتدقیقات فلسفیہ تا قاری را در ورطۂ حیرت وتذبذب نیفگند"[1]

ویسے تو یہ کتاب کل ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے لیکن مضامین کے تنوع اور جامعیت کے اعتبار سے بہت بلند پایہ ہے۔ ایمان کی نوعیت، جبر واختیار، عذاب قبر، بعثت، معراج، شفاعت، جنت ودوزخ، توبہ، استمداد از قبور، معجزات، اہل بیت وغیرہ وغیرہ عنوانات پر صحیح مذہبی نقطۂ نظر کو نہایت وضاحت اور صفائی سے پیش کیا ہے۔ کتاب حجم میں کم ہے، لیکن افادیت میں بہت زیادہ ہے۔

تکمیل الایمان اپنے موضوع پر بہت جامع کتاب ہے، حجم میں مختصر اور سلجھی ہوئی زبان میں ہونے کی وجہ سے اس کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ اور متعدد بار طبع ہوئی۔ سنہ ۱۸۷۴ء میں میرٹھ نے اس کا اردو ترجمہ سبیل الجنان کے نام سے کانپور سے شائع کیا تھا۔ سنہ ۱۸۸۱ء میں

---

[1] ورقہ تکمیل الایمان - ص ۲.

دوسرا ایڈیشن طبع ہوا۔

تکمیل الایمان کے قلمی نسخے برٹش میوزیم[1]، حیدرآباد[2]، انڈیا آفس[3]، ایشیاٹک سوسائٹی[4]، بوڈلین لائبریری[5]، بانکی پور[6] وغیرہ میں موجود ہیں۔ بانکی پور میں ایک ایسا نسخہ بھی موجود ہے جس کی تصحیح خود مصنف نے کی ہے۔

---

[1] ۸۲۶ء (Rieu) [2] ۱۳۳۶ء

[3] ۲۵۸۳-۵ء (Ethe) [4] ۵۸۹ء ص ۹ (مرزا اشرف)

[5] ۱۶۸۹ء (Ethe) [6] ۱۲۸۳ء ۱۲۸۴ء

باب پنجم (۵)

فقہ

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی مندرجہ ذیل تصانیف اس عنوان کے ماتحت آتی ہیں:

(۱) فتح المنان فی تائید النعمان (۲) الفوائد

(۳) ھدایت الناسک الی طریق المناسک

فتح المنان فی تائید النعمان (عربی) فقہ حنفی کی تائید میں ہے۔ شیخ محدثؒ نے احادیث کو مختلف عنوانات کے ماتحت جمع کیا ہے۔ پھر چاروں ائمہ کے منضبط کیے ہوئے مسائل بیان کیے ہیں۔ آخر میں محاکمہ کیا ہے، ائمہ کے ماخذ اور منشاء پر بحث کی ہے اور امام اعظمؒ کے ماخذ کو دیگر ماخذ پر ترجیح دی ہے۔

فتح المنان فی تائید مذہب النعمان کا قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے[1]

شیخ محدثؒ کا ایک رسالہ الفوائد بھی فقہ اور عقائد سے متعلق ہے، اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ بانکی پور میں موجود ہے[2]۔

ہدایت الناسک الی طریق المناسک میں زیارت حرمین اور اعمال حج سے بحث کی گئی ہے

فہرس التوالیف میں اس کے متعلق فرماتے ہیں:

"رسالہ ایست مضبوط شیخ کہ زبدۂ مناسک حج و آداب زیارت بجہت سالکان

ایں راہ وقاصدان ایں درگاہ ذکر کردہ شد"

---

[1] نمبر ۱۳۲۰ (فن کلام نمبری ۶۷) کیوریٹر کتب خانہ آصفیہ سے کتاب کے متعلق تفصیلات دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کتاب میں نہ تو عنوانات کی فہرست ہے اور نہ سنہ کتابت [2] نمبر ۲۸۰۳ (المفتاح المکنوز)

باب ششم (۶)

تصوّف

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے تصوف پر جو بیش بہا ذخیرہ چھوڑا ہے، اس کی فہرست یہ ہے:

(۱) تنبیہ العارف بما وقع فی العوارف
(۲) تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف
(۳) شرح فتوح الغیب
(۴) ترجمہ غنیۃ الطالبین
(۵) انتخاب المثنوی للمولوی المعنوی
(۶) توصیل المرید الی المراد بہ بیان الاحزاب والاوراد
(۷) مرج البحرین فی الجمع بین الطریقین
(۸) نکات الحق والحقیقۃ من باب معارف الطریقۃ
(۹) جواب بعض کلمات شیخ احمد سرہندی
(۱۰) رسالہ وجودیہ

تنبیہ العارف بما وقع فی العوارف (عربی) یہ کتاب حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ایک ارشاد کی تائید اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے اس پر اعتراض کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا تھا:

قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ — میرا قدم ہر ایک ولی اللہ کی گردن پر ہے

شیخ سہروردی نے عوارف المعارف میں اس پر اعتراض کیا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت شیخ کا یہ فرمانا بہ حالت سُکر تھا۔ شیخ عبدالحق ؒ نے اس کا جواب دیا ہے اور کہا ہے کہ ان کا یہ فرمانا بہ حالت صحو تھا اور اُنھوں نے بحکم الٰہی مامور ہو کر یہ فرمایا تھا۔ اس رسالہ کا قلمی نسخہ ٹونک کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ فہرست میں نام یہ دیا ہوا ہے

"الرسالۃ فی بیان قول قدمی ھذا علی رقبۃ کل ولی اللہ" [۱]

تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف (عربی) فقہ اور تصوف یا شریعت اور طریقت میں تطبیق کی کوشش شیخ محدث ؒ کا ایک زبردست علمی کارنامہ ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے اسی قسم کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ مولوی انوارالحق حقی کے کتب خانہ میں موجود تھا [۲]

شرح فتوح الغیب فتوح الغیب، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ کے اڑتہتر وعظوں کا مجموعہ [۳] ہے۔ ان کی فصاحت، بلاغت اور تاثیر کا اعتراف انگلستان کے مشہور مستشرق مارگولیتھ نے بھی کیا ہے [۴]۔ اس میں مذہبی مسائل کو قرآن و حدیث کی روشنی میں تصوف کی چاشنی دے کر اس انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ شیخ محدث ؒ کا تو یہ خیال ہے کہ ــــــ

"در تحقیق مقامات دین و کمالات اہل یقین موافق لسان رسالت و زبان نبوت است چنانکہ شان معارف صدیقان است فرمودہ اند" [۵]

---

[۱] ... نمبر ۳۴۹۔ [۲] اخبار الاخیار میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ کا ذکر کرتے ہوئے شیخ محدث ؒ نے حضرت غوث الاعظم ؒ کے اس ارشاد کو پھر دوہرایا ہے (ص ۱۰)۔ میرے خیال میں شیخ محدث ؒ نے ہندوستان کے مشائخ اور علماء کے سلسلہ میں ان کا ذکر بھی اسی عقیدہ کے ماتحت کیا ہے۔

... تحفتہ الحق ص ۵۰ [۳] ۱۳۰۳ھ میں مصر سے شائع ہوئی۔

... ملاحظہ ہو Ency of Islam Vol I p. 4 4 2

... التوالیف (قلمی)

شیخ محدثؒ نے اس کی شرح نہایت ہی عالمانہ انداز میں لکھی ہے۔ شرح لکھنے کی داستان بھی بڑی دلچسپ ہے۔ شیخ محدث نے یہ کتاب شیخ عبدالوہاب متقیؒ کے پاس دیکھی تھی بلکہ شیخ متقی نے فرمایا تھا۔

"ایں را حاصل کنید و دست دراں زنید و براں باشید و ہر قدر کہ توانید براں عمل کنید وبدانید و آگاہ باشید کہ طریقۂ حضرات قادریہ در راہ روشن ایں سلسلہ علیہ اینست" [1]

مکہ معظمہ میں شیخ محدثؒ کو فتوح الغیب کا کوئی نسخہ دستیاب نہ ہو سکا۔ ہندوستان آئے تو قادریہ سلسلہ کے ایک بزرگ نے اس کا نسخہ عنایت فرمایا۔ شیخ محدث نے استاد کی ہدایت کے مطابق اس کو کافی غور سے پڑھا۔ فرماتے ہیں:

"بوصیت شیخ ذکرہ اسعد بالخیر آنرا گرفتم وبخواندم و ورد ساختم" [2]

اس کے بعد حضرت شاہ ابوالمعالی قادریؒ نے ترجمہ کرنے اور شرح لکھنے کا حکم دیا اور فرمایا۔

"ہمہ کارہا گذاشتہ ایں کار باید کرد" [3]

لیکن شیخ محدثؒ کو اس کام کے کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ لاہور گئے، وہاں بیس روز تک شاہ ابوالمعالیؒ کی خدمت میں رہنا ہوا۔ شاہ صاحب کی صحبت میں رہ کر اس کام کو انجام دینے کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ لکھتے ہیں:-

"ناگاہ حال دیگر گشت و ہمت در کار شد و فتح باب روئے نمود و بیم از دل مارفتہ امید بہم رسید و ہیبت فرو نشستہ انس پیدا آمد" [4]

سنہ ۱۰۲۳ھ میں اس شرح کی تکمیل ہوئی۔ مفتاح فتوح تاریخی نام رکھا گیا۔ خاتمہ پر ایک رباعی لکھی ہے ؎

ایں شرح کہ مفتاح فتوح الغیب است ... از غیب است ایں از آں بری از عیب است

[1] تا [4] شرح فتوح الغیب ص ۴۴۱۔

مفتاح فتوح نام و تاریخ افتاد   در خاطر آں کہ مظہر لاریب است[۱]

شیخ محدث کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے جو بے پناہ عقیدت تھی اس کا اظہار اس کتاب میں عجیب طریقے سے ہوا ہے۔ شیخؒ نے اس شرح کے شروع میں اپنا مقدمہ یا نام نہیں لکھا۔ اور یہ اس لیے کہ شیخ جیلانیؒ کی تصنیف کے شروع میں انھوں نے اپنی طرف سے کچھ لکھنا سوء ادب خیال کیا۔

"ذکر نام ایں حقیر خود چہ حد و مجال کہ دریں مقام تواں بُرد"[۲]

کتاب کے خاتمہ پر شارح نے ایک مختصر سا نوٹ لکھا ہے اور فتوح الغیب کے متعلق اپنی یہ رائے ظاہر کی ہے۔

"آنچہ دریں کتاب ازاں مودع است ہمہ بیان کتاب و سنت است"[۳]

شیخ محدث کی یہ شرح متن کے ساتھ ۱۲۸۳ھ میں لاہور سے شائع ہوئی تھی۔ ۱۲۹۰ھ میں مطبع نول کشور لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ قلمی نسخے بانکی پور[۴]، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال[۵] حیدرآباد[۶] اور یورپ کے متعدد کتب خانوں میں موجود ہیں۔

ترجمہ غُنیۃ الطالبین

غنیۃ الطالبین، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تصنیف ہے[۷]۔ اس میں مختلف دینی مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ منجملہ دیگر مباحث کے تہتر اسلامی فرقوں کی تفصیل بہت دلچسپ ہے۔ شیخ محدثؒ نے فارسی میں اس کا ترجمہ کیا تھا جو اب دستیاب نہیں ہوتا۔ مولوی عبدالحیی فرنگی محلیؒ نے اپنی بعض تصانیف میں اس ترجمہ کا حوالہ دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ ان کے پیش نظر تھا[۸]۔

---

۱ شرح فتوح الغیب ص ۳۳۳   ۲ و ۳ شرح فتوح الغیب ص ۳۲۰

۴ نمبر ۱۳۸۷   ۵ فہرست مرتبہ مرزا اشرف علی (ص ۶۰) نمبر

۶ آصفیہ کتب خانہ۔ فہرست جلد اول۔ ص ۳۸۰

۷ مصر ۱۲۸۸ھ

۸ ملاحظہ ہو مرآۃ الحقائق۔ ص ۱۲۵

انتخاب المثنوی المولوی المعنوی فہرس التوالیف میں شیخ محدث نے اس تصنیف کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس کی دو ہزار تین سو سطریں تھیں یہ کتاب اب موجود نہیں۔

توسیل المرید الی المراد بہ بیان الاحزاب و الاوراد فارسی زبان میں ہے۔ فہرس التوالیف میں اس کے مباحث کے متعلق فرماتے ہیں۔

"دربیان علوم وقواعد متعلقہ باوراد وادعیہ واحزاب وتوفیق میان مذہب محدثین و مشائخ کہ در تصحیح وتضعیف بعضے اعمال دریں باب اختلاف دارند"

۱۲۹۹ھ میں یہ رسالہ مطبع مفید عام آگرہ سے طبع ہوا تھا۔

مرج البحرین فی الجمع بین الطریقین خود شیخ محدث اس کتاب کا تعارف اس طرح کرتے ہیں۔

"ایں رسالہ ایست مسمی بہ مرج البحرین وجامع الطریقین جامع طریقہ فقہ وتصوف وشریعت وطریقت وظاہر وباطن وصورت ومعنی وقشر ولب وعلم وحال و محو وسکر ومذہب ومشرب وعقل وعشق واگر آنرا صراط مستقیم وطریق قویم نام کنند جائز باشد، ودین خالص وسبیل اسلم لقبش نہند، روا باشد ودعوت حق ومنہج رشاد گویند درست افتد ومیزان عدل ودستور العمل گردانند راست آید[۱]"

اس کتاب کی تصنیف سے شیخ محدث کا مقصد یہ تھا کہ "فقیہ صاحب ستشرف احوال وصوفی محقق مقید باعمال ہو۔

کتاب تیرہ وصال پر مشتمل ہے۔ مباحث یہ ہیں۔

وصال اول: محبت دنیا ومافیہا۔

---

[۱] مرج البحرین۔ ص ۳۔

وصال دوم: اختلافات اُمت محمدیہ اور ترویج علوم فلسفہ

وصال سوم: فلسفیات کے حرام جاننے اور مباحثات سے پرہیز کرنے کے بیان میں۔

وصال چہارم: عقل و علم و ذکر و فکر

وصال پنجم: صحت عقل

وصال ششم: مذمت عقل ظاہر۔

وصال ہفتم: خدائے تعالیٰ کو چشم بصیرت سے دیکھنے کے بیان میں

وصال ہشتم: عقل کو نقل کے ساتھ کچھ علاقہ نہ بننے کے بیان میں۔

وصال نہم: تطابق شریعت و طریقت

وصال دہم: ہفوات اولیاء۔ وصال یازدہم: حکایات صوفیہ صافیہ

وصال دوازدہم: فقراء کے بے سروسامان رہنے کے بیان میں۔

وصال سیزدہم: خلاصۂ مضامین کتاب قواعد الطریقۃ فی الجمع بین الشریعۃ والحقیقۃ

آخری باب حضرت شیخ سید احمد مغربیؒ کی مشہور تصنیف کا ترجمہ اور خلاصہ ہے۔

مرج البحرین ۱۲۹۵ھ میں مطبع عبدالرحمٰن سے اور ۱۳۰۷ھ میں مطبع محمدی کلکتہ سے شائع ہوئی تھی۔ ۱۳۱۳ھ میں مطبع نامی لکھنؤ سے اس کا ترجمہ شائع ہوا تھا۔ اردو ترجمہ مولوی غوث محمد فرخ آبادی نے کیا تھا اور وصال السعدین نام رکھا تھا۔ مولوی شیخ عبدالقادر صدیقی نے اس کی شرح فارسی زبان میں شرح البحرین کے نام سے کی تھی، اس کا قلمی نسخہ آصفیہ کتب خانہ میں موجود ہے (جلد اول ص ۲۴۶)۔ بانکی پور کے کتب خانہ میں اس کا ایک ایسا قلمی نسخہ موجود ہے جس کی تصحیح خود حضرت شیخ نے فرمائی ہے۔

مرج البحرین گو مختصر کتاب ہے لیکن افادیت میں بڑی بیش بہا ہے۔ شیخ محدثؒ نے شریعت و طریقت، تصوف اور فقہ، علم اور عقل پر نہایت ہی دلنشین انداز میں بحث کی ہے۔ قرآن پاک، احادیث نبوی، اور کتب تصوف کے بے شمار حوالے درج ہیں۔ مضمون کی

خشکی کو شیخ محدث نے اپنے شگفتہ انداز بیان اور فارسی اشعار کے برمحل استعمال سے حیرت انگیز حد تک دور کر دیا ہے۔

نکات الحق والحقیقۃ من باب معارف الطریقۃ فارسی میں تصوف کے مختلف مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ ۱۸۹۱ء میں مولوی سید محمد یوسف مراد آبادی نے مطبع احتشامیہ مراد آباد سے شائع کیا تھا۔ اردو ترجمہ لطائف الحق کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

جواب بعض کلمات شیخ احمد سرهندی یہ رسالہ نایاب تھا اور اب تک طبع نہیں ہوا تھا، اس لیے ضمیمہ میں اس کو شائع کیا جا رہا ہے۔

رسالہ وجودیہ یہ رسالہ مولوی انوار الحق حقی دہلوی کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ مراۃ الحقائق میں اس کا ذکر کیا گیا ہے[1]۔

---

[1] ص ۵۵۔

باب (۷) ہفتم

اخلاق

شیخ محدثؒ کی مندرجہ ذیل تصانیف اس عنوان کے ماتحت آتی ہیں:۔

(۱) آداب الصالحین

(۲) آداب اللباس

(۳) آداب المطالقہ والمناظرہ

(۴) تسلیۃ المصاب لنیل الاجر والثواب

علم اخلاق علمائے اسلام کا محبوب موضوع رہا ہے، اور اس پر بیش بہا تصانیف وجود میں آئی ہیں۔ حضرت امام غزالیؒ نے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ اب تک عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس میدان میں امام غزالیؒ ہی سے روشنی حاصل کی ہے۔

اسلامی معاشرت اور آداب و اخلاق پر زور دینے اور لکھنے کی ضرورت اکثر ایسے موقعوں پر پیش آتی ہے جب کسی نئی تہذیب یا طرز فکر کا اثر اسلامی سوسائٹی کا شیرازہ منتشر کر رہا ہو۔ امام غزالی کے زمانہ میں یونانی افکار اور طرز معاشرت سے مسلمانوں کی زندگی بہت متاثر ہو رہی تھی۔ چنانچہ حضرت امامؒ نے اپنی عظیم الشان تصنیف احیاء العلوم سے اس طوفان کو روکا۔

شیخ محدثؒ کے زمانہ میں اسلامی طرز معاشرت پر سخت وقت آگیا تھا اور ہر چیز پر سخت تنقید کی جا رہی تھی۔ ان حالات میں شیخ محدثؒ نے ضروری سمجھا کہ اسلامی اصول زندگی کو پوری

طرح پیش کر دیا جائے۔

آدابُ الصّالحین

حضرت امام غزالیؒ کی مشہور عالم تصنیف احیاء العلوم کے چند ابواب کا فارسی خلاصہ ہے۔ شائع ہو چکی ہے بسنہ ۱۲۶۳ھ میں نواب قطب الدین خاں دہلوی نے اس کا اردو ترجمہ ہادی الناظرین کے نام سے شائع کیا تھا۔ سنہ ۱۳۳۹ھ میں اردو ترجمہ دوسری بار شائع ہوا۔ مولانا عبدالعزیز یمین کے ذریعہ آداب الصالحین کا ایک ایسا قلمی نسخہ دیکھنے کو ملا تھا جس کی تصحیح حضرت شیخؒ نے خود اپنے دست مبارک سے کی تھی۔

آدابُ اللباس

اس رسالہ میں شیخ محدثؒ نے لباس میں اتباع سنت کی ہدایت کی ہے۔ مکروہ و ممنوع لباس کی تفصیل بتائی ہے۔ اس رسالہ کے قلمی نسخے بانکی پور[1]، برٹش میوزیم[2]، برلن[3] اور دیگر کتب خانوں میں موجود ہیں۔ عرصہ ہوا اردو ترجمہ کے ساتھ یہ رسالہ طبع ہوا تھا۔

آدابُ المطالعة و المناظرة

یہ مثنوی شیخ محدثؒ نے آداب گفتگو اور آداب مناظرہ کے متعلق ایام طالب علمی میں لکھی تھی۔ ممکن ہے کہ دربار اکبری کے ماحول سے متاثر ہو کر لکھی ہو۔ اکبر کے عبادت خانہ میں علماء سو نے گفتگو و مناظرہ کا جو انداز اختیار کیا تھا اس سے ہر دیانتدار عالم کا دل مجروح ہو چکا تھا۔ یہ مثنوی اب دستیاب نہیں ہوتی۔

تسلیۃ المصاب لنیل الاجر و الثواب

اس رسالہ میں مصیبت کے وقت صبر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ فہرس التوالیف میں اس کے متعلق لکھتے ہیں:-

"در بیان صبر بر مصائب و بلایا و تنبیہ بر وجود نعم خفایا و تحقیق معنی اجابت و منع درد دعا و سلوک طریق رضا و تسلیم در ورود احکام ارادیہ قہریہ و آب و تادب الٰہی بترک طلب و سوال با اختلاف اوقات احوال۔"

[1] نمبر ۲۱۶۹ [2] نمبر ۸۶۳ (Rieu)۔ نام یہ درج ہے: "رسالہ مختصر در بیان آداب لباس حضرت سید البشرؐ"
[3] نمبر ۱۴ (۲۰) نمبر ۵۳ (۲)

باب (۸) ہشتم

اعمال واوراد

اس عنوان کے ماتحت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی مندرجہ ذیل تصانیف آتی ہیں:

(۱) اجوبۃ الاثنا عشر فی توجیہ الصلوٰۃ علی سید البشر

(۲) ترغیب اہل السعادات علی تکثیر الصلوٰۃ علی سید الکائنات

(۳) رسالہ عقد انامل

(۴) رسالہ وظائف

(۵) مطالب الاعلیٰ فی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ

اجوبۃ الاثنا عشر فی توجیہ الصلوٰۃ علی سید البشر کے متعلق خود شیخ محدثؒ کا بیان ہے:-

"رسالہ حوت توجیہات التشبیہ الواقع فی الصلوٰۃ علی النبی الکریم اللّٰھم صلی علی محمد و اٰل محمد کما صلیت علی ابراھیم و اٰل ابراھیم جمعتھا فی مجلس واحد من وقت السحر الی طلوع ذکاء مع ما وقع فی البین من الصلوٰۃ والورود الدعاء"[1]

اس کا ایک قلمی نسخہ مولوی انوارالحق دہلوی کے کتب خانہ میں ۱۹۰۲ء تک موجود تھا۔

ترغیب اہل السعادات علی تکثیر الصلوٰۃ علی سید الکائنات فارسی زبان میں درود شریف کی

---

[1] مراۃ الحقائق - ص ۴۸۔

فضیلت پر ایک مختصر رسالہ ہے۔ بانکی پور کے کتب خانہ میں ایک رسالہ فضیلت صلوٰۃ نبویہ نامی موجود ہے۔ غالباً یہ ترغیب اہل السعادات والے رسالہ ہی کا مختصر نام ہے۔ اس کے شروع میں شیخ فرماتے ہیں:-

"بذکر فوائد صلوٰۃ نبویہ علیہ اکمل الصلوٰۃ والتحیہ از حد احصا متجاوز است"

رسالہ عقد انامل (فارسی) انگلیوں پر اوراد کا شمار کرنے کے متعلق ہے۔ شیخ نے فہرس التوالیف میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ مولوی انوار الحق حقی کے کتب خانہ میں اس کا ایک قلمی نسخہ موجود تھا[1]۔ رسالہ وظائف کا ذکر بھی شیخ نے اپنی فہرست میں نہیں کیا ہے۔ لیکن اس کا قلمی نسخہ ان کے خاندان کے لوگوں کے پاس موجود ہے[2]۔

مطلب الاعلیٰ فی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ اس رسالہ میں اسماء الٰہی کے خواص بیان کیے ہیں۔ یہ رسالہ اور اس کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ اردو ترجمہ مولوی قطب الدین صاحب نے محرم ۱۲۶۹ھ میں مطبع مصطفائی لکھنؤ سے شائع کیا تھا۔

---

[1] نمبر ۱۳۸۵

[2] مراۃ الحقائق۔ ص ۵۵

[3] مراۃ الحقائق۔

باب نہم (۹)

فلسفہ اور منطق

شیخ محدث نے منطق و فلسفہ پر تین کتابیں عربی زبان میں تصنیف فرمائی تھیں۔

(۱) بناالمرفوع فی ترصیص مباحث الموضوع

(۲) درة البھیہ فی اختصار الرسالة الشمسیہ

(۳) شرح شمسیہ

درة البھیہ کا قلمی نسخہ برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

باب (۱۰) دہم

تاریخ

تاریخ پر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی تصانیف یہ ہیں :-

(۱) جذب القلوب الی دیار المحبوب

(۲) ذکر ملوک

(۳) رسالہ نورانیہ سلطانیہ

جذب القلوب الی دیار المحبوب (فارسی) مدینہ منورہ کی تاریخ ہے۔ اس کی تصنیف و تالیف میں شیخ محدث نے زیادہ تر سید نور الدین علی کی کتاب وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ سے مدد لی ہے[۱]۔ کتاب مندرجہ ذیل سترہ ابواب پر مشتمل ہے۔

(۱) اسمار ایں بلدہ عظیم۔

(۲) در ذکر فضائل و محامد وے کہ باحادیث و آثار بہ ثبوت رسیدہ

(۳) در اخبار سکان ایں بقعہ کرامت نشان در قدیم الزمان

(۴) در انبعاث باعثہ قدوم سید الکائنات بدیں بلدہ

(۵) در ہجرت نمودن سید المرسلین۔

(۶) در کیفیت عمارت مسجد نبوی

(۷) در بیان تغیرات و زیادتہا کہ در مسجد شریف بعد از حضرت راہ یافتہ۔

---

[۱] جذب القلوب (طبع ۱۸۶۹ء) ص ۲

(۸) در فضائل مسجد شریف و روضۂ آنحضرتؐ

(۹) در ذکر عمارت مسجد قبا و بیان سائر مساجد نبوی

(۱۰) در ذکر بعض آثار متبرکہ کہ بشرف حضور فائض النور مشہور اند۔

(۱۱) در ذکر بعض اماکن شریفہ کہ در مابین مکہ و مدینہ مشہور و معروف اند۔

(۱۲) فضائل مقبرہ شریفہ۔

(۱۳) فضائل جبل احد و شہداء

(۱۴) فضائل زیارت حضرت سید الانام

(۱۵) در حکم زیارت قبر شریف۔

(۱۶) در آداب زیارت حضرت سید الانام و اقامت در آں عالی مقام

(۱۷) فضائل و آداب صلوٰۃ بر سید کائنات

شیخ محدث نے مدینہ منورہ میں اس کتاب کو شروع کیا تھا۔ دہلی میں مکمل کیا۔ خود لکھتے ہیں:

"وابتدائے تسوید ایں حروف در سنہ ثمان وتسعین وتسع مائۃ ۹۹۸ در مدینہ منورہ بودہ و توفیق تبییض آں در سنہ احدی والف در بلدۂ دہلی یافتہ" [1]

گو اس کتاب کا بیشتر مواد سید نور الدین علی کی کتاب سے ماخوذ ہے لیکن پھر بھی شیخ نے اپنے مخصوص انداز تحریر سے اس میں ایک شگفتگی اور تازگی پیدا کر دی ہے۔ مدینہ منورہ سے جو والہانہ تعلق اُن کی ذات کو تھا اس کا اظہار اس کے حرف حرف سے ہوتا ہے۔ کتاب کو ان اشعار سے شروع کرتے ہیں۔

صد شکر کہ از تشنگی غم رستم	چوں قطرہ بدریائے کرم پیوستم
بر کشتی توفیق ازل بنشستم	وز زمزم قدس چہرۂ دل شستم

[1] جذب القلوب - ص ۶۔

جب مدینۃ النبی کی تاریخ کے خاتمہ پر پہنچتے ہیں تو جذبات عقیدت میں ایک تلاطم سا پیدا ہونے لگتا ہے اور درود کی کثرت کا یہ عالم ہوجاتا ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کے ہر ہر حصہ پر درود بھیجتے ہیں۔

جذب القلوب میں ایک جگہ دہلی کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

"اصل حسن وزیبائی کہ ..... دریں شہر شریف (مدینہ) است در ہیچ شہرے مشاہدہ نمی افتد ومسموع نمی گردد، مگر در بعض جا کہ شمہ از اشعہ لمعات و آثار برکات ایں بقعہ شریفہ دراں پرتو انداختہ باشد، چنانکہ در بلدۂ دہلی وامثال آں کہ بعضے از خادماں ایں درگاہ وخاکساراں ایں راہ درآنجا خفتہ اند" [1]

جذب القلوب کو بڑی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی [2]۔ کلکتہ، لکھنؤ اور دہلی سے متعدد بار طبع ہوچکی ہے۔ سب سے قدیم مطبوعہ نسخہ ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۸۴۶ء کا ہے "مطبع اڈیان من واقعہ بلدہ کلکتہ" میں ٹائپ میں چھپا تھا اور کئی قلمی نسخوں سے مقابلہ کرنے کے بعد چھاپا گیا تھا۔ ایڈیٹر کا کہنا ہے۔ "ہر قدر جہد کہ در تصحیح ممکن شد بعمل آمد" لیکن پھر بھی کچھ غلطیاں رہ گئی ہیں۔

جذب القلوب کا اردو ترجمہ تاریخ مدینہ کے نام سے شائع ہوچکا ہے۔

بانکی پور میں جذب القلوب کا ایک ایسا قلمی نسخہ ہے جو مصنف کی وفات سے چار سال قبل یعنی ۹۔ صفر ۱۰۴۸ھ میں نقل کیا گیا ہے [3]۔ کیمبرج یونیورسٹی کے کتب خانہ میں بھی اس کا ایک اچھا قلمی نسخہ موجود ہے [4]۔

ذکر ملوک	اسلامی ہند کی ابتداء سے اپنے زمانہ تک کے حالات شیخ محدث نے اس تاریخ

[1] جذب القلوب۔ ص ۶

[2] فانی خاں کو یہ کتاب اس وجہ سے پسند تھی کہ "دراں ذکر حضرت اللہ ظاہریہ وظلم وتعدی مخالفین باظہار کمال حسن عقیدت نمودہ" (منتخب اللباب ص ۲۴۰)

[3] نمبر ۶۴۳ جلد ہشتم

[4] فہرست مرتبہ براؤن۔ ص ۳۵۵

ہیں لکھے ہیں۔ لودھی خاندان سے قبل کے حالات کے لیے اُن کا ماخذ طبقات ناصری، تاریخ فیروز شاہی اور تاریخ بہادر شاہی ہیں۔ اس کے بعد جو کچھ لکھا ہے وہ یا تو ذاتی مشاہدہ پر مبنی ہے یا بزرگوں سے سُنا ہے۔ کتاب کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:

"اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیٔ قدیر"

دیباچہ کے اختتام پر یہ شعر ہے۔

مقصود اہل ذوق ز ذکر گذشتگاں
تنبیہ عبرت است چہ مسکیں چہ بادشاہ

کتاب کی ابتدائی عبارت اور اس دیباچہ کا آخری شعر نہایت اہم اور پُر معنی ہے۔ ان دونوں کو اگر شیخ محدثؒ کے اس خط کے ساتھ پڑھا جائے جو انہوں نے اکبر کی وفات پر لکھا تھا تو اس زمانہ میں ان کی ذہنی کیفیات اور محرکات کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے۔[1]

شیخ محدثؒ نے یہ تاریخ اکبر کے چالیسویں سنہ جلوس میں ختم کر لی تھی۔ آخری باب میں فرماتے ہیں:

"وازاول جلوس تا الآن کہ از مدت سلطنت عظمیٰ و دولت کبریٰ ایں شہنشاہ عالی نژاد عالم مدار اقالیم ستاں زیادہ بر چہل سال رفتہ است"

یعنی ۱۰۰۴ھ میں لیکن اس کے بعد بھی کتاب میں اضافہ کرتے رہے۔ آخری باب میں انہوں نے اپنے اس ارادہ کا اظہار اس طرح کیا تھا۔

"و تفصیل احوال فتوحات و جہانستانی و قواعد و ضوابط و روابط عالمگیری در دفاتر

---

[1] اکبر کے جاہ و جلال، شان و شوکت، فراوانی دولت اور فتوحات کا ذکر کرنے کے بعد نہایت حسرت سے یہ دعا کرتے ہیں کہ کیا ہی اچھا ہو کہ شہنشاہ شریعت اسلامیہ کو ہمیشہ کے لیے قائم کر دے۔ اے رب العالمین میری اس دعا کو قبول فرما!

(ملاحظہ ہو تاریخ حقی)

وملمات تنجد، اگر مدت عمر فسحتی پیدا کردہ و توفیق و تائید پروردگار دستگیری کرد حب

الطاقت صرف ہمت نمودہ بتقصیر راضی نشدہ خواہد بود۔

اُن کو اتنی فرصت تو نہ ملی کہ کوئی تفصیلی اضافہ اس تصنیف میں کر سکتے، لیکن پھر بھی بعض واقعات کو اس میں درج کر دیا۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ۱۰۰۵ھ کے بعد کے تمام واقعات کا الحاق کسی اور شخص کا کیا ہوا ہے۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔

شیخ نور الحقؒ نے زبدۃ التواریخ کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ شیخ فرید نے ان کے والد ماجد سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنی تاریخ کو ترمیم و اضافہ کے بعد مکمل کر دیں۔ شیخ عبد الحقؒ ان دنوں کچھ اعلیٰ کاموں میں مصروف تھے۔ اس طرف توجہ کرنے کی فرصت نہ ہوئی۔ اور شیخ فرید (یعنی نواب مرتضیٰ خاں) کی درخواست کو رد کرنا بھی مناسب نہ سمجھا۔ چنانچہ اُنھوں نے شیخ نور الحقؒ سے کہا کہ وہ شیخ فرید کی درخواست کو پورا کر دیں۔ چنانچہ اُنھوں نے زبدۃ التواریخ میں اکبر اور اس کے بعد کے حالات کا اضافہ کر دیا۔

ذکر ملوک کا ایک تتمہ مولوی حاجی رفیع الدین خاں مرادآبادی نے لکھا ہے جس میں ۱۱۹۳ھ تک کے واقعات درج ہیں۔ روہیلوں، مرہٹوں وغیرہ کے متعلق بعض دلچسپ اور اہم معلومات اس تتمہ میں ملتے ہیں۔ اس کا ایک قلمی نسخہ جناب ماموں مولوی نسیم احمد صاحب فریدی کے ذریعہ حاصل ہوا ہے۔

ہندوستان میں تاریخ حقی کے قلمی نسخے بانکی پور[1]، علی گڈھ[2]، مدراس[3]، حیدرآباد[4] وغیرہ کے کتب خانوں میں ملتے ہیں۔ علی گڈھ کے نسخہ کی کتابت ۱۰۲۰ھ کی ہے۔

تاریخ حقی اب تک شائع نہیں ہوئی ہے۔ الیٹ نے اس کے کچھ حصہ کا انگریزی

[1] نمبر ۵۳۲، جلد ہفتم۔ ص ۹-۸۰ [2] لٹن لائبریری۔ مسلم یونیورسٹی۔ علی گڈھ

[3] گورنمنٹ اورنٹیل لائبریری مدراس۔ نمبر ۳۴۲۔ تاریخ حقی کا ابتدائی حصہ تاریخ فیروز شاہی برنی سے ماخوذ ہے۔ اس بنا پر فہرست کے مرتب کو غلط فہمی ہوئی اور اس نے اس کا نام انتخاب تاریخ فیروز شاہی المعروف بہ تاریخ حقی لکھ دیا۔ [4] آصفیہ جلد اول۔ ص ۲۲۳۔

ترجمہ اپنی کتاب میں کیا ہے۔

رسالہ نورانیہ سلطانیہ یہ رسالہ تاریخ سے نہیں سیاست سے متعلق تھا۔ لیکن اب اس کی حیثیت ایک تاریخی رسالہ کی ہے۔ اس بنا پر تاریخ کے ذیل میں ہی اس کا ذکر مناسب سمجھا گیا۔

یہ رسالہ نورالدین جہانگیر کے لیے لکھا گیا تھا۔ فہرس التوالیف میں لکھتے ہیں:۔

"دربیان قواعد سلطنت واحکام ارکان واسباب وآلات تحصیل آں و اوضاع وآداب ایں امر عظیم الشان مزین باسم سامی سلطان الوقت و ملک الزمان خلد اللہ ملکہ"

اس رسالہ کا ایک قلمی نسخہ ۱۹۳۷ء سے قبل دہلی میں سید ظہیر الحسن صاحب کے کتب خانہ واقع قرولباغ میں خاکسار نے دیکھا تھا۔ ہندوستان اور یورپ کے کسی اور کتب خانہ میں اس کا قلمی نسخہ موجود نہیں تھا۔ معلوم نہیں اب وہ نسخہ کہاں ہے اور کس حالت میں ہے۔

باب یازدہم (۱۱)

سیر و تذکرہ

عنوان بالا کے تحت شیخ محدثؒ کی یہ تصانیف قابل ذکر ہیں:-

(۱) مدارج النبوۃ

(۲) اخبار الاخیار

(۳) احوال ائمہ اثنا عشر خلاصہ اولاد سید البشر

(۴) انوار الجلیہ فی احوال مشائخ الشاذلیہ۔

(۵) زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار

(۶) ترجمہ زبدۃ الآثار

(۷) مطلع الانوار البہیہ فی الحلیۃ الجلیۃ النبویہ

مدارج النبوۃ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل حیات طیبہ ہے۔ رسول اکرمؐ کی زندگی کا شاید ہی کوئی گوشہ ہو جس پر اس کتاب میں روشنی نہ ڈالی گئی ہو۔ یہ کتاب شیخ محدثؒ کا نہایت اعلیٰ علمی اور ادبی شاہکار ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں نے جو مذہبی لٹریچر پیدا کیا ہے، اس میں مدارج النبوۃ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس سے پہلے کسی ہندی مسلمان نے رسول پاکؐ کی اتنی جامع، مفصل اور مکمل سوانح حیات مرتب نہیں کی تھی۔

مدارج النبوۃ بارہ سو سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کو پانچ حصوں میں اس طرح پر تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) قسم اول ۔ در ذکر فضائل و کمالات، اخلاق و صفات

(۲) قسم دوم ۔ در ذکر نسب و ولادت

(۳) قسم سوم ۔ در ذکر وقائع سنوات از ابتدائے ہجرت تا وفات ۔

(۴) قسم چہارم ۔ در ذکر حدوث مرض و غسل و تکفین وغیرہ

(۵) قسم پنجم ۔ در ذکر اولاد طاہرہ و ازواج مطہرہ

مدارج النبوۃ کی تصنیف کا محرک اس زمانہ کے حالات تھے ۔ اکبری عہد میں شریعت و سنّت سے بے اعتنائی انتہا درجہ کو پہنچ گئی تھی ۔ حضور سرور کائنات ؐ سے تعلق ٹوٹ رہا تھا ۔ ان حالات میں ضروری تھا کہ رسول مقبول ؐ کی حیاتِ طیبہ کو مکمل طور پر پیش کر دیا جائے ۔ فرماتے ہیں

" .... چوں از فساد زماں انحرافے در مزاج وقت بعضے درویشاں مغرور ایں روزگار راہ یافتہ واز تیرگیِ آئینۂ استعداد و تنگی حوصلۂ ادراک پایۂ ارفع و مقام اقدس محمدی را ہیچ کس لا بد کہ و دریافت آں راہ نیست نشناختہ و تقصیرے درادائے حق اعتقاد نمودہ واز جادۂ دین و صراط مستقیم برافتادہ بودند لازم حق نصیحت دریں مسلمانی آں بود کہ احوال و صفات قدسیہ آں سرور انبیاء، و امام اولیاء، و مفخر رسل و استاد کل معدن علوم اولین و آخرین و منبع فیض انبیاء و مرسلین واسطۂ ہر فضل و کمال و مظہر ہر حسن و جمال .... نگارش نماید و ایں بے خبراں را از حقیقت حال آگاہ گرداند و غافلاں را از خواب غفلت بیدار سازد و طالباں را رو براہ آرد "[1]

مدارج النبوۃ سنہ ۱۲۶۹ھ میں فخر المطابع دہلی، سنہ ۱۲۸۱-۸۳ھ میں مظہر العجائب پریس سے طبع ہوئی تھی سنہ ۱۸۷۶ء اور سنہ ۱۸۸۰ء میں لکھنؤ سے دو ایڈیشن شائع ہوئے ۔ اس کے قلمی نسخے[2] انڈیا آفس

---

[1] مدارج النبوۃ ۔ جلد اول ۔ ص ۳ ۔

[2] نمبر ۱۷، سنہ ۱۰۹۵ھ کا نسخہ ہے

بانکی پور،[1] جرمنی،[2] برٹش میوزیم[3] وغیرہ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ بعض اجزا کے اقتباسات علیحدہ بھی کتب خانوں میں ملتے ہیں[4]۔ خواجہ عبدالمجید نے منہاج النبوۃ کے نام سے اس کا ترجمہ کیا تھا جو شائع ہو چکا ہے۔

اخبار الاخیار ہندوستان کے علماء و مشائخ کا نہایت مستند تذکرہ ہے۔ شیخ محدث نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری سے لے کر اپنے زمانہ تک کے مشہور علماء و مشائخ کے حالات قلم بند کیے ہیں۔ ابتدا میں عقیدت کی بنا پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا ذکر کیا ہے۔

اخبار الاخیار شیخ محدث کے علمی تبحر، اندازِ تحقیق اور وسعت مطالعہ کا بہترین آئینہ دار ہے۔ قرون وسطیٰ کے پورے مذہبی لٹریچر پر اُن کی نظر ہے۔ وہ جو کچھ لکھتے ہیں اس کی پوری طرح تحقیق کرتے ہیں۔ عقیدت کہیں واقعات کی تحقیق میں مانع نہیں آتی۔ اصول اسناد کا استعمال شیخ نے نہایت سختی سے کیا ہے۔

اخبار الاخیار میں مشائخ کے حالات کی ترتیب سلسلوں کے اعتبار سے نہیں ہے۔ بلکہ کل مشائخ کو زمانہ کے لحاظ سے تین طبقوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔

(۱) طبقہ اول: از خواجہ معین الدین چشتی تا شیخ فخرالدین فرزند خواجہ بزرگ

(۲) طبقہ دوم: از بابا فرید گنج شکر تا مولانا احمد حافظ

(۳) طبقہ سوم: از شیخ نصیرالدین چراغ دہلوی تا مولانا بختی

اس کے بعد مجاذیب اور بزرگ عورتوں کا تذکرہ ہے۔ آخر میں ایک تکملہ ہے جس میں شیخ محدث نے اپنے اجداد کا حال لکھا ہے۔ اخبار الاخیار کے مطبوعہ نسخے[5] اس قصیدے پر

---

[1] نمبر ۴۶۲ جلد ۶ [2] نسخہ ۱۹۱۲ کا نسخہ نمبر [3] نسخہ ۹۱ (Vollers) [4] نمبر 6 ۸۶۳ (Rieu)

[4] نمبر ۲۰۹ جلد اول، کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد، انتخاب مدارج النبوۃ۔ نیز نمبر ۱۵ رسالہ حلیہ جناب رسالتمآب اور رسالہ در شمائل آنحضرت (ص ۸۶۸)

[5] اس وقت چار مطبوعہ نسخے پیش نظر ہیں۔

۱۔ مطبع محمدی دہلی ۱۲۸۰ھ ۔ ۲۔ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۹ھ ۔ ۳۔ ایضاً ۱۳۳۲ھ ۔ ۴۔ مسلم پریس دہلی ۱۲۲۰ھ

ختم ہو جاتے ہیں جو پہلے حصہ میں پورا نقل ہو چکا ہے۔ لیکن ایک قلمی نسخہ میں جو حضرت جد
امجد مولوی ارشاد علی صاحب مرحوم نے ۳۔ ذی الحجہ ۱۳۲۰ھ کو ملتان میں نقل کرایا تھا اور
جس کی تصحیح حکیم محمد حسن صاحب امروہی نے کی ہے، یہ عبارت تتمہ کے طور پر درج ہے۔

"ایں سطرے چند است کہ در بیان باعث اختصار کتاب رقم زدہ کلک مؤلف گشتہ بمنہ وفضلہ
یمحو اللہ ما یشاء و یثبت عندہٗ ام الکتاب کاتب حروف ختم اللہ لہ بالحسنی وجعل
آخرتہ خیراً من الاولیٰ پیش از تاریخ از سی سال بیشتر از چہل سال کمتر روزے در خدمت روشیا
بذوق صحبت ایشاں نشستہ بود چناں کہ رسم مریداں باشد از مناقب پیراں خود سخن میکردند بحاصحبت
وحلاوتے کہ سخناں ایں طائفہ دارد چناں آں حکایات در دل جائے کرد و اگر فت کہ چوں از اں
مجلس برخاست براں شدہ بود اگر فکر میکرد ہماں می تراوید، پس بشوق تمام آنرا بنوشت و طلب
مزید کرد تا رفتہ رفتہ قدرے محسوس پیدا آمد و چوں ثبت احوال چشتیاں پیش از ذکر مقامات
چشتیاں اتفاق افتاد طلب آں نیز کرد و از ادنی باعلیٰ رفت و آں چشتیہ ضم کرد و کتاب را بایں
مزین و محلیٰ ساخت تا مجموعہ بہم رسید نیکو و پسندیدہ و جامع و مفید لیکن اول عشق بازی و
شوق ایں سخناں تازہ بود و حرص استماع و اجتماع آں بے اندازہ در اول کتابے بود کہ خامہ
کاتب حروف بر تسوید آں جریاں یافتہ صورت ترتیب سخن بے اضطرابے نباید چنانکہ باید
تنقیح و انتخابے نیافت و ہم بحکم اضطراب یا ضمیمۂ اخراج بعضے از اصحاب دو سہ نسخہ ہم براں
نمط نوشتہ شدہ اعتبار یافت دریں اثناء در سنہ ست و تسعین و تسع مائۃ بسفر حجاز رفت
چوں ازیں سفر باز آمد حالے گردید و ہمت بجانب دیگر مصروف گشتہ بود فرصت نظر براں کتاب
نیافت۔ ناگاہ مردم را دید براہ اختلاف و انتقاد رفتہ بعضے آں را بتطویل الکتاب موسوم داشتہ
و بعضے در جرح و تعدیل آں افتادہ و نظر دلالت و سماعت بروے گماشتہ و زبان تشنیع کشادہ
بعلت آنکہ بعضے از ینہا اہل دماں و ابنائے روزگار داشتاد و ساکناں ایں دیار بودہ اند و حقیقت
آنکہ چوں چشتیاں از عالم گذشتہ و علاقہ حسد و عناد ارباب غرض و ہوا از ایشاں گسستہ از زباں

محروم رستند در دائرہ اجماع و اتفاق آسودہ اند، اما پیشینان از اہل زمان چوں بواعث و دواعی اقرار و انکار درمیان است در کشاکش نزاع و خلاف افتادہ است آلودۂ قدح و انکار گشتند و نعم فضل و مرتبہ تقدم باقی است اما ایں قدر نماند کہ ایں متقدمان دیں در وقت خود متاخر بودند و بعضے از اہل زماں از کمالات ایشاں غافل و محجوب و متاخریں بعد ازاں خود متقدم شوند نظر بر تاخر و تقدم نباید کرد انصاف باقی است و حسن عمل منظور، و نیز نام ایں رسالہ اخبار الاخیار است نہ تذکرۃ الاولیا و سیر العارفین مثلاً و ذکر آنہا کہ آشنا اند و محل تردد و انکار گشتہ بطفیل است نہ بمقصد و تبعیت است نہ باصالت ایں سخن در دیباچہ کتاب گفتہ شد حاجت بتکرار نیست و باوجود آں بصلاح دید وقت و یاراں اصرار نظر ثانی بر آں لازم افتاد و برخے از اختصاراً نمودہ تا اگر خواہند آں سخنہائے نوشتہ و آں نوشتہ باز آرند و اگر ہنوز از وغدغہ ختم طریقے باقیست چارہ نیست ایں قدر کردہ شد و زیادہ بریں مقدور نبود معذور دارند بے عیب خدا است و عیب پوش او است و صلی اللہ علیہ وسلم و تمت کلمۃ ربک صدقاً و عدلاً لا مبدل لکلماتہ وھو السمیع العلیم"

یہ عبارت بڑی اہم ہے۔ اس سے اخبار الاخیار کی تصنیف و ترتیب کے ماحول پر روشنی پڑتی ہے۔

اخبار الاخیار کے بعض مطبوعہ نسخوں کے خاتمہ پر حضرت مجدد الف ثانیؒ کے حالات میں ڈھائی صفحے کے ایک نوٹ کا اضافہ کسی شخص نے کر دیا ہے۔ جس کا اخبار الاخیار یا اس کے مصنف سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اس جگہ پر بالکل غیر موزوں ہے۔

اخبار الاخیار کی ترتیب و تالیف مختلف اوقات میں ہوئی تھی۔ فہرس التوالیف میں شیخ لکھتے ہیں :-

"نسخۂ اول بقدر پانزدہ ہزار بیت، و متوسط دوازدہ ہزار بیت۔ و منتخب آخر کہ قرار یافتہ نہ ہزار

وکسے زائد وثبت دریں مجموعہ نسخۂ متوسط است. وایں اول تصنیفے است کہ تمرۂ کلک ایں مسکیں شدہ است"

خود اخبار الاخیار کی اندرونی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ترمیم و اضافہ کا سلسلہ ۹۹۶ھ سے ۹۹۹ھ کے بعد تک چلتا رہا۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ اخبار الاخیار کے بعض نسخوں میں کہیں کہیں عبارت کا فرق نظر آتا ہے۔

شیخ سعد الدین خیرآبادیؒ کے ایک مرید شیخ اللہ دیاؒ کے حال میں لکھتے ہیں:

"ہمدریں سال کہ نہصد و نود و سہ است وفات یافت"

پھر شیخ وجیہ الدین گجراتیؒ سے ۹۹۶ھ میں اپنی ملاقات کا ذکر کرتے ہیں۔ کتاب کے خاتمہ پر یہ قطعہ تاریخ درج ہے ؎

طیب اللہ حتی انفاسک | زادک اللہ قوۃً وغنیٰ
نام تاریخ ایں کتاب عزیز | گر کنی ذکر الاولیا احسن

تکملہ میں ۹۹۹ھ کے بعد کے حالات بھی ملتے ہیں۔

شیخ محدثؒ کی اس کتاب کو اُن کی زندگی ہی میں بڑی مقبولیت حاصل ہو گئی تھی۔ جہانگیر نے جب دیکھا تو شیخ محدثؒ کی محنت و تحقیق کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔[۱]

معاصرین نے شیخ کی جس تصنیف کی سب سے زیادہ تعریف کی ہے وہ اخبار الاخیار ہی ہے محمد غوثی نے لکھا ہے:

"الحمد للہ، آپ نے اس فرصت کے اندر عالم باطن کے پردہ نشینوں کی تصویر بھی قلم کی نقاشی سے کھینچ کر کتب تصنیف کو معرفت بیانی کے تصویر خانہ میں جگہ دی ہے۔ بالخصوص تذکرۂ مشائخ جو اخبار الاخیار کے نام سے نامزد ہے۔ اس کتاب کی خوبیاں تعریف کے قالب میں

---

[۱] تزک جہانگیری۔ ص ۲۸۲۔ "جہانگیر کے متعلق مولانا شبلی مرحوم لکھتے ہیں:" چونکہ نکتہ شناس تھا، اس لیے ہر شخص کی نسبت ایسی رائے ظاہر کرتا ہے جو ایک بڑے مدقق کا کام ہو سکتا ہے" (تزک جہانگیری اور جہانگیر)

نہیں سما سکتی ہیں۔[۱]

بدایونی نے شیخ محدثؒ کی صرف دو ہی کتابوں کا ذکر ضروری سمجھا ہے۔ تاریخ مدینہ (یعنی جذب القلوب) اور اخبار الاخیار[۲]

اخبار الاخیار ہندوستان میں متعدد بار چھپا ہے۔ ۱۲۸۳ھ میں مطبع محمدی سے ۱۳۰۹ھ اور ۱۳۳۲ھ میں مطبع مجتبائی سے چھپا۔ ۱۳۳۲ھ میں مولانا غلام احمد خاں بریاں نے اس کا اُردو ترجمہ حافظ سید یٰسین علی صاحب سے کرا کر مسلم پریس سے شائع کیا تھا۔ قلمی نسخے بوڈلین، ایشیاٹک سوسائٹی، برٹش میوزیم، کیمبرج یونیورسٹی، بانکی پور وغیرہ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

احوال ائمہ اثنا عشر خلاصۂ اولاد سید البشر (فارسی) اس رسالہ میں شیخ محدثؒ نے بارہ اماموں کے حالات تحریر فرمائے ہیں۔ اس کا تاریخی نام "دم خاندان کرم" ہے۔ یہ رسالہ حضرت خواجہ محمد پارساؒ کی کتاب فصل الخطاب سے منقول ہے۔ قلمی نسخہ بانکی پور کے کتب خانہ میں موجود ہے۔[۳]

انوار الجلیہ فی احوال مشائخ الشاذلیہ (فارسی) اس رسالہ میں شیخ محدثؒ نے مشائخ سلسلہ شاذلیہ کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ قلمی نسخہ مولوی انوار الحق دہلوی کے کتب خانہ میں تھا۔[۴]

زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار (عربی) بہجۃ الاسرار، شیخ نور الدین ابو الحسن علی بن یوسف (۶۳۳ھ - ۷۱۳ھ) کی تصنیف ہے۔ شیخ محدث نے زبدۃ الآثار کے نام سے اس کا خلاصہ کیا ہے۔

بہجۃ الاسرار، حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کے حالات میں نہایت قدیم اور مستند

---

[۱] گلزار ابرار (اُردو ترجمہ)

[۲] منتخب التواریخ

[۳] قلمی نسخہ نمبر ۱۳۳۶

[۴] مرآۃ الحقائق

کتاب ہے۔ شیخ نورالدینؒ اور حضرت غوث الاعظمؒ کے درمیان فقط دو واسطے ہیں۔ اس بناپر اس کتاب کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ شیخ نورالدین جید عالم تھے، قادری سلسلہ میں بیعت تھے۔ شہر شنطوق میں رہتے تھے، اس لیے شیخ شنطوفی کے نام سے پکارے جاتے تھے۔

شیخ محدثؒ کو حضرت شیخ جیلانیؒ سے جو عقیدت تھی اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ اسی تعلق کی بنا پر انہوں نے اس کتاب کا خلاصہ کیا، اور اس طرح پر اس کا عطر نکال لیا۔ زبدۃ الآثار ۱۳۰۴ھ میں بمبئی سے شائع ہوئی تھی۔ اس کا اردو ترجمہ کحل الابصار کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ قلمی نسخے بھی بعض کتب خانوں میں ملتے ہیں۔ آصفیہ کتب خانہ میں ایک اچھا نسخہ ہے۔ ایک نہایت قدیم نسخہ خاکسار کے پاس بھی ہے۔ تاریخ کتابت درج نہیں۔

زبدۃ الآثار کا فارسی ترجمہ حضرت شیخ نے داراشکوہ کی فرمائش پر کیا تھا۔[1]

مطلع الانوار البهية في الحلية النبوية حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کیا گیا ہے۔ قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانہ میں موجود ہے۔[2]

---

[1] ص۲۷۰ جلد اول۔

[2] D/245 ص ۱۳ (مرزا)

باب دوازدہم

عِلمِ نحو

علم نحو سے متعلق شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے دو کتابیں تصنیف کی تھیں۔

(۱) حاشیۃ الفوائد الضیائیہ

(۲) افکار الصافیہ فی ترجمۃ کتاب الکافیہ

اول الذکر شرح ملا پر حاشیہ تھا۔ دوسری کتاب کے متعلق فہرس التوالیف میں لکھتے ہیں :-

"در سن صغر در ابتدائے حال طالب علمی بتقریب کے کہ نسبت معنوی و رابطۂ قوی داشت تا آخر منصوبات تسوید نمودہ شدہ تا بحث مرفوعات بہ بیاض رسید و عمر کاتب حروف دراں وقت پانزدہ یا شانزدہ سال بود۔

باب سیزدہم (۱۳)

ذاتی حالات

شیخ محدثؒ کی مندرجہ ذیل کتابیں ذاتی حالات سے تعلق رکھتی ہیں۔

(۱) اجازت الحدیث فی القدیم والحدیث

(۲) تالیف قلب الالیف

(۳) زاد المتقین فی سلوک طریق الیقین

(۴) وصیت نامہ

اجازۃ الحدیث فی القدیم والحدیث

اس رسالہ میں شیخ محدث نے اپنی اسناد حدیث درج فرمائی ہیں۔ اس رسالہ کا قلمی نسخہ مولوی انوار الحق دہلوی کے کتب خانہ میں تھا[1]

تالیف قلب الالیف بذکر فہرس التوالیف

اس رسالہ میں شیخ محدثؒ نے اپنی تصانیف کی فہرست درج کی ہے۔ ابتدا میں دہلی کے بعض شعراء اور مصنفین کا حال بھی لکھا ہے۔ یہ کتاب پہلے مطبع عزیزی رامپور سے پھر ۱۳۰۹ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ الیٹ نے اپنی تاریخ کی چھٹی جلد میں اس کے کچھ حصہ کا ترجمہ شامل کیا ہے۔ یہ ترجمہ میجر اے آرفلر کا کیا ہوا ہے۔ ایڈیٹر اور مترجم دونوں نے اس کتاب کے نام سے ناواقفیت ظاہر کی ہے[2] کچھ عرصہ ہوا

[1] مراۃ الحقائق۔ ص ۲۰۸۔ [2] Elliot & Dowson جلد ششم ضمیمہ ص ۴۹۲۔۴۸۲۔ بیکن ۱۹۶۲ء پر نام درج ہے۔

کر حیدرآباد سے سید شمس اللہ قادری نے اس کا ابتدائی حصہ تذکرہ مصنفین دہلی کے نام سے شائع کیا تھا۔

زَادُ المُتّقِین اس کتاب میں قیام مکہ معظمہ کے حالات ہیں۔ نیز شیخ علی متقی اور شیخ عبدالوہاب متقی اور دیگر مشایخ مکہ کے واقعات و سوانح درج ہیں۔

دیباچہ میں فرماتے ہیں:۔

"تا مدت دو سال و کسرے بحالت قیام مکہ معظمہ انچہ دیدم یا شنیدم ضبط کردم"

شیخ محدث نے مکہ معظمہ میں اس کو لکھنا شروع کیا تھا، ہندوستان میں مکمل کیا۔ فہرس التوالیف میں لکھتے ہیں:

"احوال ایں کتاب بہ مکہ معظمہ ضبط کردم و بہ سنہ ۱۰۰۰ھ آں را بتفصیل نوشتم"

زاد المتقین کے متعلق خود شیخ محدث کی رائے یہ ہے:

"اگر صراط مستقیم و منہج قویم نیز نام آں کنم شاید۔ و میزان عدل و دین حق لقب دہے نہم تواند و گمان آنست کہ اگر سالکے بایں رفتار رود بمنزل مراد برسد و اگر ایں را حاکم وقت دستور حال خود سازد از جادہ بیروں نیفتد"

زاد المتقین اب تک شائع نہیں ہوئی ہے۔ قلمی نسخے برٹش میوزیم[۱] اور کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں موجود ہیں۔

وَصِیّت نامہ اس میں شیخ نے اپنے وصایا درج کئے ہیں۔ طبع نہیں ہوا قلمی نسخہ مولوی انوار الحق دہلوی کے کتب خانہ میں موجود تھا[۲]

---

[۱] (Rieu, Or. 217)

[۲] مرأۃ الحقائق۔ ص ۶۰

باب (۱۴) چہاردہم

خطبات

شیخ محدثؒ نے ایک کتاب فصول الخطب لنیل اعالی المراتب میں خطبات جمع کیے تھے۔ اس کتاب کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہوتا۔

باب (۱۵) پانزدہم

مکاتیب

شیخ محدثؒ کی دو تصانیف اس عنوان کے ضمن میں آتی ہیں :-

(۱) کتاب المکاتیب والرسائل

(۲) صحیفۃ المودۃ

کتاب المکاتیب میں اڑسٹھ خطوط ہیں۔ ان خطوط کی حیثیت رسائل کی ہے۔ جن میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ بعض عنوانات پر گفتگو کی گئی ہے۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ، شیخ عبداللہ نیازیؒ، شاہ ابوالمعالیؒ کے علاوہ نواب مرتضیٰ خاں شیخ فرید، نواب خان خاناں، شیخ ابوالخیر مبارک اور فیضی وغیرہ کے نام بھی خطوط ہیں۔

کتاب المکاتیب کا یہ مجموعہ ۱۲۹۶ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوا تھا۔ ۱۳۳۲ھ میں اسی مطبع سے اخبار الاخیار کے حاشیہ پر اس کو چھاپا تھا۔ اس کے قلمی نسخے کم ملتے ہیں۔ جو ملتے ہیں ان میں مضامین کی کمی بیشی ہے۔ بانکی پور میں جو نسخہ ہے اس میں صرف چوالیس[۴۴] رسائل ہیں[۱]۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے والد ماجد کے پاس شیخ محدثؒ کے مکتوبات کا جو مجموعہ تھا اس میں غالباً زیادہ مکاتیب تھے[۳]۔

صحیفۃ المودۃ حقیقت میں ایک مثنوی تھی جس میں بقول شیخ ــــ

"شہر آشوب عالم محبت است بخالی از

---

[۱] مطبوعہ نسخوں میں تین رسائل ایسے ہیں جن کا ذکر فہرس التوالیف میں نہیں ہے۔
[۲] نمبر ۱۳۸۹۔ [۳] تذکرہ۔ ص ۱۰۔

سلاستے و ملاستے نیست و کسے کہ مطلع باشد بر احوال جماعۂ مکتوب الیہم، واند کہ در ضمن بیان معانی آں چہ نکتہا و ظرافتہا رعایت کردہ شدہ است"

یہ خطوط سب دوستوں کے نام تھے۔ اس مثنوی کا کوئی نسخہ اب دستیاب نہیں ہوتا۔

باب شانزدہم (۱۶)

اشعار

شیخ محدث کو شعر و سخن کا ذوق خاندانی ورثہ میں ملا تھا۔ ان کے والد شیخ سیف الدینؒ ان کے چچا شیخ رزق اللہ مشتاقی، ان کے جد امجد شیخ فیروزؒ شعر و شاعری سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ موخر الذکر کے متعلق شیخ محدث نے لکھا ہے۔

"معنی حلویت و شعر و ظرافت در خانۂ ما از وے پیدا شد"

شیخ محدثؒ کے ذکر میں نظام الدین بخشی لکھتے ہیں :۔

"زبان شعر دارد"

معارج الولایت میں لکھا ہے :۔

"در شعر نیز رغبتے تمام داشت ..... از منظومات از ہر جنس از بحر و وزن گفتے و حقی تخلص خود را نہادے، چنانکہ در کتب و رسائل ایشاں اشعار ایشاں مکتوب است"

شیخ کے دیوان کا کوئی نسخہ نظر سے نہیں گزرا۔ صبح گلشن کے مرتب نواب علی حسن خاں کا بیان ہے :

"دیوانش مشتمل بر انواع نظم کہ اکثرش قصائد نعتیہ است از نظر گذشت"

ہندوستان کے کسی کتب خانہ میں شیخ کے دیوان کا نسخہ نہیں ملتا۔ کتب خانۂ آصفیہ میں ایک مختصر منظوم رسالہ تصوف سے متعلق ضرور ملتا ہے۔ لیکن وہ غالباً دیوان سے علیحدہ چیز ہے۔

شیخ عبدالحق نے ایک بیاض حسن الاشعار فی جمع الاشعار کے نام سے جمع کی تھی اس کے متعلق فہرس التوالیف میں لکھتے ہیں:-

"چند غزل و قصائد و قطعہا و رباعیات کہ بجہت شرم و حیا ستر و اخفار آں لازم است نامرتب در بیاضہا افتادہ بود و بہ نسبت بے حیائی کہ لازمۂ طریقہ شاعری است نوشتہ شدہ و در دیباچۂ رسالہ جزوے از شرور عذر کم گوئی کہ متضمن معنی قباحت فہمی است ذکر کردہ شدہ"

اس کا کوئی نسخہ موجود نہیں ہے۔ ایام طالب علمی میں ایک مثنوی آداب المطالعۃ والمناظرہ لکھی تھی۔ وہ بھی نایاب ہے۔ صحیفۃ المودۃ میں دوستوں کے نام خطوط تھے۔ اس کا بھی اب پتہ نہیں ملتا۔

ان حالات میں شیخ محدث کے شاعرانہ کمالات کے متعلق تفصیلی بحث ممکن نہیں۔ اُن کی تصانیف میں اشعار کثرت سے ملتے ہیں، اور غالباً بیشتر ان ہی کے ہیں، لیکن یقین کے ساتھ ان کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بہر حال جن اشعار کے متعلق یقین ہے کہ وہ شیخ محدث ہی کے ہیں، ان کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے کلام میں درد، تاثیر، علو معانی، استادانہ پختگی اور شیرینی سب کچھ ہے۔

ؔ فہرست کتب۔ جلد اول۔ ص ۳۲۶۔

یہ رسالہ نظر سے نہیں گزرا۔ فہرست میں جن دیگر رسالوں کے ساتھ اس کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں چند موضوع ہیں۔ اور کچھ کی نسبت غلط ہے۔ ممکن ہے کہ اس رسالہ کے متعلق بھی غلط فہمی ہوئی ہو۔

(۱) اشعار جو تصانیف میں ملتے ہیں

دوش از کثرت اغیار بجانم دادند — رہ بسوے حرم وحدتِ ذاتم دادند
حقی از گوشۂ دہلی نہ نہم پا بیروں — خود گرفتیم کہ مُلکِ گجراتم دادند

حقی کجا و صحبت کس کز خیالِ دوست — دارد بخود چو مردم دیوانہ عالمے

حقا بیانِ شوق بپایاں نمی رسد — کوتاہ ساز قصۂ دور و دراز را

عجب ز اطوار خود پسند انست — طور ما طور دردمند انست
ہیچ چیزے چو دردمندی نیست — کہ درو بوئے خود پسندی نیست

(المکاتیب ص ۲۹۹)

حقی تو ز تاریخ و حکایات گوئی — در راہ تتبع روایات پوئی
در زاویۂ فقر نشستی کاسے — جز ذکر خدائے نفی و اثبات مجوئی
حقی ز پئے قصہ و افسانہ شدی — چوں مردم روزگار فرزانہ شدی
درویش ترا ز ذکر شاہاں چہ غرض — مفتون سخن گشتی و دیوانہ شدی
مقصود اہل ذوق ز ذکر گذشتگاں — تنبیہ عبرت است چہ مسکیں چہ بادشاہ

(ذکر ملوک)

مخدومے عارف زماں مشتاقی — وے گفت بوقت نقل مشتاق ختم
۹۸۹
حقی چو بتاریخ وفاتش نگریست — نوک قلمش ہماں سخن کرد رقم

صد شکر کہ از تشنگی غم رستم | چوں قطرہ بدریائے کرم پیوستم
برگشتی توفیق ازل بنشستم | وز زمزم قدس چہرۂ دل شستم

(جذب القلوب)

ایں نامہ کہ پایۂ ترقی آمد | شایستہ اقبال و ترقی آمد
جنیدن خامہ وقت تسوید حروف | در دست دل شکستہ حقی آمد

(احوال ائمہ اثنا عشر)

اے آنکہ ترا طالع مسعود بود | دانی کہ مرا از تو چہ مقصود بود
یک فاتحہ از بہر من خستہ بخواں | تا عاقبت کار تو محمود بود

(سفر السعادت)

مرا از دم خاندان کرم | چو جنبید ایں کلکِ مشکیں رقم
ز صاحب دلے کز دم آگاہ بود | دم ہمتے نیز ہمراہ بود
زنی گر ز تاریخ ایں نامہ دم | بر آر از دم خاندان کرم

۱۰۱۸ھ

رفت بر بوئے سر زلف تو حقی بچمن | ور نہ کے بوئے نسیم سحری بود غرض

ہر جوئے کہ آں مدعی کند از جام دحقی | کہ دلدار مرا شاید کہ مقصود امتحاں باشد

(شرح فتوح الغیب)

(۲) اشعار از صبح گلشن

ز دیدہ تیز نگاہش گزشت و در دل خورد | بلائے دیدہ نرگس کہ بر دل افتادہ است
شہیدِ عشق مپندار خفتہ در خاک ست | کہ چشم بستہ و برباد قاتل افتادہ است

بر رخش زلف پرشکن بینید — سنبل افتادہ بر سمن بینید
در گرفت از رخش بگل آتش — آتش افتادہ در چمن بینید
تن او در درون پیراہن — ہمچو جاں در درون تن بینید

آں ترک مردم کش مگو بہر تماشا می رود — شہرے ہمہ شد صید او اکنوں بصحرا می رود
در دیدن آں عشوہ گر طاقت کجا دارد بشر — سوئیش ملک بیند اگر او نیز از جا می رود

قامتش در جلوہ آمد طاقتم بر باد رفت — نرگسش در خواب رفت و فتنہ را بیدار کرد
حال حقی بر تو کے ظاہر شود زیرا کہ وے — حالتے دارد کہ نتواند بخود اظہار کرد

شب فراق کہ از ہجر یار می گریم — بہانہ درد کنم زار زار می گریم
بہر کجا کہ بود ماتمے روم آنجا — بدیں بہانہ ز ہجر نگار می گریم

چناں در غیرتم از تو کہ گر چشمت ترا بیند
پریشاں گردم و خواہم کہ آں چشم تو من باشم

آنکہ ز ورد تو شکرستاں شود جہاں — ریزد بدیں صفت چو شکر از دہاں تو
خوش داری اے رقیب بحقی گمان وصل — یا رب ہمیشہ راست بود ایں گمان تو

رنگ حناست بر کف پائے مبارکت
یا خون عاشق ست کہ پامال کردہٗ

در خواب ہمیشہ با خیال تو خوشم   در بیداری بخط و خال تو خوشم

القصہ چہ در خواب چہ در بیداری   اے مردم دیدہ با جمال تو خوشم [1]

[1] صبح گلشن ص ۱۳۰

فہرست تصانیف شیخ محدثؒ

بترتیب حروف تہجی

نمبر	نام کتاب	فن و موضوع	زبان	کیفیت
۱	اجازت الحدیث فی القدیم والحدیث	ذاتی حالات	عربی	غیر مطبوعہ
۲	اجوبۃ اثنا عشر فی توجیہ الصلوٰۃ علی سید البشر	اعمال	عربی	غیر مطبوعہ
۳	احوال ائمہ اثنا عشر خلاصہ اولاد سید البشر	سیر	فارسی	غیر مطبوعہ
۴	اخبار الاخیار فی احوال الابرار	سیر و تذکرہ	فارسی	مطبوعہ اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا
۵	آداب الصالحین	اخلاق	فارسی	مطبوعہ اردو ترجمہ از قطب الدین [illegible]
۶	آداب اللباس	اخلاق	فارسی	مطبوعہ ۔ اردو ترجمہ
۷	آداب المطالعہ والمناظرہ (مثنوی)	اخلاق	فارسی	غیر مطبوعہ
۸	اسمار الاستاذینؒ	ذاتی حالات	عربی	غیر مطبوعہ
۹	اسماء الرجال الرواۃ المذکورین فی کتاب المشکوٰۃ	حدیث	عربی	غیر مطبوعہ
۱۰	اشعۃ اللمعات فی شرح المشکوٰۃ	حدیث	فارسی	مطبوعہ
۱۱	افکار الصافیہ فی ترجمہ کتاب الکافیہ	نحو	فارسی	غیر مطبوعہ
۱۲	انتخاب المثنوی للمولوی المعنوی	تصوف	فارسی	غیر مطبوعہ
۱۳	انوار الجلیہ فی احوال مشائخ الشاذلیہ	سیر و تذکرہ	فارسی	غیر مطبوعہ

نمبر شمار	نام کتاب	فن موضوع	زبان	کیفیت
۱۴	بناء المرفوع فی ترصیص مباحث الموضوع	علم حکمت	عربی	غیر مطبوعہ
۱۵	تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف	تصوف	عربی	غیر مطبوعہ
۱۶	تحقیق الاشارۃ الی تعمیم البشارۃ		عربی	غیر مطبوعہ
۱۷	ترجمۃ الاحادیث الاربعین فی نصیحۃ الملوک والسلاطین	حدیث	فارسی	غیر مطبوعہ
۱۸	ترجمہ زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار	سیر	فارسی	مطبوعہ
۱۹	ترغیب اہل السعادات علی تکثیر الصلوٰۃ علی سید الکائنات	اعمال	فارسی	غیر مطبوعہ
۲۰	تسلیۃ المصاب لنیل الاجر والثواب	اخلاق	فارسی	غیر مطبوعہ
۲۱	تعلیق الحاوی علی تفسیر البیضاوی	تفسیر	عربی	غیر مطبوعہ
۲۲	تکمیل الایمان وتقویت الایقان	عقائد	فارسی	مطبوعہ، اُردو ترجمہ شائع ہو چکا
۲۳	تنبیہ العارف بما وقع فی العوارف	تصوف	عربی	غیر مطبوعہ۔
۲۴	توصیل المرید الی المراد بہ بیان الاحزاب والاوراد۔	تصوف	مخلوط	مطبوعہ۔ اُردو ترجمہ شائع ہو چکا
۲۵	جامع البرکات منتخب شرح المشکوٰۃ	حدیث	مخلوط	غیر مطبوعہ۔
۲۶	جذب القلوب الی دیار المحبوب	تاریخ	فارسی	مطبوعہ اردو ترجمہ بھی شائع ہو گیا
۲۷	جمع الاحادیث الاربعین فی ابواب علوم الدین	حدیث	عربی	غیر مطبوعہ۔
۲۸	جواب بعض کلمات شیخ احمد سرہندیؒ	تصوف	فارسی	غیر مطبوعہ ضمیمہ میں شائع کیا جائے گا
۲۹	حاشیۃ الفوائد الضیائیہ	نحو	عربی	غیر مطبوعہ۔

نمبر شمار	نام کتاب	فن و موضوع	زبان	کیفیت
۳۰	حسن الاشعار فی جمع الاشعار (دیوان)	شعر	فارسی	غیر مطبوعہ و نایاب
۳۱	درۃ البہیہ فی اختصار الرسالۃ الشمسیہ	منطق	عربی	غیر مطبوعہ
۳۲	درۃ الفرید فی قواعد التجوید	قرأت	عربی	غیر مطبوعہ
۳۳	ذکر ملوک (تاریخ سلاطین ہند	تاریخ	فارسی	غیر مطبوعہ
۳۴	رسالہ شب برات	حدیث	فارسی	غیر مطبوعہ
۳۵	رسالہ صلوٰۃ الاسرار	تصوف	فارسی	غیر مطبوعہ
۳۶	رسالہ عقد انامل	اعمال	فارسی	غیر مطبوعہ
۳۷	رسالہ نورانیہ سلطانیہ	تاریخ	عربی فارسی مخلوط	غیر مطبوعہ
۳۸	رسالہ اقسام حدیث	حدیث	عربی	غیر مطبوعہ
۳۹	رسالہ وجودیہ	تصوف	عربی فارسی	غیر مطبوعہ
۴۰	رسالہ وظائف	اعمال	عربی فارسی	غیر مطبوعہ
۴۱	زاد المتقین	سیر و تذکرہ	فارسی	غیر مطبوعہ
۴۲	زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار	سیر و تذکرہ	عربی	مطبوعہ عربی ترجمہ بھی شائع ہو چکا۔
۴۳	شرح سفر السعادت		فارسی	مطبوعہ
۴۴	شرح شمسیہ	منطق	عربی	غیر مطبوعہ
۴۵	شرح صدور تفسیر آیت نور	تفسیر	عربی و فارسی	غیر مطبوعہ
۴۶	شرح فتوح الغیب	تصوف	فارسی	مطبوعہ
۴۷	صحیفۃ المودۃ	مکاتبات	فارسی	
۴۸	فتح المنان فی تائید مذہب النعمان	فقہ	عربی	غیر مطبوعہ
۴۹	فصول الخطب	خطبات	عربی فارسی	

نمبر شمار	نام کتاب	فن و موضوع	زبان	کیفیت
۳۰	حسن الاشعار فی جمع الاشعار (دیوان)	شعر	فارسی	غیر مطبوعہ و نایاب
۳۱	درۃ البہیہ فی اختصار الرسالۃ الشمسیہ	منطق	عربی	غیر مطبوعہ
۳۲	درۃ الفرید فی قواعد التجوید	قرأت	عربی	غیر مطبوعہ
۳۳	ذکر ملوک (تاریخ سلاطین ہند	تاریخ	فارسی	غیر مطبوعہ
۳۴	رسالہ شب برات	حدیث	فارسی	غیر مطبوعہ
۳۵	رسالہ صلوٰۃ الاسرار	تصوف	فارسی	غیر مطبوعہ
۳۶	رسالہ عقد انامل	اعمال	فارسی	غیر مطبوعہ
۳۷	رسالہ نورانیہ سلطانیہ	تاریخ	عربی فارسی مخلوط	غیر مطبوعہ
۳۸	رسالہ اقسام حدیث	حدیث	عربی	غیر مطبوعہ
۳۹	رسالہ وجودیہ	تصوف	عربی فارسی	غیر مطبوعہ
۴۰	رسالہ وظائف	اعمال	عربی فارسی	غیر مطبوعہ
۴۱	زاد المتقین	سیر و تذکرہ	فارسی	غیر مطبوعہ
۴۲	زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار	سیر و تذکرہ	عربی	مطبوعہ عربی ترجمہ بھی شائع ہو چکا۔
۴۳	شرح سفر السعادت		فارسی	مطبوعہ
۴۴	شرح شمسیہ	منطق	عربی	غیر مطبوعہ
۴۵	شرح صدور تفسیر آیت نور	تفسیر	عربی فارسی	غیر مطبوعہ
۴۶	شرح فتوح الغیب	تصوف	فارسی	مطبوعہ
۴۷	صحیفۃ المودۃ	مکاتبات	فارسی	
۴۸	فتح المنان فی تائید مذہب النعمان	فقہ	عربی	غیر مطبوعہ
۴۹	فصول الخطب	خطبات	عربی فارسی	

کیفیت	زبان	فن و موضوع	نام کتاب	نمبر
مطبوعہ	فارعربی	ذاتی	فہرس التوالیف رتالیف قلب الالیف)	۵۰
غیر مطبوعہ	عربی	حدیث	لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح	۵۱
مطبوعہ	عربی	حدیث	ماثبت بالسنہ فی ایام السنہ	۵۲
مطبوعہ	فارسی	سیر	مدارج النبوۃ	۵۳
مطبوعہ اُردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے	فارسی	تصوف	مرج البحرین	۵۴
غیر مطبوعہ	عربی فارسی	اعمال	مطلب الاعلیٰ فی شرح اسماء اللہ	۵۵
غیر مطبوعہ	عربی فارسی		مطلع الانوار البہیہ فی الحلیۃ النبویہ	۵۶
مطبوعہ	فارسی	تصوف	نکات الحق والحقیقت	۵۷
غیر مطبوعہ	فارسی	تصوف	نکات العشق والمحبت	۵۸
غیر مطبوعہ	فارسی	ذاتی	وصیت نامہ	۵۹
غیر مطبوعہ	فارعربی		ہدایت الناسک الی طریق المناسک	۶۰

حصّہ سوم

شیخ مُحدّثؒ اور اُن کے مُعاصرین

باب (۱) اوّل

حضرت مُجدّد الفِ ثانیؒ

حضرت شیخ احمدؒ سرہندیؒ المعروف بہ مجدد الف ثانی اس عہد کے سب سے زیادہ مشہور ومعروف بزرگ تھے۔ شیخ محدثؒ اور شیخ احمدؒ میں بڑی محبت اور مودت تھی۔ دونوں حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے خرمنِ کمال کے خوشہ چیں تھے اور دونوں کی زندگی کا مقصد احیاء ملت اور ترویج سنت وشریعت تھا۔

عارضی طور پر شیخ محدثؒ کو مجدد صاحبؒ کے نظریات سے کچھ اختلاف پیدا ہوگیا تھا اور انہوں نے مجدد صاحب کی تردید میں ایک رسالہ بھی لکھا تھا جو ضمیمہ کے طور پر اس کتاب میں شامل ہے۔ اختلاف کی نوعیت کا اندازہ اس رسالہ کے مطالعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔ بعد کو جب شیخ مجددؒ نے اپنے خیالات کی وضاحت کی اور اُن کے متعلق سب شبہات دور ہوگئے تو شیخ محدثؒ کی رائے بھی بدل گئی۔ ان کا اختلاف نیک نیتی اور تحفظ شرع وسنت پر مبنی تھا۔ چنانچہ شکوک وشبہات رفع ہوجانے کے بعد اُنہوں نے انتہائی وسعت قلب کے ساتھ حضرت مجددؒ کے کارناموں کا اعتراف کیا۔

اکثر مورخین اور تذکرہ نگاروں نے اس اختلاف کی صحیح نوعیت کو نہیں سمجھا ہے، اور انہوں نے جانبداری سے کام لے کر تائید یا تردید میں بہت کچھ لکھ دیا ہے۔ بعض بزرگوں نے تو اس سلسلہ میں صدق ودیانت ہی کو فراموش کردیا ہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خاں اس اختلاف کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وجہ ایں نقار آنست کہ حضرت شیخ را در تقلید مذہب تعصب بسیار بود و مجدد را در اتباع سنت و رد بدعات طریقت و شریعت صلابت تمام بایں رہ گزر اتفاق میان ہر دو صورت نمی بست[1]"

رسالہ کا مطالعہ کرنے کے بعد نواب صاحب کے اس بیان کی حقیقت خوب واضح ہو جاتی ہے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے اس اختلاف کو مجدد صاحبؒ کی شان میں توہین سمجھ کر طرح طرح کی تاویلات کی ہیں۔ یہاں اس تفصیل کا موقع نہیں۔ یہ اختلاف عارضی تھا اور بہت جلد دور ہو گیا[2]۔ جب جہانگیر نے حضرت مجدد صاحبؒ کو گوالیار کے قلعہ میں بھیجا تو شیخ محدثؒ نے ہمدردی کا ایک خط لکھا جس کا مجدد صاحبؒ نے یہ جواب دیا :-

"الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ مخدوما مکرما۔ در ورود مصائب ہر چند تحمل اذی است امید کرامتہا است بہترین امتحا ایں نشا حزن و اندوہ است و گوارا ترین نعم ایں مائدہ الم و مصیبت ایں شکر پارہا برادرے تلخ غلاف رقیق فرمودہ اند و بایں حیلہ راہ ابتلا و انمودہ سعدا و تمنداں نظر بر حلاوت آنہا انداختہ و آں تلخی را در رنگ شکر می خایند و مرارت را بہ نفس صفرا شیریں می یابند چرا شیریں نیابند کہ افعال محبوب ہمہ شیریں اند۔ خلے کہ از تلخ یابد کہ بجا سوائے گرفتار است۔ دولتمنداں در ایلام محبوب آں قدر حلاوت و لذت می یابند کہ در انعام او متصور نباشد ہر چند ہر دو از محبوب اند لیکن در ایلام نفس محب را مدخلے نیست و در انعام قیام بمراد نفس است ۔

ھنیئا لارباب النعیم نعیمھا

اللھم لا تحرمنا اجرھم ولا تفتنا

[1] اتحاف ص ۳۰۵۔
[2] اخبار الاخیار کے اخیر میں کچھ لوگوں نے شیخ مجددؒ کا ذکر بڑھا دیا ہے (مطبع مجتبائی ۱۳۳۲ھ) جو بالکل بے محل ہے۔ اس میں شیخ عبد الحق کا ایک خط خواجہ حسام الدین کے نام نقل کیا گیا ہے جس میں شیخ محدثؒ نے میاں شیخ احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق اپنی اصلی رائے کا اظہار کیا ہے۔ اور نیز اپنے اختلاف کے دور ہونے کا بھی ذکر کیا ہے۔

بعدہم وجود شریف ایشاں دریں غربت اسلام اہل اسلام را مغتنم است۔ سلمکم اللہ سبحانہ وابقاکم والسلام"[1]

شیخ مجدد نے شیخ محدث کے احباب اور متعارف لوگوں سے بھی خصوصیت برتتے تھے اور ان کا کوئی کام کرنے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ مرزا داراب بن عبدالرحیم خاں خاناں کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"ثانیاً سفارش شیخ اسماعیل می نماید از آشنایاں معارف آگاہی حاجی عبدالحق است"[2]

شیخ نورالحق کے نام ایک طویل مکتوب پڑھنے کے قابل ہے۔ اس میں اخوی اعزی کہہ کر شیخ نورالحق کو مخاطب کیا ہے۔[3]

شیخ مجدد کے ان سب مکتوبات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں اور شیخ محدث میں بے حد خلوص اور یگانگت کے تعلقات تھے یہی نہیں بلکہ مجدد صاحب ان کے وجود کو اس دور میں ایک نعمت سمجھتے تھے، اور ان کی روحانی صلاحیتوں کے معترف تھے۔

---

[1] مکتوبات جلد ثانی مکتوب ۲۹ ص ۴۶۔ مجموعہ مکتوبات میں ایک اور خط (م ۱۱۵ جلد اول ص ۱۳۵، ۱۳۶) بھی شیخ محدث کے نام ہے۔

[2] مکتوبات جلد اول ص ۲۶۸۔ م ۲۳۹

[3] خط کا عنوان ہے: "در کشف سرگرفتاری حضرت یعقوب بحضرت یوسف" (م ۱۰۰ ج ۳ ص ۱۷۶)

باب دوم[۲]

حضرت شاہ ابوالمعالیؒ

حضرت شاہ ابوالمعالی قادریؒ، شیخ داؤد کرمانی شیرگڈھیؒ کے برادر زادے، داماد اور خلیفہ تھے۔ قادریہ سلسلہ کی نشرواشاعت کے لیے انہوں نے مسلسل اوران تھک کوششیں کی تھیں۔ ارشاد و تلقین میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے۔ کئی کتابیں بھی لکھی تھیں۔ جن میں تحفۂ قادریہ، نغمات داودی، مونس جاں، زعفران زار، گلدستہ باغ ارم وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ شعر بھی کہتے تھے۔ غربتی تخلص تھا۔ ملا عبدالقادر ان کے متعلق لکھتے ہیں:

> "درچابک روئی یگانہ زمانہ و در حالات و مقامات فقر و فنا نشانہ، اگر ذکر سوابقاں رود نام او وفق، اگر نام سابقاں درمیان آید ذکر او اسبق"[۱]

شیخ محدثؒ کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ شرح فتوح الغیب کے خاتمہ پر ان کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

> "اسدالدین شاہ ابوالمعالی کہ شیر بیشۂ جلالت و سرہنگ دیوان قدرت واز دالہاں آگاہ و عاشقان درگاہ قادریہ است"[۲]

اخبار الاخیار میں شیخ داؤد کے ذکر میں لکھتے ہیں:

۱؎ اخبار الاخیار۔ ص ۲۰۱-۲۰۲
۲؎ شرح فتوح الغیب۔ ص ۳۲۱۔
۳؎ منتخب التواریخ جلد سوم۔ ص ۱۰۲

"اکنوں جانشین شیخ داؤد شیخ ابوالمعالی است کہ بغایت مناسب عالی وقدر متعالی دارد و ریاضت ومجاہدہ میکشد وقبولی تمام یافتہ وحسن مقال وضمیر صحت حال ساختہ مناقب حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ را درلباس عبارت فارسی درآوردہ" [1]

شیخ محدث ان سے اپنا "احوال دروں" بیان فرمایا کرتے تھے اور ان کی روحانی رہنمائی اور دعاؤں کے ملتجی رہتے تھے۔ ایک خط میں انھوں نے نہایت تفصیل سے اپنی قلبی کیفیات کو بیان کیا ہے۔ "نفس بدکیش" نے ان کو دھوکا دیا کہ "تو آہن سردمی کوبی دراویں راہ نصیبے نیست" اور ترغیب دی کہ عوام کی راہ اختیار کر کہ اس میں بے شمار فوائد ہیں۔ اس طرح ان کے اندر ایک عجیب ذہنی اور قلبی کشمکش پیدا ہوگئی۔ جب قلق واضطراب نے کرب وبے چینی کی صورت اختیار کرلی تو انھوں نے شاہ صاحب سے رجوع کیا اور امداد کی التجا ان الفاظ میں کی —

"بالجملہ اندوہ وتنگ دلی ازحد گذشتہ وقت امداد واعانت است، فریادرسی می باید کرد وراہ اغاثہ کبری کہ منتہی بجناب حضرت غوث الاعظم است می باید پوشید وذرع داؤدی در برکرد ودر قالب حقیقت عظمی غوثیہ درآمد وتصرف کرد وتوجہ بارواح مقدسہ مشائخ سلسلہ نمودہ واستکشاف حال کرد وخبرے گرفت واعلام نمود تا دل ہرگز قرار آید۔

دل می رود زدستم صاحبدلاں خدارا

دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا" [2]

خط کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت شیخ محدث سخت قسم کی قلبی تکلیف میں مبتلا تھے۔ اور انھیں شاہ ابوالمعالی کے علاوہ کوئی دوسرا بزرگ نظر نہ آتا تھا جس سے رہنمائی اور امداد کے خواہاں ہوں۔ اسی مکتوب کے آخر میں نہایت غمگیں لہجہ میں یہ شعر لکھا ہے۔

---

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۳۰۲ [2] کتاب المکاتیب۔ ص ۲۲۷۔

فریاد دل غم زدہ را گر نکنی گوش
پس پیش کہ از دست تو فریاد تواں کرد[1]

شیخ محدثؒ ان کی روحانی صلاحیتوں کے دل سے قائل تھے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں کہ ایسا سنگ دل کون ہو سکتا ہے جو اُن کی صحبت کے اثر سے نرم نہ ہو جائے پھر فرماتے ہیں :-

"ذوق صحبت ایشاں و رنگ حال ایشاں کہ در ظاہر و باطن فقیر نشستہ است
بتقریر نگنجد و بیان ندارد"[2]

شیخ محدث نے ان کو اپنا روحانی رہبر بنا لیا تھا۔ ایک مرتبہ کچھ اہم باتیں دریافت کرنے کے لیے شیخ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے سب مشکلات حل کرنے کے بعد کہا کہ اگر تو نے افشائے راز کیا تو

"ترا رسوائے مرد و زن سازیم"

اس کے بعد لاہور میں کچھ عرصہ کے لیے مقید کر دیا[3]۔ اس قید سے شاہ ابو المعالی کا مقصد اُن کی روحانی تربیت تھی۔ یہ ۱۰۲۵ھ سے قبل کا واقعہ ہے[4]۔

شاہ ابو المعالیؒ نے شیخ محدثؒ کو بہت سے مشورے دیے تھے جن پر وہ تمام عمر عامل رہے اور جن کی وجہ سے ان کے علمی کاموں میں بڑی سہولت پیدا ہو گئی تھی۔ مثلاً فرمایا کہ

"بگفتگوئے خلق و ملامت ایشاں گوش نہ نہند و در کار خود بجد باشید"[5]

شیخ محدثؒ کے تصنیفی کارناموں میں بھی ایک حد تک شاہ ابو المعالیؒ کے مشورہ اور اصرار کو دخل تھا۔ فتوح الغیب کی شرح انہی کے اصرار پر لکھی گئی تھی[6]۔ مشکوٰۃ کی شرح کے

---

[1] کتاب المکاتیب۔ ص ۲۲۰ [2] ایضاً۔ ص ۳۰۵ [3] ایضاً۔ ص ۳۰۲۔
[4] اسی خط میں شیخ لکھتے ہیں کہ شاہ ابو المعالی نے مشکوٰۃ کی شرح مکمل کرنے کا اصرار کیا تھا۔ شرح مشکوٰۃ ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء میں مکمل ہوئی
[5] کتاب المکاتیب۔ ص ۳۰۲ [6] شرح فتوح الغیب۔ ص ۳۲۱۔

سلسلہ میں انہوں نے فرمایا تھا کہ جلد اس کو مکمل کرلو۔

ان شاء اللہ کتابے شود کہ اہل عالم ہمہ ازاں مستفید شوند۔[۱]

اس کے بعد مشورہ دیا تھا کہ شرح میں جابجا اشعار درج کیے جائیں تاکہ انداز بیان دلچسپ اور موثر ہو جائے۔

حضرت شاہ ابوالمعالیؒ نے شیخ محدثؒ کو ہدایت کی تھی کہ وہ دہلی سے باہر قدم نہ نکالیں دہلی میں گوشۂ تنہائی میں بیٹھے ہوئے اپنا کام کریں۔ ایک مرتبہ شیخ محدثؒ شاہ صاحب سے ملنے کے لیے لاہور چلے گئے تو ان کو اس سے بھی ناگواری ہوئی اور فرمایا:

"اکنوں بدہلی بروید کہ دہلی در فراق شما بزبان حال می نالد، بروید، بروید"[۲]

ایک مرتبہ شاہ ابوالمعالی کی علالت کی خبر سُن کر شیخ محدثؒ نے عیادت کے لیے لاہور جانے کا ارادہ کیا، لیکن جب شاہ صاحب کی تنبیہ کا خیال آیا تو مجبور ہو کر بیٹھ رہے اور اس مضمون کا ایک عریضہ ارسال خدمت کیا:

"تقیۂ شوق ومحبت ومقتضائے عرف وعادت آں بود کہ بشنیدن ایں حال بیتابانہ بملازمت می رسید کہ امروز دوستی برائے خود کہ خیر دنیا وآخرت خواہد جز ذات شریف ایشاں را نمی داند، دل وجان فدائے ایں محبت بلکہ ہر جا کہ نشانے از محبت است باد اما چوں رضاء ایشاں بخلاف ایں حال متعلق شدہ است جرأت نتوانست"[۳]

جب صحت کی اطلاع ملتی ہے تو لکھتے ہیں۔

"حق جل وعلا سایۂ عنایت ومحبت ایشاں را بر فقرائے ایں سلسلہ پائندہ دارد کہ وسیلہ حل بسے از مشکلات وسبب آسانی دشواریہاست"[۴]

---

۱ کتاب المکاتیب۔ ص ۳۰۶۔ ۲ ایضاً ص ۳۰۳
۳ ایضاً۔ ص ۲۲۳-۲۲۴ ۴ ایضاً۔ ص ۲۲۳۔

باب (۳) سوم

شیخ عبداللہ نیازیؒ

میاں عبداللہ نیازیؒ شیخ سلیم چشتیؒ کے خلیفہ تھے۔ اپنے زمانہ کے مشہور مشائخ میں شمار کیے جاتے تھے۔ آخری عمر میں سید محمد مہدی جونپوریؒ کے زیراثر مہدوی ہو گئے تھے۔ بیانہ میں ان کی زندگی کا نقشہ مولانا ابوالکلام آزاد نے اس طرح کھینچا ہے:

"بیانہ میں شہر سے باہر ایک ویران باغ تھا۔ وہیں مٹی کا جھونپڑا بنا لیا اور مقیم ہو گئے اپنے ہاتھ سے پانی بھرتے مشکے سر پر اٹھا کر لے جاتے۔ پیاسوں کو پلاتے اور نمازیوں کو وضو کرا دیتے۔ بوڑھے آدمیوں کو دیکھتے کہ بھاری بوجھ اٹھائے جا رہے ہیں تو ان سے چھین کر خود اٹھا لیتے اور کوسوں دوڑتے ہوئے ساتھ چلے جاتے [1]

با سبک روحاں کن آمیزش کہ مانندی چوں نزاہ

بازِ غم بر دوش دل منزل بمنزل می برند

نماز کا وقت آتا تو لکڑہاروں اور سقوں کو جمع کرتے اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے کسی پیشہ ور کو دیکھتے کہ عذر معاش سے نماز میں شریک نہیں ہوتا تو اپنی کمائی اس کو دیدیتے اور منت و زاری کے ساتھ کہتے کہ جماعت میں شریک ہو کر نماز پڑھ لو وہ پڑھ لیتا تو ایسے خوش ہوتے گویا دنیا جہان کی پادشاہت اس نے دے دی: روز بروز یہ حالت بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ "عشق خالق" اور "خدمت خلق" کے سوا کسی اور بات سے واسطہ نہ رہا۔

دو عالم را ز شعلہ جانش سوخت — بجز متاع محبت کہ در پناہ وفت" [1]

---

[1] تذکرہ، ص ۳۴۲-۳۴۴ (کلکتہ ایڈیشن)

کتاب المکاتیب میں ایک خط "رعایۃ الانصاف والاعتدال فی اعتقاد الصوفیۃ من ارباب الاحوال" میاں عبداللہ نیازی کے نام ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ محدث کے ان سے مخلصانہ مراسم تھے اور وہ میاں عبداللہ کے متعلق بہت اچھی رائے رکھتے تھے۔ لکھتے ہیں:-

"مکتوب مرغوب نصیحت اسلوب رسید و بمطالعہ آں مشرف شد و از نصائح آں فوائد کتاب مراۃ الصفا کہ مصحوب مکتوب ارسال داشتہ بودند بہرہ مند و مستفید گشت و بر نعمت پروردگار کریم جل جلالہ وظیفہ شکر گزاری بجا آورد کہ بارے دریں روزگار جماعہ ہستند کہ بقول و فعل تحریص و ترغیب بر متابعت سنت سید الانبیاء صلوات اللہ و سلامہ علیہ و علیہم می نمایند و از مبتدعات و مستحدثات اجتناب نمودہ دیگراں را نیز منع و نہی می فرمائید۔"[1]

شیخ نیازی نے اپنے خط میں صوفیہ کے متعلق بعض خیالات کا اظہار کیا تھا۔ شیخ محدث کو ان خیالات سے اختلاف تھا۔ اس خط میں انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں ان تمام اعتراضات پر بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ تصوف کی حقیقت کیا ہے؟ صوفیہ صافی کون ہیں؟ ان کے متعلق کیا عقیدہ رکھنا چاہیے؟ حضرت شیخ محیی الدین ابن عربیؒ کی تصانیف کی کیا اہمیت ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ حاصل کلام یہ ہے کہ تصوف صرف وہ ہے جو "موافق کتاب اللہ و سنت رسول اللہ" ہو۔ باقی سب گمراہی ہے۔ مشائخ کا تصوف ایسا ہی تھا جو لوگ کتاب و سنت پر عامل نہیں وہ صوفی نہیں۔ ان کو "حشویہ" یا "باطنیہ" کہنا چاہیے اور ان کے عمل کو صوفیہ صافی کا عمل سمجھ کر حقیقی تصوف کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے۔ حقیقی صوفیہ کا مرتبہ بہت اعلیٰ اور ارفع ہے۔

"اہل عنوان صوفیہ مرتبہ عظیم و مقامے رفیع و مسلک طریق مستقیم است"[2]

---

[1] کتاب المکاتیب والرسائل۔ ص ۴۰۔ [2] ایضاً۔ ص ۵۱

باب (۴) چہارم

نواب مرتضیٰ خاں شیخ فرید

نواب مرتضیٰ خاں شیخ فرید، دورِ مغلیہ کے مشہور اکابر و اعیان سلطنت میں سے تھے۔ اکبر کے عہد میں وہ بخشی کے عہدے پر مامور تھے لیکن بقول مصنف اقبال نامہ جہانگیری "بخشی بود و زیر نشان" جہانگیر کے عہد میں اُن کی دیانت، راست بازی اور محنت کی بہت قدر کی گئی اور ان کو گجرات کا والی مقرر کر دیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد ان کو پنجاب بھیج دیا گیا اور وہیں اُنہوں نے ۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء میں وصال فرمایا[1] اور دہلی میں سپردِ خاک کیے گئے۔[2]

شیخ فرید کو اللہ تعالیٰ نے ایک حساس قلب اور بیدار مغز عطا فرمایا تھا۔ علماء و مشائخ سے ان کو گہری عقیدت تھی۔ شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں:-

"شیخ فرید بخاری کہ از اعاظم امرائے آں زماں بود جامع بود درمیان نجابت و صلاح و اعتقادِ مشائخ صوفیہ"[3]

وہ مذہبی شعار کو رواج دینے کے لیے بے چین رہتے تھے۔ اسی تگ و دو میں اُن کا وقت صرف ہوتا تھا، انہیں کوئی لگن تھی تو یہی، کوئی مصروفیت تھی تو یہی۔ اُن کے زمانے کے علماء و مشائخ نے اس جذبے کو سمجھ لیا تھا، اور وہ پوری طرح اس کی قدر کرتے تھے۔ اکبری دور میں جب سنت و شریعت سے بے تعلقی بڑھی اور محلات شاہی فتنہ و فساد کا مرکز بنے تو حالات

---

[1] جہانگیر کو جب ان کی وفات کا علم ہوا تو "ازیں خبر ناخوش خاطر آزردگی تمام بہم رسانید" تزک جہانگیری ص ۱۵۹

[2] ملاحظہ ہو، واقعات دار الحکومت دہلی۔ جلد سوم

[3] انفاس العارفین۔

کی اصلاح کے لیے علما و مشائخ کی نظرِ انتخاب ان ہی پر پڑی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنی انقلابی تحریک میں اُن سے دست راست کا کام لیا۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے نقشبندیہ سلسلہ کی ترویج میں اُن کی ہمدردیوں سے فائدہ اٹھایا۔ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے احیاءِ سنت و شریعت کے لیے اُن ہی کی حمیت دینی کو متحرک کیا۔

مشائخ کی نظر میں شیخ فرید کی جو قدر و منزلت تھی اس کا کچھ اندازہ خواجہ باقی باللہؒ کے مکتوبات سے ہو سکتا ہے۔ حضرت خواجان کو قبلہ گاہی سلامت کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ ایک بار اپنی مجلس میں فرمانے لگے:

"شیخ را برما حقہا است و بروسیلۂ وجود ایشاں دریں راہ کشایشہا دیدہ ایم"[1]	ہم پر شیخ کے بہت حق ہیں اور ان کے وجود کی برکت سے ہم نے بڑی فتوحات اور کشایش دیکھی ہیں۔

مجدد صاحبؒ ایک مکتوب میں ان کے احسانات کا ذکر کرتے ہوئے یہ شعر لکھتے ہیں:

گر برتن من زبان شود ہر موئے
یک شکر تو از ہزار نتواں کردن[2]

شیخ فرید کے شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ سے بہت گہرے تعلقات تھے۔ شیخ محدثؒ خود ان کا بڑا ادب و احترام کرتے تھے۔ کتاب المکاتیب والرسائل میں مندرجہ ذیل سات خطوط شیخ فرید کے نام ہیں:

(۱) تحصیل المطلوب بانتظار المحبوب و رعایۃ الاعتدال فی العلم والحال (ص ۴۲-۴۸)

(۲) تقسیم الانام علی اربعۃ اقسام (ص ۸۳-۸۴)

(۳) تنبیہ الغافلین بخساء الدنیا وارباہا واغترار الجاہلین بزخارفہا واسبابہا (ص ۸۴-۹۱)

(۴) تجدید الذکر فی بیان حقیقۃ الشکر (ص ۹۹-۱۰۲)

---

[1] کلمات طیبات۔ ص ۸۲ [2] مکتوبات مجدد الف ثانیؒ

(۵) تسبیب الخیر لدفع الغیر و دوام الالتجاء بالخوف والرجاء (ص ۱۰۸-۱۱۱)

(۶) کشف ما استار النظم عن لسان الحال والقال والقلم (۱۱۱-۱۱۵)

(۷) التعظیم لامر اللہ والشفقۃ علی خلق اللہ (ص ۱۶۰-۱۶۶)

ان مکتوبات کا ایک ایک لفظ پر معنی ہے۔ شیخ محدثؒ اور شیخ فرید کے باہمی تعلقات کی نوعیت اور اس زمانہ کی مذہبی اور سماجی حالات پر بڑی مفید اور دلچسپ روشنی پڑتی ہے۔ اگر ان خطوط کے مطالعہ کے وقت یہ بات بھی ذہن میں رکھی جائے کہ یہ زیادہ تر عہد اکبری میں لکھے گئے ہیں تو ان کا صحیح مفہوم سامنے آجاتا ہے۔

پہلے خط میں شیخ محدثؒ تین ہدایتیں کرتے ہیں:

(۱) طلب صادق پیدا کرو۔

(۲) پاداش عمل کا خیال رکھو۔

(۳) ظاہر و باطن میں کامل امتزاج پیدا کرو۔

"طلب صادق" کی وضاحت اس طرح کرنے کے بعد ——

"طلب بر جان طالب چناں غالب آید و استیلا یابد کہ ہیچ مقصودے و ہیچ آرزوے وراں مزاحم نیاید و غلبہ شوق و تعطش بآں سرحد رسد کہ اگر عقلائے عالم حکم کنند کہ حصول بدیں مطلوب محال است و حصول ایں مقصود متعذر، ایں سخن در گوش اصلاً در نیاید"[۱]

فرماتے ہیں کہ بیکار بیٹھنے کی گنجائش نہیں۔ جو کچھ کر سکتے ہو کرو۔ یہ خیال نہ کرو یہ چھوٹا سا کام ہے۔ اللہ نے ہر کام کا اجر مقرر کیا ہے۔ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ و من یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ پھر ظاہر و باطن کے امتزاج پر نہایت ہی پرتاثیر گفتگو کرتے ہوئے یہ شعر پڑھتے ہیں ؎

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن[۲]

[۱] کتاب المکاتیب ۔ ص ۴۔ [۲] ایضاً ۔ ص ۴۶۔

ایک خط میں ارشاد ہوتا ہے کہ دین کے دو بازو ہیں۔ التعظیم لامر اللہ اور الشفقۃ علی خلق اللہ۔ دونوں کی وضاحت کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

"اما مقام التعظیم لامر اللہ عالی تر وشان ومرتبہ وے در اعلاء کلمۂ اسلام وتشئید وتائید امر دین وملت بالاتر از آنست وبحقیقت ہیچ کارے کہ باعث قبول وسفید روئی مرد در بارگاہِ عزت ودرگاہ نبوت تواند شد، بالاتر ازاں نیست کہ در تقویت دین وملت وترویج وتائید سنت کوشد ودراں بذل مجہود نماید ودر سواد آں لشکر اگرچہ تن تنہا باشد بیفزاید" [1]

شیخ محدثؒ امراء سے دین کے جس بازو کو قوی کرنے کی اُمید رکھتے تھے اس کو نہایت عمدگی اور صفائی سے اس جملہ میں بیان کر دیا ہے۔ وہ امراء کو اعلاء کلمۂ حق کے لیے تیار کرنا چاہتے تھے۔ شیخ فرید نے اس سلسلہ میں جس خلوص اور انہماک کا ثبوت دیا اس کا اندازہ اس خط سے ہوتا ہے جو شیخ محدثؒ نے ان کی عیادت کے لیے لکھا ہے۔

"مقصود وغرض دعا بود وشکرانہ وجود شریف وصحت وسلامت ذات بابرکات از عارضہ ضعف کہ عنصر لطیف طاری شدہ بود، الحمد للہ کہ بطالع فقراء ودرویشاں وتوجہ محباں کدورت غبار وحشت از چہرہ مقصود زود بصفا مبدل شد، وجود شریف ایشاں غنیمت است وبقاء ذات بابرکات محض حکمت وعین مصلحت" [2]

ایک خط میں اُن کے متعلق فرماتے ہیں :-

"حق تعالیٰ از آنحضرت بر زمرہ فقراء وقت ثابت شدہ است" [3]

آگے ارشاد ہوتا ہے :

"گاہے گاہے ایں خس ریزہ را کہ آنرا قلم نامند بر دست ایں حقیر جریاں می دہند وآنچہ لائق روزگار اصحاب وموافق حال ایں فقیر بود حرفے سر می زند" [4]

---

[1] کتاب المکاتیب - ص ۱۹۱
[2] کتاب المکاتیب - ص ۱۱۱
[3] ایضاً ص ۱۰۲
[4] ایضاً ص ۱۰۲

اس کے بعد خاموشی سے لکھتے ہیں —

"اگر در انشائے آں حرف آشنا سرزد زہے سعادت وقبول اما بشرط ستر وکتمان

تا سخن در پردہ بماند وقدم از جادہ ادب بیروں نیفتد" [1]

شیخ محدثؒ کا یہ جملہ حقیقت میں اُن کے خطوط کا مفہوم سمجھنے کے لیے کلید کا کام دیتا ہے۔ وہ "ستر وکتمان" کے قائل تھے "در پردہ" بات کرتے تھے۔ غیر ضروری ہنگامہ آرائی انہیں پسند نہ تھی جو مقصد پیش نظر تھا وہ خاموشی اور احتیاط سے بھی حاصل ہو سکتا تھا۔

ایک جگہ لکھتے ہیں کہ مجھے خط لکھتے ہوئے بڑی سراسیمگی اور پریشانی ہوتی ہے۔ وجہ یہ بتاتے ہیں:

"ولا در انشائے مکاتیب خصوصاً وقتے کہ مکتوب الیہ در غایت عزت ورفعت

درجہ وکاتب در نہایت ناکسی وخواری افتد ایں جا قلم زن سراسیمہ وحیران

بود وقلم از وے سراسیمہ تر وحیران تر" [2]

پھر فرماتے ہیں کہ خدا کا شکر ہے کہ جناب والا میں مدح وستائش کی تمنا بالکل نہیں ہے۔

[1] کتاب المکاتیب، ص ۱۰۲ [2] ایضاً ص ۱۱۳ -

باب پنجم (۵)

عبدالرحیم خانخاناں

بیرم خاں کے فرزند عبدالرحیم خاں خاناں[1] (۹۶۴۔۱۰۳۶ھ) کا نام مغلیہ عہد کی تاریخ میں علم و فضل، اور شجاعت و شہامت دونوں کی وجہ سے مشہور ہے۔ عرفی اسے مخاطب کرکے کہتا ہے ؎

اے داشتہ در سایۂ ہم تیغ و قلم را!

وہ اپنے زمانہ کا جید عالم تھا۔ دنیا کی بہت سی زبانوں پر پوری قدرت رکھتا تھا۔ مآثر الامراء میں لکھا ہے:۔

"خانخاناں در قابلیت و استعداد یکتائے روزگار بود و او عربی و فارسی و ترکی و ہندی روان داشت۔ شعر خوب می فہمید و می گفت۔ رحیم تخلص می کرد۔ گویند کہ با کثر زبانہا کہ در عالم رائج است حرف می زد"[2]

مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ خانخاناں اس درجہ کا سخن سنج تھا کہ اگر وہ شاعری میں پڑتا تو عرفی اور نظیری کا ہمسر ہوتا[3]۔

شجاعت و تہور کا یہ عالم تھا کہ دکن (جو بہت سے مغل سپہ سالاروں کی شہرت کا مدفن تھا) ہمیشہ اس کی شہامت و بہادری کے افسانوں سے گونجتا رہا۔ محمد غوثی نے

---

[1] تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو، مآثر رحیمی، عبدالباقی نہاوندی، نیز مآثر الامراء، حصہ دوم

[2] مآثر الامراء۔ جلد دوم۔ ص ۷۰۹۔

[3] شعر العجم

اس کے اخلاق، معنوی فقر، فصاحت و بلاغت بخشش و کرم اور حافظہ کی بڑی تعریف کی ہے۔ اس کو صوفیہ اور مشائخ کی صحبت میں بیٹھنے کا بہت شوق تھا اور ان سے بڑی عقیدت کے تعلقات رکھتا تھا۔ مجدد صاحبؒ کے مجموعہ مکتوبات میں متعدد مکتوبات اس کے نام کے ہیں۔
شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے بھی نواب خان خاناں سے بہت گہرے تعلقات تھے۔ اکبری عہد میں جن امراء نے اپنے دینی احساس و شعور کو بیدار رکھا تھا، اُن میں نواب خان خاناں بھی تھے۔ اور صرف یہی ایک بات شیخ محدثؒ کی نظر میں اُن کی عزت اور عظمت قائم کرنے کے لیے کافی تھی۔ کتاب المکاتیب میں مندرجہ ذیل پانچ خطوط شیخ نے ان کے نام لکھے ہیں

(۱) اختیار التخلی لانتظار التجلی (ص ۷۰-۷۳)
(۲) تذکیر اولی الاحلام بان لذات الدنیا کلہا آلام و رفع التعب والعنا بالجمع بین الفقر والغنا۔ (ص ۷۷-۸۰)
(۳) سلوک اقرب السبل بالتوجہ الی سید الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ص ۹۱-۹۶)
(۴) صدق التعطش والدوام فی طلب المقصد والمرام (ص ۹۶-۹۸)
(۵) اتحاف الاحبہ ببیان حدیث المحبۃ (ص ۱۰۲-۱۰۶)

ان خطوط سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خان خاناں کو صرف بزرگوں کی صحبت ہی سے دلچسپی نہ تھی بلکہ سلوک و معرفت کی وادیوں کی سیر کرنے کا بھی شوق تھا۔ اور اسی وجہ سے وہ مشائخ سے مراسلت رکھتا تھا۔ شیخ محدثؒ نے اپنے مکتوبات میں بعض باتیں اُس کی روحانی تربیت کے لیے لکھی ہیں۔ بعض باتوں کا مقصد احیاء شریعت و سنت کے لیے اس کی حمیت دینی کو جوش دلانا ہے۔ ان مکتوبات کا ایک ایک حرف جذبے اور تاثیر سے ڈوبا ہوا ہے۔
مکتوب اول میں "عمل دیم" کی تلقین اس طرح کرتے ہیں کہ

"در تمام سال شبے و در ماہے ہفتہ و در ہفتہ روزے و در روزے ساعتے" [۲]

---

[۱] گلزار ابرار، ص ۶۲۶-۶۲۷ [۲] کتاب المکاتیب والرسائل، ص ۷۳۔

انسان اپنے کام میں مشغول رہے۔ ایک لمحہ کی کوتاہی بعض اوقات مہلک ثابت ہوتی ہے۔

فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ "حصول یقین" کے انتظار میں عمل کو ٹالتے رہتے ہیں یہ ٹھیک نہیں:-

"شیخ ذکراشہ باالخیر می فرمود، در اول حال
اختیار عمل را مشروط بحصول یقین نباید داشت
وہماں قدر تصدیق کہ حاصل است اگرچہ
اعتقاداً و تقلیداً باشد شروع در عمل باید کرد،
تاہم از صفا معاملت و نورانیت عمل رفتہ
رفتہ حجاب ریب از جمال شاہد غیب بر افتد
و نور یقین جلوہ گر آید راضی شدن بنقصان
و تسویف و تاخیر سعی در ازالہ و علاج آں
مقصد را دور تر اندازد و علت بُعد و حجاب
را مستقر و متمکن سازد و ختم و طبع و زیں کشد
نعوذ باللہ منہا، یقین است کہ صاحب
فطرت سلیم ہرگز از جادہ سلامت طریق
استقامت بدر نیفتد .... یکے
از محققان گفتہ است کہ فطرت سلیمہ مجبول
است بر اختیار دین اسلام"۔ [1]

شیخ ذکر اللہ بالخیر فرماتے تھے کہ ابتدائے حال
میں عمل کو حصول یقین کے ساتھ مشروط نہیں
کرنا چاہیے۔ اسی تصدیق پر جو حاصل ہے۔
(اگرچہ وہ اعتقاداً اور تقلیداً ہی کیوں نہ ہو) عمل
شروع کر دینا چاہیے تاکہ معاملہ کی صفائی اور عمل
کی نورانیت کی وجہ سے شک و شبہ کا حجاب
شاہد غیب کے جمال سے رفتہ رفتہ اٹھ جائے
اور یقین کا نور جلوہ گر ہو۔ نقصان پر راضی ہو جانے
تسویف اور ازالہ و علاج میں تاخیر کرنے سے مقصد
دور تر ہو جاتا ہے۔ حجاب اور دوری کی علت
مستقل اور مضبوط کر کے دل پر مہر لگا دیتا ہے
نعوذ باللہ منہا۔ یقین ہے کہ فطرت سلیم رکھنے والا
شخص ہرگز سلامتی کی راہ اور استقامت کے طریقے
سے نہیں ہٹیگا ...... ایک محقق نے کہا ہے کہ فطرت
سلیمہ دین اسلام قبول کرنے پر مجبور ہے۔

دوسرے مکتوب میں شیخ محدث "آداب سحر گاہی" کی تلقین اس طرح فرماتے ہیں:-

[1] یہاں حضرت شیخ کے خیالات شاہ کلیم اللہ دہلوی سے بہت ملتے ہیں۔ شاہ کلیم اللہ صاحب اپنے خلفاء کو ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ وہ اس انتظار میں نہ رہیں کہ غیر مسلم پہلے مسلمان ہو جائیں پھر ان کو ذکر بتایا جائے ذکر پہلے بتا دیا جائے وہ خود ان کو ربقۂ اسلام میں کھینچ لیگا۔ ملاحظہ ہو "مشائخ چشت" باب اول شاہ کلیم اللہ دہلوی

[2] کتاب المکاتیب۔ ص ۹۳۔

مشائخ گفتہ اند کہ دریں عالم اینچ از لذتہائے بہشت نمونہ گذاشتہ اند ذوق تملق و مناجات

وقت سحراست " [1]

ایک اور خط میں ارشاد ہوتا ہے :

" پیرا و پیر عالمیاں حضرت غوث الثقلین شیخ محی الدین ابی محمد عبد القادر

جیلانی ؒ می فرماید کہ نیم شب برخیز و وضو تازہ بساز و دو رکعت نماز بگذارد و

بسجدہ رو " [2]

ایک جگہ " فقیر صابر " اور " غنی شاکر " کا دلچسپ موازنہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں :-

آنرا کہ سوزش فقر در سازد و غناش از دائرہ بیروں اندازد فقرش مبارک باد

و آنرا کہ غنا براہ اعتدال بردہ با عروس توفیق ہم آغوشی دہد غناش گوارا باد

..... غنی باید کہ فقیر را از خود بہتر داند و فقیر نیز خطبہ فضل غنا بلند تر از پایہ

حال خود خواند تا در جانبین عجب و تکبر راہ نیابد " [3]

ایک مکتوب میں ترویج دین کی اہمیت کو اس طرح بیان فرما کر

" اعظم امور دریں باب ارشاد و ہدایت است و تجدید و ترویج احکام سنت ،

بالا تر ازیں کارے کہ مثمر سعادت ابدی و دولت سرمدی گردد نیست "

سعدی کا یہ شعر ؎

دلے کہ عاشق و صابر بود مگر سنگ است
زعشق تا بصبوری ہزار فرسنگ است

کچھ اس انداز سے پڑھتے ہیں کہ نشتر کا کام کرتا ہے ۔

---

[1] کتاب المکاتیب ۔ ص ۹۳ ۔

[2] کتاب المکاتیب ۔ ص ۸۰

[3] کتاب المکاتیب ۔ ص ۹۸ ۔

[4] کتاب المکاتیب ۔ ص ۱۰۵

باب ششم (۶)

فیضی

شیخ مبارک کا بیٹا، ابوالفضل کا بڑا بھائی، دربار اکبری کا مشہور شاعر فیضی کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ وہ اپنے عہد کا مشہور و معروف شاعر اور ممتاز عالم تھا۔ عربی، فارسی اور سنسکرت کا فاضل تھا۔ قرآن شریف کی تفسیر بے نقط سواطع الالہام کے نام سے لکھی تھی جس کے متعلق غلام علی آزاد بلگرامی کا خیال ہے کہ

"برہان فضیلت شیخ فیضی ..... است کہ دریں ہزار سال پیشتر ہیچ مستعدی را میسر نہ شد" [۱]

محمد حسین آزاد نے صحیح لکھا ہے کہ انشا پردازی فیضی کے قلم کو سجدہ کرتی ہے [۲]۔ اس کے شاعرانہ کمالات کا اعتراف اہل زبان کو بھی کرنا پڑا تھا۔ مولانا شبلی کا خیال ہے:-

فارسی شاعری نے چھ سو برس کی وسیع مدت میں ہندوستان میں صرف دو شخص پیدا کیے جن کو اہل زبان کو بھی چار و ناچار ماننا پڑا۔ خسرو اور فیضی" [۳]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور فیضی میں بہت گہرے تعلقات تھے۔ حجاز کو روانہ ہونے سے قبل وہ فتح پور سیکری میں اُن کی صحبت میں رہے تھے۔ لیکن بعد کو جب فیضی کے عقائد

---

[۱] مآثر الکرام۔ ص ۱۹۹۔ لیکن بدایونی نے اس تفسیر کے متعلق لکھا ہے کہ "برائے شستن بدنامی کتا روز جزا بصد آب دریا شستہ نگردد، درعین حالت مستی وجنابت می نوشت"۔ (منتخب التواریخ۔ جلد سوم ص ۲۹۹

[۲] دربار اکبری۔ ص ۳۷۱

[۳] شعر العجم۔ حصہ سوم۔ ص ۴۲۔

میں بے راہ روی پیدا ہوئی تو شیخ نے اس سے قطع تعلق کر لیا۔ جب شیخ حجاز سے واپس آئے تو فیضی نے ایک خط میں شوقِ ملاقات کا اظہار کیا، اور لکھا ــــ

"اگر بال و پرے می داشتم ہر روز بر بام آں حجرہ می نشستم و دانہ چیں نکات محبت می شدم" [۱]

بدایونی نے لکھا ہے کہ شیخ محدث نے فیضی سے ملنا پسند نہ کیا اور "مکاتیب عذر آمیز نوشت و انقطاع را بہانہ ساخت" [۲]

فیضی کو شیخ محدث سے جو والہانہ عقیدت اور محبت تھی اس کا اندازہ فیضی کے مکتوبات سے لگایا جا سکتا ہے۔ یہ سب مکتوبات اپنی جگہ بے حد اہم ہیں اس لیے ضمیمہ میں شامل کر دیے گئے۔

جس زمانہ میں فیضی اپنی تفسیر سواطع الالہام میں مصروف تھا، اس کی تمنا یہ تھی۔

"تو دی بخدمت میفرستد، کہ انوار نظر دوستاں را تاثیرے دیگر است"

شیخ کا مکتوب گرامی عرصہ تک نہ پہنچا تو لکھا ــــ

"مدتے است کہ آنجانب نسیمے نور زیدہ، سوانح بخیر باد۔ در پناہ حق باشند"

ایک خط میں لکھتا ہے:

"محبت پناہا! دریں ماہ رمضان آوازہ مقدم گرامی بسیار بود، چنانچہ خدام سلالۃ الاصفیاء شیخ موسیٰ بفقیر فرمودند و بجد بودند، یا رب چہ صورت دارد فی الواقع وتوقع پیدا خواہد کہ یا محض حرف و صوتے است باعلام حقیقت حال"

فیضی کا یہ معمول تھا کہ جو تصنیف مکمل ہوتی، شیخ کی خدمت میں روانہ کرتا۔ اور ان کی رائے معلوم کرنے کا متمنی رہتا۔ یہاں فیضی کی شیخ محدث سے عقیدت و ارادت پر تفصیلی گفتگو کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ وہ تمام مکتوبات جو لطیفہ فیضی میں شیخ کے نام ہیں یہاں درج کیے جا رہے ہیں۔

---

[۱] منتخب التواریخ۔ ج ۳۔ ص ۱۱۶-۱۱۷۔ [۲] ایضاً۔ ص ۱۱۶۔

فیضی کی شیخ محدث سے یہ ذاتی عقیدت ان کے اس زخم کو مندمل نہ کرسکی جو فیضی کی دینی بے راہ روی سے ان کے حساس قلب پر لگا تھا۔ چنانچہ فہرس التوالیف میں فیضی کے متعلق لکھتے ہیں :۔

"دریں جزو زماں زبان بشاعری کشادہ رو داد سخن وری دادہ است فیضی اگرچہ کہ در فصاحت وبلاغت ومتانت ورصانت سخن ممتاز روزگار بود، ولیکن حیف کہ بہ جہت وتورع وبہوتا درہاویہ کفر وضلالت رقم انکار وادبار برناصیۂ احوال خود کشیدہ، زبان اہل دین و ملت جناب نبوت را از بردن نام دے ونام جماعت مشوم دے باک است، قاتلہ اللہ علیہم ان کانوا مؤمنین" [1]

شیخ محدث نے اس طرح غصہ کے لہجہ میں کسی معاصر کی گمراہی اور بے راہ روی کی شکایت نہیں کی۔ یہ تلخ نوائی شدت احساس کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے [2]

شیخ کے مجموعہ مکاتیب میں ایک خط

"تثبیت القدم علی الاصطبار بترک صحبۃ الاضداد والاغیار"

فیضی کے نام ہے۔ اس خط میں شیخ محدث نے دو طبقوں کی حالت کا موازنہ کیا ہے۔ ایک طبقہ ہے جس کو عیش وعشرت، سیر وتفریح کا شوق ہے جس کا تمام وقت "ہوائے باغ وسیر صحرا" میں گزرتا ہے۔ دوسرا طبقہ ہے کہ "با وحشت اُنس گرفتہ" ان کے دل میں کسی اور چیز کی لگن ہے۔ وہ سیر وتفریح سے دور اپنا وقت گزارتے ہیں۔ یہ فرق دکھانے کے بعد شیخ محدث فیضی کے سامنے ایک ایسا شعر پڑھتے ہیں جس کو سن کر فیضی کو یقیناً پسینہ

---

[1] فہرس التوالیف (قلمی)

[2] ملا عبدالقادر بدایونی اس کے متعلق لکھتے ہیں :۔
"در وادی عناد وعداوت با اہل اسلام وطعن در اصل اصول دین داخت مذمت صحابۂ کرام وتابعین وسلف، وخلف متقدمین ومتاخرین ومشایخ واموات واحیاء، وبے ادبی و بے تحاشی ۔۔۔۔ ہمہ یہود ونصاریٰ وہنود ومجوس بروے ہزار شرف داشتند"
منتخب التواریخ جلد سوم ص ۲۹۹۔۔۔۳۰۰

آگیا ہوگا ؎

تو داغِ جگر را چہ شناسی کہ نبودست
جز از مے گلرنگ بدامانِ تو داغے!

آگے چل کر شیخ لکھتے ہیں کہ جب میں دیکھتا ہوں کہ کوئی شخص غم خواری اور ہمدردی کرنے والا نہیں تو بعض اوقات خیال ہوتا ہے کہ عام لوگوں کے راستے پر چلنے لگوں، لیکن پھر غیب سے یہ ندا سنائی دیتی ہے ––

"از صعوبت ایں راہ مترس کہ بسیاراں بایں راہ رفتہ اند و بمنزل مقصود رسیدہ"

فرماتے ہیں :-

"ہیچ کس را ...... نیابم کہ ... حرف آشنا گوید و ہمتے بخشد و دلداری دہد، اینجا نفس گوید کہ تو راہ گم کردہ و در کار خود غلط خوردہ، راہ ہماں است کہ عام خلائق بداں سو میروند و کار ہماں کہ ایشاں میکنند، اینجا حیرتے و توقفے بلکہ تذبذبے و ترددے راہ یابد و قدم ہمت از رفتاری کہ دارد باز ماند و بروش اہل عالم گراں گردد و نزدیک است کہ رفتار خود را بگذارد و بہماں راہ رود کہ دیگراں می روند، باز ندائے از غیب در رسد یا ہم از باطن سالک پیدا شود، واللہ اعلم، کہ ہاں حکایت نفس مشنو و بفریب دیو از راہ مرو و باز نگر کہ منزل نزدیک است" [1]

---

[1] المکاتیب والرسائل - ص ۹۸ - ۹۹۔

بابِ ہفتم (۷)

مُلّا عبدالقادر بدایونی

ملّا عبدالقادر بدایونی عہدِ اکبری کے مشہور مورخ تھے۔ عربی فارسی اور سنسکرت کے فاضل تھے۔ اکبر نے ان کو تصنیف و تالیف اور ترجمے کے کام پر مامور کیا تھا لحن داؤدی رکھتے تھے اس لیے ابتدائی زمانہ میں شاہی امام کی خدمات بھی انجام دی تھیں۔ اکبر کے مذہبی افکار سے شدید اختلاف تھا۔ اپنی کتاب منتخب التواریخ میں اس کی دینی گمراہیوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور ان درباری امرا اور شعراء کی شدید مذمت کی ہے جنھوں نے اکبر کے خیالات کی تائید کی تھی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ جن دنوں فتح پور سیکری میں شیخ فیضی اور مرزا نظام الدین احمد بخشی کے پاس مقیم تھے ملّا صاحب القرآن کی مجلس میں شریک ہوا کرتے تھے۔۔۔ خود لکھتے ہیں۔۔

"پیوستہ از فوائد صحبتش محظوظ بودم" [۱]

شیخ محدثؒ جب حجاز سے واپس آئے تو بدایونی نے دہلی میں اُن سے ملاقات کی یہ ملاقات سرسری سی ہوئی تھی اس لیے کہ بدایونی اس وقت لشکر کے ہمراہ لاہور جا رہے تھے۔ بدایونی کو اس کا بڑا افسوس رہا اور لاہور سے شیخ محدثؒ کے نام ایک خط میں لکھا

"درو قتیکہ ملازماں ایشاں بدہلی تشریف آوردند مخلص خود را ساعتے لطیف مشرف

---

[۱] منتخب التواریخ۔ جلد ۳۔ ص ۱۱۳۔

ساختہ آں ملاقات جز تعطش و اشوق نیفزود و چنداں چیز ناگفتہ و ناشنیدہ ماند کہ

چگوید۔"[1]

اسی خط میں لکھتے ہیں:

"ایں فقیر را بعین الیقین معلوم شدہ است کہ در ذات ایشاں معنی محبت

وحقیقت آشنائی تمکن یافتہ است"[2]۔

شیخ محدث اور ملا بدایونی میں محبت و یگانگت کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ دونوں ایک ہی خانوادے سے منسلک تھے۔ حضرت مخدوم شیخ حامدؒ کے فرزند و سجادہ نشین شیخ موسیٰؒ سے شیخ محدث بیعت تھے۔ اور شیخ داؤدؒ مرید و خلیفہ شیخ حامدؒ سے ملا عبدالقادر بدایونی نسبت رکھتے تھے۔

ملت کی پریشاں حالی کے جس احساس نے شیخ عبدالحقؒ کے قلب و جگر کو گرمایا تھا اسی جذبہ نے ملا عبدالقادر کو بھی بے چین کر دیا تھا۔ شیخ محدث نے اپنے ماحول پر حزم و احتیاط کے ساتھ تنقید کی، ملا عبدالقادر نے بے پردہ اور بے باکانہ۔ مولانا ابوالکلام آزاد ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"بعض خوش اعتقاد بزرگوں کا خیال ہے کہ ملا عبدالنبی اور مخدوم الملک کی نسبت ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں جو کچھ لکھا ہے اس کو ملا صاحب کی نکتہ چیں طبیعت کی بے اعتدالیوں اور معاصرت کے تعصب پر محمول کرنا چاہیے۔ لیکن ان بزرگوں کو معلوم نہیں کہ ملا بدایونی کے علاوہ بس

---

[1] منتخب التواریخ۔ جلد سوم۔ ص ۱۱۳ [2] ایضاً

[3] تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔ اخبار الاخیار۔ ص ۳۰۰ - ۳۰۱۔

[4] تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔ اخبار الاخیار۔ ص ۲۰۱ - ۲۰۲۔ منتخب التواریخ۔ جلد سوم ص ۳۶ - ۴۶

[5] خود شیخ محدثؒ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"از ترس کہ سخن مبالغہ گفتہ نشود و از حیطۂ احتیاط کہ روش ایں فقیر است بیروں نیفتم"۔ ص ۳۰۰

عہد کے دیگر وقائع نگار بھی اس بارے میں متفق ہیں اور گو بدایونی کی طرح بے پردہ و بے باکانہ لکھنے کو شیوۂ حزم و احتیاط و تہذیب نگارش کے خلاف سمجھتے ہیں مگر اصلیت کا صاف اقرار کرتے ہیں۔ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ سے بڑھ کر محتاط اور پردہ پوش راوی کون ہوگا...........
شاہ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے (مخدوم الملک کے متعلق) اس سے زیادہ بدایونی نے کونسی بات لکھی ہے؟ البتہ شاہ صاحب تہذیب نگارش و طریق احتیاط و عفو پر نظر رکھ کر پردے پردے میں لکھتے ہیں اور بدایونی اپنے جوش حق گوئی و اضطراب راست بیانی میں کسی بات کی پرواہ نہیں کرتے۔"[1]

---

[1] تذکرہ (مطبوعہ لاہور) ص ۳۵-۳۶۔

باب (۷) ہفتم

مرزا نظام الدین احمد بخشی

مرزا نظام الدین احمد بخشی، مؤلف تاریخ اکبر شاہی یا طبقات اکبری۔ دربار اکبری کے پنج ہزاری امرا میں تھے۔ عرصہ تک گجرات کے بخشی[۱] رہے تھے۔ علم و عمل کی بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ ارسکن کا خیال ہے کہ وہ اپنے عہد کے بہترین مورخ تھے[۲]۔ مذہب کا صحیح احترام ان کے دل میں تھا۔ بدایونی لکھتا ہے کہ "جہتِ یگانگت دینی"[۳] مجھے اُن سے بڑی محبت تھی۔ ۲۲۔ صفر ۱۰۰۳ھ مطابق ۲۸۔ اکتوبر ۱۵۹۴ء[۴] کو جب اُن کا انتقال ہوا تو کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو ان کے غم میں پُرنم نہ ہو گئی ہو۔ اکبرنامہ میں ہے۔

"شہریار پیشناس لختے دل گرفت و از الٰہی درگاہ آمرزش خواست

آشنا و بیگانہ بافسوس برخاست و راستی بسوگواری نشست"[۵]

بدایونی کو تو اُن کی موت کا اتنا صدمہ ہوا کہ "اشک حسرت از دیدہ ریختہ و سنگ نومیدی بر سینہ زد"[۶]

مرزا نظام الدین اور شیخ محدث رحمؒ میں بے حد خلوص اور یگانگت کے تعلقات تھے ابتدائی زمانہ میں شیخ محدثؒ فتح پور سیکری میں ان کے پاس ٹھہرے تھے۔ پھر جب وہ ایک جذبہ کے ماتحت یک لخت حجاز کی طرف چل کھڑے ہوئے تھے تو مرزا ہی نے اُن کی زاد راہ کا انتظام

---

[۱] بخشی کے فرائض یہ تھے: فوج کی بھرتی، منصب داروں کے رجسٹر رکھنا۔ تنخواہ کے قواعد کی پابندی کرانا وغیرہ وغیرہ۔

[۲] الیٹ جلد پنجم۔ ص ۱۷۸۔

[۳] منتخب التواریخ: جلد سوم۔ ص ۳۹۷۔

[۴] اکبرنامہ: جلد سوم ص ۶۵۵۔

[۵] منتخب التواریخ۔ جلد سوم۔ ص ۳۹۷۔ بدایونی نے نجات الرشید مرزا صاحب ہی کے اصرار پر تصنیف کی تھی۔

کیا تھا اور نہایت خاطر و مدارات سے اُن کو احمد آباد میں اپنے یہاں ٹھہرایا تھا۔[1]

باب (۹) نہم

میر سید طیب بلگرامیؒ

میر سید طیب بلگرامیؒ، میر سید عبد الواحد بلگرامیؒ صاحب سبع سنابل کے فرزند اور سجادہ نشین تھے۔ علم و فضل، زہد و ورع میں اپنی مثال آپ تھے۔ آزاد بلگرامی نے اُن کے متعلق لکھا ہے:

"وے ذات مقدسی است کہ اگر ثقلین باو ناز کنند می زیبد و اگر زمین و زماں بر خود بالند می شاید"[2]

سید کرم اللہ پدر سید العارفین میر شاہ لدھاؒ کہا کرتے تھے:

"اگر کسے خواہد ملک را بر روئے زمین بہ بیند میر سید طیب را مشاہدہ کند"[3]

میر طیب درس و تدریس کا مشغلہ رکھتے تھے۔ ہدایہ، تفسیر بیضاوی وغیرہ پر نہایت عالمانہ حاشیے لکھے تھے۔ ان میں اور شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ میں بڑی محبت اور مودت تھی۔ آزاد بلگرامی نے لکھا ہے:

"درمیان شیخ عبد الحق دہلویؒ قدس سرہٗ و حضرت میر مجتبے و مودتے عظیم بود، شیخ عبد الحق بہ رعایت بزرگی او را شیخ طیب می گفت"[4]

---

[1] گلزار ابرار [2] مآثر الکرام۔ ص ۳۷ [3] ایضاً۔ ص ۳۰ [4] ایضاً۔ ص ۳۹

ایام پیری میں ایک مرتبہ شیخ محدثؒ درس دے رہے تھے کہ کسی مقام پر رک گئے اور فرمانے لگے کہ اگر میر سید طیب اس وقت موجود ہوتے تو بہ آسانی اس مشکل کو حل کر دیتے۔ اتفاقاً میر سید طیب اسی وقت وہاں آپہنچے، شیخ بہت خوش ہوئے اور وہ مشکل ان کے سامنے پیش کی۔ انہوں نے اس عبارت کو اس طرح پڑھا کہ مشکل خود بخود حل ہو گئی اس زمانہ میں شیخ نور الحق خلف الصدق شیخ عبد الحقؒ آگرہ میں قاضی تھے۔ شیخ محدثؒ نے میر صاحبؒ سے دریافت کیا کہ کس راہ سے آئے؟ جب معلوم ہوا کہ آگرہ کی طرف سے آنا ہوا تو فرمایا کہ نور الحق سے تو ملاقات ہوئی ہوگی۔ میر صاحب نے جواب دیا "سفر میں کچھ ایسے سوانح پیش آئے کہ ملنے کا موقع نہ ملا۔ شیخ نے فرمایا۔

"ظاہراً ازینکہ او مرتکب قضا شد اعراض بہ عمل آمد"

پھر شیخ نور الحق کی تعریف کی، اور کہا؛

"اگرچہ پسر من است اما بجائے پدر، اگرچہ شاگرد من است اما بجائے استاد، اگرچہ مرید من است اما بجائے پیر می دانم" [1]

میر سید طیب یہ سن کر اس طرح اٹھے گویا کسی ضرورت کے لیے جاتے ہیں، لیکن اسی وقت آگرہ کے لیے روانہ ہوگئے، اور شیخ نور الحق سے ملاقات کر کے واپس آئے۔ شیخ عبد الحقؒ ان کے اس اخلاق سے بے حد متاثر ہوئے اور بقول آزاد بلگرامی

"معذرتہا بر زبان آورد" [2]

---

[1]، [2] مآثر الکرام ص ۴۹-۵۰۔

باب (۱۰) دہم

محمد غوثی شطاریؒ

مولانا محمد غوثی ابن حسن ابن موسیٰ شطاری صاحب گلزار ابرار ۹۶۳ھ میں مانڈو میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کرنے کے بعد شیخ وجیہ الدین علوی گجراتیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ محمد غوثی حضرت سید محمد غوث گوالیاری شطاریؒ سے بیعت تھے۔[1]

شیخ محدثؒ اور مولانا غوثی کے تعلقات کی تفصیل کہیں دستیاب نہیں ہوتی گلزار ابرار میں مولانا غوثی نے ان کو اپنا دوست بتایا ہے[2]۔ اور لکھا ہے کہ جب شیخ حجاز جاتے ہوئے مالوہ میں ٹھہرے تھے تو اُن سے بہت سے فیوض حاصل کیے تھے۔

---

[1] گلزار ابرار۔ ص ۲۰۸ (اردو ترجمہ)

[2] ایضاً ص ۵۹۹ (اردو ترجمہ)

حصۂ چہارم

شیخ محدثؒ کی اولاد

شیخ عبدالحق محدّث

- شیخ نورالحق
  - شیخ نوراللہ
    - سیف اللہ
      - صبغۃ اللہ
        - کمال الدین
          - غلام حسن
            - خیرات علی
              - برکت علی
    - علیم اللہ
      - ابوالحیات
        - خیراللہ
          - میاں احسان
            - محمد امان
    - محب اللہ
      - حافظ فخرالدین
        - شیخ الاسلام
          - مولوی سلام اللہ
            - نورالاسلام
              - محمود الحق
            - محمد سالم
              - عبدالسلام
              - ولی اللہ
      - نورالحق ثانی
        - محب اللہ
          - نظام الدین
            - اکرام الدین
              - احسان الحق
    - جاراللہ
      - سعدالدین
        - سعادت اللہ
          - نورالحق عرف حافظ مہدی
            - احمد الحق
- شیخ علی محمد
  - ابوالمفاخر
    - محمد مراد
      - محمد قاسم
        - غلام محمد
    - محمد جواد
      - سیف الحق
        - ظہورالحق
          - عظیم الحق
    - ابوالمواہب
      - فیض الحق
        - معین الحق
          - متین الحق
          - قیام الحق
- شیخ محمد ہاشم
  - محمد عاصم
    - محمد محتشم
      - محمد معتصم

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے تین فرزند تھے۔ شیخ نورالحق، شیخ علی محمد اور شیخ محمد ہاشم۔ اول الذکر کا تفصیلی ذکر آگے آتا ہے۔ شیخ علی محمد جید عالم اور مرتاض بزرگ تھے۔ انہوں نے تین کتابیں تصنیف فرمائی تھیں:-

(۱) خزائن الدرر : عربی، فارسی، ترکی لغت

(۲) رسالہ احوال شیخ پیران چشت : حالات خواجہ معین الدین چشتیؒ، قطب صاحبؒ

بابا فریدؒ، محبوب الٰہیؒ، چراغ دہلویؒ۔

(۳) نجات المریدین: احوال حضرت غوث الاعظمؒ

یہ تینوں کتابیں اب نایاب ہیں۔ سرسید احمد خاں نے آثار الصنادید کے دوسرے ایڈیشن میں رسالہ احوال شیخ پیران چشت کا حوالہ دیا ہے۔

فرزند سوم محمد ہاشم کے متعلق فہرس التوالیف میں لکھا ہے:

"بجوہر طبع او بجودت وسلامت وقوت در علم خصوصاً بعلم شریف حدیث موصوف وممتاز است"

محمد ہاشم کے فرزند محمد عاصم سے شیخ محدثؒ کو بڑی محبت تھی۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

"فرزند دلبند بجاں پیوند محمد عاصم را فرستادم کہ چند گاہ دیدہ بجمال وکمال او روشن گردانند" [۱]

---

[۱] کتاب المکاتیب والرسائل۔ ص ۳۴۴۔

باب اوّل

شیخ نور الحق مشرقی

شیخ محدثؒ کے فرزند اکبر شیخ نور الحق ۹۸۳ھ میں پیدا ہوئے تھے تعلیم و تربیت باپ ہی کے آغوش میں پائی۔ شرح قرآن السعدین میں لکھتے ہیں کہ میرے باپ ہی نے اب ت کی تختی مجھے پڑھائی اور میرے باپ ہی نے مجھے فارغ التحصیل کر دیا۔[1]

شیخ محدث کی حیات میں انہوں نے اکبر آباد کی قضا کو قبول کر لیا تھا۔ شاہجہاں ایام شاہزادگی سے ان کی استعداد اور قابلیت کا معترف تھا۔ جب تخت نشین ہوا تو اصرار کر کے یہ خدمت ان کے سپرد کر دی۔ شیخ نور الحق نے یہ کام نہایت خوبی سے انجام دیا۔ آزاد بلگرامی نے لکھا ہے:

"حق ایں منصب نازک نوعے کہ باید بتقدیم رسانید"[2]

شیخ نور الحقؒ زیادہ عرصہ تک منصب شاہی سے وابستہ نہیں رہے۔ شیخ محدثؒ کی وفات کے بعد انہوں نے اپنے باپ کی مسند ارشاد کو سنبھال لیا۔ شاہجہاں نامہ میں لکھا ہے:

"و پس از رحلت آں جناب نور الحق خلف الصدقش کہ در علم و فضل شہرہ آفاق بود مدت مدید صدر آرائے مدرسہ استفادہ گشتہ"[3]

---

[1] شرح قرآن السعدین (قلمی)   [2] مآثر الکرام ص ۲۰۲

[3] شاہجہاں نامہ (اعمال صالح) ص ۳۸۵۔

شیخ محدث کو اپنے فرزند اکبر سے بے حد محبت اور لگاؤ تھا۔ ایک خط میں لکھتے ہیں

"از من ہیچ عملے نیامدہ کہ واسطہ و سبب نجات من در عاقبت گردد، الا وجود مسعود آں فرزند دلبند بیت

شنیدم کہ در روز امید و بیم   بداں را بہ نیکاں ببخشد کریم

واز ینجاست کہ پسر صالح را از اعمال خیر پدر شمردہ اند"

رسالہ وصیت میں اپنے متعلقین اور متسلکین کو ہدایت فرماتے ہیں کہ

"فرزند عزیز نور الحق را خلیفہ و جانشین فقیر دانند۔ و با دے تعظیم و تقدیم پیش آیند"

شیخ محدث ان کو اپنا "وجود ثانی" کہا کرتے تھے اور ان کے علم و فضل کے دل سے معترف تھے۔

شیخ نور الحق اپنے والد ماجد سے بیعت تھے۔ بعد کو حضرت عاشق محمد نبیرہ حضرت خواجہ شاہ نظام الدین نارنولی سے عقیدت پیدا ہو گئی تھی اور ان کے حلقہ مریدین میں شامل ہو گئے تھے۔ فتح العارفین میں لکھا ہے:-

ہرگاہ حضرت شاہ عاشق محمد بر مسند ارشاد نشست و خرقہ خلافت از والد بزرگوار دریافت شیخ نور الحق بن حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی از ایشاں استفادہ فیض باطن نمود"[۲]

شیخ عبد الحق دہلوی کی توجہ کا مرکز مشکوٰۃ تھی، تو شیخ نور الحق کی کوششوں کا محور صحیح بخاری۔ انہوں نے چھ جلدوں میں بخاری کی شرح تیسیر القاری کے نام سے فارسی میں لکھی اور اس کو اورنگ زیب عالمگیر کے نام سے منسوب کیا۔ یہ شرح ۱۲۹۸ھ میں مطبع علوی محمد علی حسن خاں لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی۔

[۱] شرح سفر السعادت۔ ص ۲

[۲] بحوالہ مراۃ الحقائق۔ ص ۱۱۴۔

علم و ادب کا ذوق خاندانی ورثہ تھا۔ مشرقی تخلص کرتے تھے۔ شعر خوب کہتے تھے۔ ان کے شاعرانہ کمالات اور صلاحیتوں کے متعلق شیخ عبدالحق کی یہ رائے دلچسپی سے پڑھی جائیگی:

"وجود فرزند مسعود نور دیدۂ دانش وبینش نورالحق الملقب بمشرقی است کہ شروق نیر فضل و کمال وے در ہر دو طریقۂ دانشوری و سخنوری با وسط السماء استوا و اعتدال نزدیک بسمت الراس رسیدہ است یقین ہست کہ اگر وے توجہ بر گمارد و بر طریقۂ شعرائے زمانہ شب و روز بمشق سخن و فکر شعر روئے آرد خمسۂ نظامی و خسرو را تتبع تواند کرد ولیکن توجہ و اشتغال وے بجانب علم و صلاح و نفس الامر غالب آمدہ۔ نمی گذارد کہ بطرف شعر و طریقۂ شعر روئے آرد۔"[1]

فرحت الناظرین میں لکھا ہے کہ شیخ نورالحق نے ایک مثنوی تحفۃ العراقین لکھی تھی اور ان کا ایک دیوان بھی تھا جو پانچ ہزار اشعار پر مشتمل تھا۔ یہ مثنوی اور دیوان اب دستیاب نہیں ہوتے۔ چند اشعار کتابوں میں نقل کیے گئے ہیں جن کی بنا پر ان کے کلام کے متعلق کوئی رائے قائم کرنا مشکل ہے۔

از شیوۂ ہمداں ایں دور خلاف	گویم رمزے اگر بگیری بگزاف
چوں شیشۂ ساعت اند پیوستہ بہم	دلہا ہمہ پر غبار و روہا ہمہ صاف

با آنکہ مشرقی ہمہ تن دیدہ چوں گل است
باہیچکس چو چشم حباب آشنا نبود

شیخ نورالحق کی مندرجہ ذیل تصانیف خاص طور سے قابل ذکر ہیں[2]:

(۱) شرح شمائل ترمذی۔ اس کا قلمی نسخہ رامپور کے کتب خانہ میں موجود ہے[3]

[1] فہرس التوالیف (قلمی)

[2] نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں "تصانیف فراواں دارد"

[3] نمبر ۹۰

(۲) تفسیر سورۃ الفاتحہ۔ قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانہ میں ہے[1]

(۳) حاشیہ علی شرح الجامی۔ قلمی نسخے پشاور[2] اور حیدرآباد[3] میں ہیں۔

(۴) شرح عضدی۔ بر عضدی و شرح مطالع و شرح ہدایہ

شرح مطالع — و حکمت و دیگر کتب متداولہ حواشی دارد[4]

شرح ھدایہ

(۵) شرح قران السعدین[5]۔ قلمی نسخے برٹش میوزیم[6] اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس[7] کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔

(۶) رسالہ دربیان رویا۔

(۷) محیی القلوب

(۸) زبدۃ التواریخ[8]

شیخ نور الحق رح کے علم و فضل اور زہد و اتقا کا دور دور شہرہ تھا۔ سلاطین، علماء و صوفیہ سب اُن کی قدر و منزلت کرتے تھے۔ شاہ جہاں نے ایک باغ کوشک نامی آپ کو عطا کیا تھا۔[9] فرحت الناظرین میں لکھا ہے :۔

---

[1] نمبر ۲۰۳ (II) [2] نمبر ۱۳۰۶ [3] نمبر ۱۶۴۴۔ جلد دوم (کتب خانہ آصفیہ)

[4] فرحت الناظرین (قلمی) [5] نور العین شرح قرآن السعدین۔ امیر خسرو کی مشہور مثنوی ہے جس میں کیقباد اور بغراخان کی ملاقات کا حال بیان کیا گیا ہے۔ شیخ نور الحق نے اس کی شرح لکھی شیخ عبدالحق نے اس کے مسودہ کو شروع سے آخر تک ملاحظہ فرمایا تھا، اور اس میں اضافے فرمائے تھے۔

[6] ملاحظہ ہو فہرست مریدیو، جلد دوم [7] ملاحظہ ہو معارف، اکتوبر ۱۹۳۶ء ص ۲۸۷-۲۸۸۔

[8] دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ نواب مرتضیٰ خاں شیخ فرید نے ان کے والد ماجد سے تاریخ لکھنے کی درخواست کی تھی۔ شیخ ان دنوں بعض اہم علمی تصانیف میں مصروف تھے، یہ کام اُن کے سپرد کر دیا۔ اس میں نواب مرتضیٰ خاں کا حال تفصیلی درج ہے۔ نیز محمد غوری سے لے کر جہانگیر تک کے حالات نہایت صفائی سے تحریر کیے گئے ہیں۔ قلمی نسخے برٹش میوزیم (ریو ج ۱) اور کتب خانہ آصفیہ (نمبر ۱۶۰) میں موجود ہے۔

[9] مرآۃ الحقائق۔ ص ۱۱۳ (یہ باغ اکتیس بیگہ کا تھا اور عرصہ تک شیخ کے خاندان میں رہا)۔

"بارہا بملازمت اقدس عالمگیر بادشاہ رسیدہ بعنایات بادشاہانہ ممتاز گردیدہ بود"۱

حضرت شاہ ابو المعالیؒ اُن کا اتنا خیال کرتے تھے کہ ایک مرتبہ شیخ عبد الحق نے عرض کیا کہ مشرقی آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔ تو فرمایا۔

"تصدیع نکشد ما بینیم او می آئیم ؎

جذبۂ عشق بجدیست میان من و یار — کہ اگر من نروم او بطلب می آید"

شیخ نور الحق نے اپنے عظیم المرتبت باپ کی طرح بیشتر وقت علم حدیث کی تبلیغ و ترویج میں صرف کیا۔ ۹ شوال ۱۰۷۳ھ کو نوے سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے باپ کے احاطہ مزار میں سپرد خاک کیے گئے۔

اولاد

شیخ نور الحق کے صرف ایک فرزند شیخ نور اللہ تھے۔ ان کے چار بیٹے تھے۔

(۱) سیف اللہ (۲) علیم اللہ (۳) محب اللہ (۴) جار اللہ

شیخ سیف اللہ نے ۱۱۰۱ھ میں شمائل ترمذی کی شرح اشرف الوسائل کے نام سے فارسی میں لکھی تھی۲۔ فرزند سوم شیخ محب اللہؒ علم و فضل میں ممتاز تھے۔ انہوں نے صحیح مسلم کی شرح منبع العلم۳ کے نام سے لکھی۔

شیخ محب اللہؒ کے دو لڑکے تھے، حافظ فخر الدینؒ اور شیخ نور الحق ثانی۔ موخر الذکر نے شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کی عربی تصنیف ماثبت بالسنۃ کی شرح فارسی میں لکھی تھی۔

---

۱ کتب المکاتیب۔ ص ۳۰۴-۳۰۵۔

۲ یہ شرح ۲۔ رجب ۱۱۰۱ھ کو مکمل ہوئی اور اورنگ زیب کو پیش کی گئی۔ لکھتے ہیں: "پس چوں صورت اتمام گرفت، ساختم آں را تحفۂ درگاہ معلّی بادشاہ ظفر قرین سلطان دیں پرور السلطان الاعظم ابو المظفر محی الدین محمد عالمگیر غازی لا زالت رایات سلطنتہ مقارنۃً لآیات الفتح والظفر"

۳ مرآۃ الحقائق میں لکھا ہے: "یہ کتاب کتب خانہ مولوی انوار الحق میں قبل از غدر ۱۸۵۷ء موجود تھی۔ اس کے بعد نہیں ہے۔" ص ۱۱۵۔

باب دوم (۲)

حافظ محمد فخر الدینؒ اور اُن کی اولاد

شیخ محب اللہؒ کے فرزند اکبر حافظ محمد فخر الدینؒ حدیث کے جید عالم تھے۔ انہوں نے اپنے باپ کی شرح منبع العلم پر نظر ثانی کی اور اس کو از سر نو ترتیب دیا۔ حصن حصین کی فارسی شرح لکھی، جو مطبع نول کشور سے طبع ہو چکی ہے۔ علاوہ ازیں عین العلم مصنفہ شیخ محمد بن عثمان بن عمر بلخیؒ کو فارسی زبان میں منتقل کیا۔

حافظ فخر الدین کے فرزند ارجمند شیخ الاسلام محمد کو بھی بہت شہرت حاصل ہوئی۔ نادر شاہ کے حملہ تک وہ دہلی میں رہے۔ اور صدر الصدور کی خدمات انجام دیتے رہے انہوں نے صحیح بخاری کی شرح چھ جلدوں میں لکھی تھی جو لکھنؤ سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی دو تصانیف یہ ہیں:

(۱) کشف الغطا عما الزم للموتی علی الاحیا: تجہیز و تکفین سے متعلق ہے اور دو مرتبہ دہلی سے شائع ہو چکی ہے۔

(۲) طرد الاوھام عن اثر الامام الھمام: اثبات مذہب امام ابو حنیفہؒ پر تھی۔

جس زمانہ میں حضرت شیخ الاسلام دہلی میں منصب صدر الصدور کی خدمات انجام دے رہے تھے وہ بڑا ہوش رُبا دور تھا۔ دہلی بقول شاہ ولی اللہ دہلویؒ بمنزلہ لعب صبیان تھی۔ سکھوں، مرہٹوں، جاٹوں وغیرہ کی ہنگامہ آرائی نے زندگی کو ایک بوجھ بنا دیا تھا۔ شرح بخاری کے نصف اول کے خاتمہ پر لکھتے ہیں:-

تمام شد بعون اللہ و قوتہ ترجمہ نصف صحیح در ہنگام کمال آشفتہ بال و پریشانی حال از سبب

وفارت خانہ در جلد دیار شہر کہنہ دہلی ...... سن آخر جمادی الثانی ۱۱۹۶ھ

مولانا محمد شیخ الاسلامؒ کے فرزند شیخ سلام اللہ محدث رامپوری اپنے زمانہ کے مشہور محدث تھے۔ حدائق الحنفیہ میں لکھا ہے کہ وہ فقیہ فاضل، محدث کامل، مفسر متبحر، علامۂ عصر، محقق اور مدقق تھے[1]۔ صاحب تذکرہ کاملان رامپور کا بیان ہے کہ وہ تمام کتب غیر درسیہ پر مثل کتب درسیہ کے قادر تھے۔ علوم منقول حدیث، رجال، لغت، ادب سب میں کامل تھے، اور عربی زبان میں مطالب علمیہ کو لکھنے میں ید طولیٰ تھا۔ وہ دہلی کے حالات سے بددل ہو کر رامپور چلے گئے تھے اور وہاں درس تدریس کا کام اعلیٰ پیمانے پر شروع کر دیا تھا۔ ۱۲۲۹ھ یا ۱۲۳۳ھ میں وصال فرمایا اور بغدادی صاحب کے مزار کے احاطہ میں سپرد خاک کیے گئے۔

شیخ سلام اللہ صاحبؒ نے موطا کی شرح شرح محلی بحل اسرار الموطا کے نام سے دو جلدوں میں لکھی تھی۔ ڈاکٹر زبید احمد صاحب کا خیال ہے کہ محلی، مسوّیٰ از شاہ ولی اللہ دہلوی سے زیادہ جامع ہے۔ مگر مسوّیٰ کی ترتیب محلی کی ترتیب سے بہتر ہے[2]۔

محلی کے علاوہ شیخ سلام اللہ صاحبؒ کی تصانیف یہ ہیں:

(۱) شرح شمائل ترمذی[3]

(۲) رسالہ مناقب اہل بیت بنام خلاصۃ المناقب[4]

(۳) کمالین حاشیہ تفسیر جلالین[5]

(۴) رسالہ اصول حدیث

شیخ سلام اللہ صاحب کے دو صاحبزادے تھے۔ شیخ نور الاسلام اور محمد سالم

---

[1] حدائق الحنفیہ۔ ص ۴۶۸ [2] "معارف" دسمبر ۱۹۳۲ء ص ۴۴۳۔

[3] [4] [5] یہ کتابیں مولوی انوار الحق کے کتب خانہ میں تھیں (مرآۃ الحقائق۔ ص ۱۱۶)

شیخ نورالاسلام علوم عقلیہ و نقلیہ اور علم ریاضی میں کمال رکھتے تھے[1]۔ علم طب سے بھی دلچسپی تھی۔ مولانا غیاث الدین صاحب غیاث اللغات نے طب انہی سے پڑھی تھی۔ شیخ نورالاسلام کچھ عرصہ رام پور میں مفتی بھی رہے تھے۔ ان کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:-

(۱) رسالہ بحث زمان بنام ایثار الحق (۲) رسالہ بحث مکان

(۳) رسالہ اصول حدیث (۴) رسالہ اسطرلاب

(۵) حاشیہ علی میر زاہد علی الرسالۃ القطبیہ

مولانا حاجی ابوالخیر محمد سالم نے مندرجہ ذیل تصانیف چھوڑی تھیں۔

(۱) رسالہ نورالایمان (۲) رسالہ اصول الایمان

(۳) لطائف الاسرار (۴) طریق السالم

(۵) رسالہ عذب نمیر ترجمہ حزب البحر (۶) رسالہ در بیان جواز سماع

مولانا نورالاسلام اور مولانا محمد سالم کے بعد شیخ محدث کے خاندان کی علمی حیثیت تقریباً ختم ہوگئی۔ حدیث سے وہ والہانہ تعلق جو شیخ محدث سے لے کر مولانا محمد سالم تک خاندان حقی کی خصوصیت تھی بعد کو کسی بزرگ میں نظر نہیں آتی۔ اس خاندان کے دو آخری بزرگوں مولانا انوار الحق حقی مرحوم دہلوی[2]، اور مولانا برکت علی حقی مرحوم دہلوی[3]

---

[1] ابجد العلوم ج ۳ ص ۹۲۷

[2] ۱۸۳۹ء میں پیدا ہوئے۔ فارسی مولانا صہبائی سے، حساب و ہندسہ مولوی مشتاق احمد شاگرد مولانا مملوک العلی سے، منطق مفتی صدرالدین خاں سے، علم کلام مولانا حیدر علی فیض آبادی اور شرح وقایہ و ہدایہ مولانا عبدالرزاق سے پڑھی۔ ابتدائی زمانہ میں علمی مشاغل تھے اور شیخ محدث کی کتابوں کو جمع کیا تھا۔ غدر کے بعد زندگی بدل گئی اور سرکاری ملازمت میرٹھ میں کرلی۔ شیخ محدث کے مکتوبات کو انہوں نے شائع کیا تھا۔ شاہ کلیم اللہ دہلوی کے حالات میں ان کا ایک مختصر رسالہ مسلم یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ہے (ذخیرہ سرشاہ سلیمان) اسی رسالہ کے ساتھ میر حسن علا سجزی صاحب فوائد الفواد کی ایک مختصر لیکن نایاب تصنیف مخ المعنی بھی شامل ہے جو مطالعہ کے قابل ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاء نے اس رسالہ کو بہت پسند فرمایا تھا۔

[3] شیخ محدث کے حالات میں انہوں نے مرآۃ الحقائق تصنیف کی۔

کو اپنے بزرگوں کی روایات کا بڑا خیال تھا اور انہوں نے شیخ محدث کی تصانیف کی حفاظت اور حالات کی اشاعت میں بیش قدر خدمات انجام دیں۔

فہرست تصانیف اولاد شیخ عبدالحق محدث دہلوی

شیخ نور الحق بن شیخ عبدالحق

(۱) تیسیر القاری شرح صحیح البخاری (۲) شرح شمائل ترمذی (۳) تفسیر سورۃ الفاتحہ
(۴) حاشیہ علی شرح الجامی (۵) شرح عضدی (۶) شرح مطالع
(۷) شرح ہدایہ (۸) شرح قران السعدین (۹) زبدۃ التواریخ
(۱۰) رسالہ در بیان رویا (۱۱) محیی القلوب (۱۲) مثنوی تحفۃ العراقین

شیخ علی محمد بن شیخ عبدالحق

(۱) خزائن الدرر (۲) رسالہ احوال شیخ پیران چشت
(۳) نجات المریدین۔

شیخ سیف اللہ بن شیخ نور اللہ بن شیخ نور الحق

(۱) اشرف الوسائل فی شرح شمائل ترمذی

شیخ محب اللہ بن شیخ نور اللہ

(۱) منبع العلم ترجمہ صحیح مسلم

حافظ فخر الدین بن شیخ محب اللہ

(۱) شرح منبع العلم (۲) شرح عین العلم (۳) شرح حصن حصین

شیخ نور الحق ثانی بن شیخ محب اللہ

(۱) شرح ماثبت بالسنۃ

شیخ الاسلام بن حافظ فخرالدینؒ

(۱) شرح صحیح بخاری (۲) کشف الغطا عما الزم للموتی علی الاحیاء

(۳) طرد الاوہام عن اثر الامام الہمام

مولانا محمد سلام اللہ محدث بن مولانا شیخ الاسلامؒ

(۱) محلی شرح موطا (۲) رسالہ مناقب اہل بیت بنام خلاصۃ المناقب

(۳) شرح شمائل ترمذی (۴) کمالین حاشیہ تفسیر جلالین

(۵) رسالہ اصول حدیث

مولانا نورالاسلام بن محمد سلام اللہؒ

(۱) رسالہ بحث زمان (۲) بحث مکان

(۳) رسالہ اصول حدیث (۴) رسالہ اسطرلاب

(۵) حاشیہ علی میرزاہد علی الرسالۃ القطبیہ

مولانا محمد سالم بن سلام اللہؒ

(۱) رسالہ نورالایمان (۲) رسالہ اصول الایمان

(۳) لطائف الاسرار (۴) طریق السالم

(۵) رسالہ عذب منہر ترجمہ حزب البحر (۶) رسالہ دربیان جواز سماع

حصۂ پنجم

شیخ محدثؒ کی علمی اور دینی خدمات

باب اوّل[۱]

شیخ عبدالحق محدثؒ دہلوی کا ماحول

انسان کی ذہنی اور فکری نشو و نما میں ماحول کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی ہمت اور توفیق کے مطابق کچھ ماحول سے لیتا اور کچھ اس کو دیتا ہے۔ اس طرح رد و قبول، جذب و انجذاب، تقلید و اجتہاد کی خاموش لیکن طویل کشمکش کے بعد اُس کی شخصیت کا طرز تعمیر ہوتا ہے۔ اس بنا پر کسی انسان کو اس کے ماحول سے ہٹا کر سمجھنے کی کوشش کبھی بارآور نہیں ہو سکتی۔ شیخ محدثؒ کے افکار و رجحانات، جذبات و احساسات بڑی حد تک حالات گرد و پیش سے متاثر ہوئے تھے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی دینی خدمات کا جائزہ لینے سے قبل ان کے ماحول کو سمجھ لیا جائے۔

مہدوی تحریک

شیخ عبدالحقؒ نے جب آنکھ کھولی تو مہدوی تحریک پورے عروج پر تھی۔ مہدوی تحریک کے بانی سید محمد جونپوریؒ ۱۴ جمادی الاول سنہ ۸۴۷ھ مطابق سنہ ۱۴۴۳ء کو جونپور میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ دل و دماغ کی بڑی خوبیوں کے مالک تھے اس لیے معاصرین نے ان کو "اسد العلماء" کا خطاب دیا تھا۔ درس تدریس میں خاص مہارت تھی۔ اُن کے حلقۂ درس میں شاہ و گدا سب ہی شریک ہوتے تھے۔ چالیس سال کی عمر میں سید محمد جونپوری معتقدین کی ایک مختصر جماعت کو ساتھ لے کر حجاز چلے گئے، وہاں عرصہ تک ارشاد و تلقین اور درس و تدریس میں مصروف رہے۔ مہدوی تذکروں میں لکھا ہے کہ سنہ ۱۴۹۵ء میں جب کہ اُن کی عمر باون سال تھی اُنھوں نے مکہ میں مہدیت کا اعلان کیا۔ اس کے بعد وہ

گجرات کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اور احمد آباد میں مہدوی تحریک کا مرکز قائم کیا۔ وہاں علماء نے ان کی شدید مخالفت کی، لیکن جتنی وہ مخالفت کرتے تھے اُتنی ہی اُن کی تحریک ترقی کرتی گئی مولانا ابو الکلام آزاد لکھتے ہیں۔ — "عشق کی صداقت اور قلب کی پاکی نے ان کی دعوت و تذکیر میں ایسی تاثیر بخشی تھی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ہزاروں آدمی حلقۂ ارادت میں داخل ہوگئے اور متعدد سلاطین وقت نے ان سے بیعت کی۔ ان لوگوں کے طور طریق کچھ عجیب عاشقانہ و والہانہ تھے اور ایسے تھے کہ صحابۂ کرام کے خصائص ایمانی کی یاد تازہ کرتے تھے۔ عشق الٰہی کی ایک جاں سپار جماعت تھی جس نے اپنے خون کے رشتوں اور وطن و زمین کی فانی القوں کو ایمان و محبت کے رشتہ پر قربان کر دیا تھا۔ اور سب کو چھوڑ چھاڑ کر راہ حق میں ایک دوسرے کے رفیق و غمسار بن گئے تھے۔ امیر و فقیر اعلیٰ و ادنیٰ سب ایک ہی حال اور ایک رنگ میں رہتے اور بجز خلق اللہ کی ہدایت و خدمت اور احکام شرع کے اجراء و قیام کے اور کسی کام سے واسطہ نہ رکھتے تھے"[1]

حقیقت یہ ہے کہ سید محمد جونپوری کی تحریک حالات گرد و پیش کے خلاف ایک زبردست بغاوت کا اعلان تھی۔ — مادیت کی وبا ہر طرف پھیلی ہوئی تھی، شریعت سے انحراف روز بروز ترقی کر رہا تھا، علماء سو نے دین کی بے حرمتی پر کمر باندھی تھی اور سیدھے سادے انسانوں کو گمراہ کر رہے تھے۔ صوفیہ نے شریعت و طریقت کی تفریق میں اپنی بے راہ روی کا جواز تلاش کر لیا تھا، امراء و سلاطین ہنگامہائے نا و نوش میں مدہوش تھے — اس صورت حال نے سید محمد کے حساس قلب میں کرب اور بے چینی پیدا کر دی۔ انہوں نے اعلاء کلمۃ الحق کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ مولانا آزاد اُن کی تحریک کے متعلق لکھتے ہیں۔ — "میرا خیال ہے کہ اس کی بنیاد صداقت و حق پرستی پر تھی، یعنی دعوت و تبلیغ حق و احیاء شریعت و قیام فرض امر بالمعروف و نہی عن المنکر

[1] تذکرہ

اُس کا مقصد اعلیٰ تھا اور خود سید محمد اور ان کے پیروؤں کی پہلی جماعت کے اکثر لوگ بڑے ہی پاک نفس اور خدا پرست لوگ تھے۔[۱]

سلیم شاہ سوری کے عہد میں شیخ علائی، شیخ عبداللہ نیازی وغیرہ نے مہدوی تحریک کی نشر و اشاعت میں بہت کام کیا۔ اکبر کے عہد میں گجرات مہدویوں کا مرکز تھا اور وہاں میاں محمد مصطفیٰ کی مسند ارشاد بچھی ہوئی تھی۔ علماء اُن کے شدید مخالف تھے۔ ۹۸۰ھ/۱۵۷۳ء میں جب اکبر گجرات پہنچا تو انہوں نے میاں مصطفیٰ کے قتل کی تجویز پیش کی۔ اکبر نے میاں مصطفیٰ کو پٹن بلوایا اور اُن سے گفتگو کی۔ ان کی باتوں کا دل پر ایسا اثر ہوا کہ خان اعظم کو حکم دیا کہ ان کو فتح پور بھیج دیا جائے۔ وہاں اکبر نے علماء کو جمع کیا اور میاں مصطفیٰ سے مہدویت کے متعلق سوالات کیے۔[۲] بدایونی لکھتا ہے:

"در صحن دیوان خانہ علماء را طلبیدہ از شیخ مصطفیٰ تحقیق مسئلہ مہدویت می نمودند و او مجیب بود و مناظرہ باستداد کشید۔"[۳]

میاں مصطفیٰ نے گجرات جاتے ہوئے ۹۸۳ھ/۱۵۷۵ء میں وصال فرمایا۔ ان کے بعد شمالی ہندستان میں مہدویت کا اثر کم ہو گیا۔

سید محمد مہدی کی تحریک احیاء سنت اور اماتت بدعت کے لیے وجود میں آئی تھی لیکن یہ اپنے اصلی رنگ میں زیادہ عرصہ تک نہ چل سکی۔ مہدویت کا تصور، اسلام کے ایک بنیادی اصول ختم نبوت سے ٹکرا گیا اور علماء اسلام مثلاً شیخ علی متقی[۵]

---

۱ تذکرہ

۲ میاں مصطفیٰ کی ایک تصنیف "جواہر التصدیق" ۱۳۶۰ھ میں جمعیت مہدویہ دائرہ زمستان پور حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے۔
میاں مصطفیٰ کے حالات زندگی حافظ محمود شیرانی مرحوم نے اورینٹل کالج میگزین (۴۲ء، ۴۳ء) میں لکھے ہیں (دائرے کے مہدویوں کا اردو ادب کی تعمیر میں حصہ)

۳ ملاحظہ ہو مجالس میاں مصطفیٰ (مطبوعہ مکتبہ ابراہیمیہ ۱۳۶۶ھ)

۴ منتخب التواریخ۔ جلد سوم۔ ص ۵۱

۵ حالات کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ۔

شیخ ابن حجر مکی اور شیخ عبدالحق جو اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔ شیخ عبدالحق نے لکھا ہے:

"در اعتقاد سید محمد جونپوری ہر کمالیکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داشت و رسید سید محمد را نیز بود، فرق ہمیں است کہ آنجا باصالۃ بود و اینجا بہ تبعیۃ و تبعیۃ رسول بجائے رسیدہ کہ ہمچو او شد"

اگر سولہویں اور سترہویں صدی کی مختلف مذہبی تحریکوں کا بغور تجزیہ کیا جائے تو حقیقت واضح ہو جائیگی کہ اس زمانہ کا سب سے اہم مسئلہ پیغمبر اسلام کا صحیح مقام اور حیثیت متعین کرنا اور برقرار رکھنا تھا! —— تصور امام، عقیدہ مہدویت، نظریہ الفی، دین الٰہی —— یہ سب تحریکیں پیغمبر اسلام کے مخصوص مقام اور مرتبہ پر کسی نہ کسی طرح ضرب لگاتی تھیں۔ شیخ عبدالحق کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ و ارفع مقام کی پوری طرح وضاحت کردی اور اس سلسلہ کی ہر ہر گمراہی پر شدت سے تنقید کی۔

علماء کی حالت

اس دور میں جو طبقہ سب سے زیادہ ظلمت و گمراہی کا شکار رہا وہ علماء سو کا تھا۔ اس نے "اجتہاد" اور "بدعت حسنہ" کے دلفریب عنوان سے صدہا گمراہیوں کے دروازے کھول دیے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:-

"اکثر علماء این وقت رواج دہندہائے بدعت اند و محو کنندہائے سنت"[2] — اس زمانہ کے بیشتر علماء بدعت کو رواج دینے والے اور سنت کو مٹانے والے ہیں۔

حاجی ابراہیم سرہندی نے گجرات سے بادشاہ کے لیے کچھ تحائف بھیجے تھے جن میں ایک تحفہ یہ تھا ——

---

[1] در زمان خود اعظم فقہاء و اعلم علمائے کہ معظمہ بود و در ابتدائے حال اُستاد شیخ (علی متقیؒ) بود۔ (اخبار الاخیار۔ ص ۲۵۰)

[2] مکتوبات مجدد الف ثانیؒ ۔ مکتوب ۵۴۔ دفتر دوم حصہ ہفتم۔

"ایک جعلی عبارت شیخ ابن عربی قدس سرہٗ کی ایک پرانی کرم خوردہ کتاب سے املا کی حروف میں نقل کر کے بھیجی جس کا مطلب یہ تھا کہ "صاحب زماںؑ کے پاس بہت سی عورتیں ہونگی اور وہ بغیر داڑھی کے (ریش تراش) ہوگا"[1]

یہ علماء جس باطنی فسق و فجور میں مبتلا تھے اس کا اندازہ مخدوم الملک کے اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ان کے پاس دولت کی فراوانی کا یہ عالم تھا کہ صرف گھر کے صندوقوں میں ہی نہیں بلکہ خاندانی قبروں میں بھی چاندی سونے کی اینٹیں ہی مدفون تھیں لیکن اس کے باوجود عمر بھر کبھی زکوٰۃ ادا نہ کی۔ حیلہ یہ نکال لیا تھا کہ ہر سال کے آخر میں اپنا تمام خزانہ بیوی کے نام ہبہ کر دیتے تھے اور سال ختم ہونے پر وہ اُن کو واپس کر دیتی تھی۔ ملا بدایونی نے لکھا ہے :-

"وغیر ازیں نیز حیلہ ہائے دیگر کہ حیل بنو اسرائیل پیش آں شرمندہ است و چنیں خست و رذالت و خباثت و جہالت و مکاری و ستمگاری او کہ بہ مشائخ و فقراء دیار خصوصاً بہ ائمہ مساجد و اہل استحقاق پنجاب نمودہ بود، یک یک بظہور پیوست"[2]

حُب جاہ و زر نے ان علماء کے ضمیر کی آواز کو اس قدر مردہ کر دیا تھا کہ وہ بادشاہ کی خوشنودی مزاج کی خاطر ہر قسم کے غیر شرعی فتوے دینے کے لیے آمادہ ہو جاتے تھے۔ اکبر کو سجدہ کرنے کا فتویٰ قاضی خاں بدخشانی نے دیا تو ملا عالم کابلی کو اس کا افسوس ہوا کہ یہ اجتہادی فضیلت اس کو کیوں نہ میسر آئی! داڑھی منڈوانے کی حدیث شیخ امان پانی پتیؒ کے بھتیجے نے نکالی۔ فریضۂ حج کے اسقاط کا فتویٰ مخدوم الملک کے ذہن رسا کا نتیجہ تھا۔

علماء سوء کی ان اجتہادی سرگرمیوں نے مذہب کی روح کو مردہ کر دیا اور شریعت

[1] منتخب التواریخ جلد دوم ص ۲۰۸ [2] منتخب التواریخ۔

سنت سے بے اعتنائی عام ہوگئی۔ مجدد صاحبؒ ایک مکتوب میں صدر جہاں کو لکھتے ہیں:

"معلوم شریف است کہ در قرن سابق ہر فسادے کہ پیدا شد از شومی علماء سوء بظہور آمد" ۱؎

صوفیۂ خام اس زمانہ میں گمراہی کا دوسرا زبردست منبع صوفیۂ خام تھے۔ انھوں نے "شریعت" کو "طریقت" سے علیحدہ کرکر تصوف کی شکل کو مسخ کر دیا تھا۔

مجدد صاحبؒ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"متصوفان خام وملحدان بے سرانجام ..... خیال می کنند کہ خواص مکلف بمعرفت اند وبس ..... ومیگویند کہ مقصود از اتیان وشریعت حصول معرفت است وچوں معرفت میسر شد تکلیفات شرعیہ ساقط گشت و ایں آیۂ کریمہ "واعبد ربک حتی یاتیک الیقین" بستشہد می آرند یعنی انتہائے عبادت تا حصول معرفت حق تعالیٰ است" ۲؎	بہت سے کچے متصوفہ اور بے سروساماں ملحدوں کا خیال ہے کہ خواص صرف معرفت الٰہی کے مکلف ہیں ..... اور کہتے ہیں کہ شریعت پر عمل کرنے سے مقصود تو حصول معرفت ہی ہیں جب معرفت حاصل ہوگئی تو احکام شرعیہ ساقط ہوگئے اور آیۂ کریمہ کو شہادت میں پیش کرتے ہیں اور یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ عبادت کی انتہا حصول معرفت پر ہے۔

بہت سے ایسے مجاہدات رائج ہوگئے تھے جن کو شریعت وسنت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ وحدت وجود کی گفتگو برسرعام ہوتی تھی۔ اور عبد ومعبود کے درمیان سب فرق بے معنی قرار دیا جاتا تھا مجدد صاحب نے ان حالات میں فرمایا تھا۔

۱؎ مکتوبات ص ۱۹۵ جلد اول ۲؎ مکتوبات ص ۲۵۸ دفتر اول۔

"ریاضات و مجاہدات کہ بجا ورائے تقلید سنت اختیار کنند معتبر نیست" م ۲۲۴ دفتر اول

"احوال و مواجید کہ بر ارباب ناشروعہ مترتب شوند نزد فقیر از قبیل استدراجات

است" م ۲۶۶ - دفتر اول

"از شنار تبرات صوفیہ مفتون نگردی و فریفتہ آں جمل سلطان حق نہ آئی" م ۲۷۲

"رقص و سرود اب تصوف کی جان تھا۔ الحاد و زندقے کو چھپانے کے لیے "طریقت" کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا۔ مشایخ متقدمین کی روایات بھلائی جا چکی تھیں ساور "تصوف" جو کبھی احیاء سنت، تزکیہ نفس اور تجلیہ باطن کا دوسرا نام تھا، اب سراسر ظلمت اور بدعت کے مترادف ہو گیا تھا۔

دربار اکبری ابتدائی زمانے میں اکبر مذہب کا سختی سے پابند تھا۔ شریعت کا پورا پورا احترام کرتا تھا۔ پنج وقتہ نماز با جماعت پڑھتا تھا اور اس کی تکبیر کرتا تھا۔ بدایونی نے لکھا ہے:

"ہر پنج وقت برائے خاطر جماعت در دربار می گفتند" [۱]

لیکن اس کا یہ شغف زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا۔ اور علماء سوء کی کج بحثی اور حب زر و جاہ نے اس کو مذہب ہی سے برگشتہ کر دیا۔ مجدد صاحب رح نے صحیح لکھا تھا کہ ـــ

"در قرن ماضی ہر بلائے کہ بر سر آمد از شومی ایں جماعت بود، بادشاہاں را ایشاں از راہ نی بردند" [۲]

ہوا یہ کہ ۱۵۷۵ء میں اکبر نے ایک عبادت خانہ بنوایا جس میں علماء اسلام کو مختلف دینی مسائل پر تبادلہ خیال کرنے کی دعوت دی۔ علماء نے عبادت خانہ کو دنگل میں تبدیل کر دیا اور بقول بدایونی

"بد نفسیہا از یں جماعت ظاہر شد" [۳] بہت کچھ بیہودگیاں اس گروہ سے ظاہر ہوئیں

[۱] منتخب التواریخ۔ ص ۲۱۳ [۲] مکتوبات مجدد الف ثانی رح م ۴۷ دفتر اول حصہ دوم ص ۵۴ [۳] منتخب التواریخ

بحث اس انداز میں ہوتی کہ علماء کی گردن کی رگیں پھول آتیں اور شور و غل ہونے لگتا۔ اکبر نہایت سنجیدگی کے ساتھ مذہبی معلومات حاصل کرنے کے لیے بے چین تھا۔ جب اُس نے علماء کی یہ حالت دیکھی تو اس کو سخت مایوسی ہوئی اور اس نے ملا عبدالقادر کو حکم دیا کہ آئندہ جو عالم بھی نامعقول حرکت کرے اُس کو دربار سے نکال دیا جائے۔ اکبر کے اس حکم کے بعد علماء سو کا شور و غل تو غالباً کم ہو گیا ہوگا لیکن ان کی فطرت کب بدل سکتی تھی۔ ایک عالم اگر ایک فعل کو حرام کہتا تو دوسرا کسی نہ کسی حیلہ کر اس کو جائز ثابت کر دکھاتا۔ اکبر کے ذہن پر اس صورت حال کا بہت برا اثر پڑا[1]۔

"علماء عہد خویش را کہ بہتر از غزالی و رازی تصور نمودہ بودند، رکاکتہائے ایشاں را دیدہ، قیاس غائب بر شاہد کردہ سلف را نیز منکر شدند"[2]

اپنے زمانے کے وہ علماء جن کو غزالی اور رازی سے بہتر تصور کرتا تھا جب ان کا پھوہڑ پن دیکھا تو سامنے والوں پر غائبوں کو قیاس کر کے سلف کا بھی منکر ہو گیا۔

شیخ عبدالنبی جن سے کبھی اکبر کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ ان کے جوتے خود اٹھاتا تھا، ایک مرتبہ عبادت خانہ میں بحث و مباحثہ کر رہے تھے کہ اکبر نے اُن کے مُنہ پر چانٹا مارا۔

علماء کے جھگڑوں سے تنگ آ کر ۱۵۷۹ء میں ایک محضر نامہ جاری کیا گیا جسے ملا مبارک ناگوری نے مرتب کیا تھا۔ اس محضر نامہ میں اعلان کیا گیا کہ

"مرتبہ سلطان عادل عند اللہ زیادہ از مرتبہ مجتہد است"

---

[1] اکبر کا یہ قول ابوالفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے:
"رکا شگفے از خواندگاں رسمی علوم چندیں اختلاف بگوش نرسیدے از فراواں دگرگونگی تفاسیر و احادیث بشگفت زار نیفتادمے" (ص ۳۲۱)
رکاشگفے میں رسمی علوم کے ماہرین سے اس قدر اختلافات نہ سنتا اور تفاسیر و احادیث کے اختلافات مجھے حیرانی میں نہ ڈالتے۔

[2] منتخب التواریخ

اور اکبر کو حق اجتہاد دیا گیا۔ بظاہر یہ مسودہ بالکل معصوم معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں ایک اہم دینی اور فقہی مسئلہ اُلجھا ہوا ہے ــــ اجتہاد کا حق کیا ایک ایسے بادشاہ کو دیا جاسکتا ہے جو علم دین سے پوری طرح واقفیت نہ رکھتا ہو ــــ؟

اس کے بعد اکبر نے مسجد میں خطبہ پڑھنے کا ارادہ کیا۔ فیضی نے خطبہ میں یہ اشعار لکھے:-

خداوندے کہ مارا خسروی داد	دل دانا و بازوے قوی داد
بعدل و داد مارا رہنموں کرد	بجز عدل از خیال ما بروں کرد
بود وصفش از حد فہم برتر	تعالیٰ شانہ اللہ اکبر

ابھی خطبہ کے یہ اشعار بھی پوری طرح نہ پڑھنے پایا تھا کہ اکبر پر لرزہ طاری ہو گیا اور وہ منبر سے اُتر آیا۔

عبادت خانے کے دروازے اب ہر مذہب اور ملت کے لیے کھول دیے گئے۔ اور طرح طرح کے مباحث پر گفتگو ہونے لگی۔ اکبر ان میں شرکت کرتا تھا۔ علماء اسلام سے اس کو پہلے ہی نفرت ہو چکی تھی۔ جب غیر مذاہب کے لوگوں نے اس کے دل و دماغ میں اسلام کے متعلق شبہات پیدا کیے تو کوئی طبقہ علماء کا دربار میں ایسا نہ تھا جو اُن کو رفع کر سکتا۔ جو مسلمان عالم دربار میں موجود تھے اُنھوں نے بادشاہ کی ہمزبانی میں ہی اپنی فلاح کا راز پایا۔ اور اس کی ہر بدعت کو جائز قرار دے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دربار اکبری بدعات کا مرکز بن گیا اور اسلام سے بادشاہ کا تعلق روز بروز کم ہوتا چلا گیا۔

جب اسلام کی ہر بات عقل کی ترازو میں تولی جانے لگی تو ملامت و تنقید کا سب سے پہلا نشانہ مجتہدین و ائمہ بنے۔ ملا عبدالقادر نے لکھا ہے:

اگر در حین بحث سخن مجتہدین را	اگر کسی بحث و مباحثہ کے درمیان ائمہ

می آوردند می گفت فلاں حلوائی و فلاں کفش دوز، و فلاں چرم گر بر ما حجت می آرید [1]

مجتہدین کی کوئی بات پیش کی جاتی تو (ابوالفضل) اس کے جواب میں کہتا فلاں حلوائی فلاں کفش دوز اور فلاں چمڑے والے کے قول سے تم مجھ پر حجت قائم کرتے ہو۔

اس کے عہد دربار میں کھلم کھلا فقہی مسائل اور شعار اسلامی کا مذاق اُڑایا گیا۔ معراج کو خلاف عقل ثابت کرنے کے لیے اکبر بیٹھے بیٹھے یکایک ایک ٹانگ پر کھڑا ہو گیا اور کہا—

"ایں معنی را عقل چہ گونہ قبول کند کہ شخصے در یک لحظہ با گرانی جسم از خواب بآسماں رود" [2]

ملا عبد القادر بدایونی نے دربار اکبری کا جو نقشہ کھینچا ہے اور اسلام کے متعلق اکبر کے جن خیالات کو بیان کیا ہے، ان کو موجودہ زمانہ کے بعض مورخین قابل اعتماد نہیں سمجھتے، بلکہ اُن پر دروغ گوئی کا الزام لگاتے ہیں [3]۔ تاریخی شواہد اس الزام کی تائید نہیں کرتے۔ بدایونی نے جو کچھ لکھا ہے اس کی تصدیق مجدد الف ثانیؒ، شیخ عبد الحقؒ، میر عبد الاولؒ اور دیگر علماء و مشائخ کی زبان ہی سے نہیں بلکہ زندگیوں سے ہوتی ہے۔ اگر ملا بدایونی کی پیش کی ہوئی تصویر غلط ہے تو حضرت مجدد الف ثانیؒ کی برہمی کا مطلب کیا تھا؟ وہ اپنے مکتوبات میں "غربت اسلام" کا نوحہ کیوں کرتے ہیں؟ اُن کو کس دربار میں احداث و بدعات کا دریا اُمنڈتا ہوا نظر آ رہا تھا؟ وہ کیوں

---

[1] منتخب التواریخ۔ جلد دوم ص ۲۱۷۔ [2] اسی طرح ایک کوشش مکھن لال رائے چودھری نے اپنی کتاب "دین الٰہی" میں کی ہے۔ (ص ۲۶۸-۲۷۵) حقیقت یہ ہے کہ جب انسان اپنے کسی خاص خیال کی تائید پر تلا ہوا ہوتا ہے تو صدق و دیانت کا دامن اکثر ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ اگر ملا نے اکبر کی برائی میں مبالغہ کیا ہے تو کیا ابوالفضل نے اس کی تعریف میں مبالغہ نہیں کیا؟ لیکن ابوالفضل کے بیا

امراء و اعیان کو دین و مذہب کی حفاظت کے لیے ترغیب دے رہے تھے؟ — پھر سب یہی سوالات تھوڑے تھوڑے فرق سے شیخ محدث اور اس عہد کے دیگر علماء و مشائخ کے متعلق بھی پیدا ہوتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اگر ملا بدایونی کی پیش کی ہوئی تصویر میں حق و صداقت نہیں تو پھر اس عہد کا بیشتر مذہبی لٹریچر بے معنی ہے۔ اور یہ سب علماء و مشائخ ایک فرضی ابتری اور انتشار کے خلاف آواز بلند کر رہے تھے۔

مجدد صاحب ایک خط میں خان اعظم کو لکھتے ہیں

"در سلطنت پیشیں عنادے بدین مصطفوی مفہوم می شد"[1]

اس اجمال کی تفسیر ان کے مکتوبات کی تین جلدوں میں ملتی ہے جن میں ایک ایک گمراہی کا پتہ دیا گیا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تصانیف کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو حضرت مجدد الف ثانی اور ملا عبدالقادر کے بیانات کی پوری طرح تصدیق ہو جائیگی۔ شیخ محدث نے اپنے مخصوص انداز میں وہ سب کچھ کہہ دیا ہے جو ملا بدایونی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ شیخ نورالحق بالکل صفائی سے لکھتے ہیں کہ ۹۸۶ھ (یعنی ۱۵۷۸ء) میں بادشاہ نے مذہب کو خیرباد کہہ دیا تھا۔

دربار اکبری میں جن بدعات اور غیر شرعی حرکات کا ارتکاب ہوتا تھا اور علماء و فقہاء اسلام کے متعلق جس رائے کا اظہار ہوتا تھا اُن کی تفصیل یہاں ممکن نہیں۔ مندرجہ ذیل فہرست پر سرسری نظر ڈال لی جائے تو مجملاً ماحول کا اندازہ ہو جائیگا۔

(۱) ملت اسلام ہمہ نامعقول و حاشا	تمام مذہب، اسلام نامعقول اور اسکے
واضع آں فقراء عربان بودند کہ جملہ	ایجاد کرنے والے اور بنانے والے عرب کے
مفسداں و قطاع الطریق و آں دو	وہ چند مفلس بدوقزاق پائے جو سب کے
بیت شاہنامہ کہ فردوسی طوسی بطریق	سب مفسد اور راہزن تھے۔ اور شاہنامہ

---

[1] مکتوبات مجدد الف ثانی۔ مکتوب ۶۵ دفتر اول حصہ دوم ص ۴۵۔

نقل آوردہ تمسک می ساختند ۔۔

زشیر شتر خوردن و سوسمار

عرب را بجائے رسیدست کار

کہ ملک عجم راکنند آرزو

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

کے وہ دو شعر جن کو فردوسی نے بیان کیا ہے بطور سند پیش کیے جاتے تھے۔

ارکان دین کے ہر رکن اور اسلامی عقائد

(۳) در ہر رکنے از ارکان دین و ہر عقیدہ از عقائد اسلامیہ چہ در اصول وچہ فروع مثلاً نبوت وکلام ورویت وتکلیف وتکوین وحشر ونشر شبہات گوناگوں بہ تمسخر واستہزاء آوردہ[۲]

ارکان دین کے ہر رکن اور اسلامی عقائد کے ہر عقیدہ کے متعلق خواہ ان کا تعلق اصول سے ہو یا فروع سے، مثلاً نبوت، مسئلۂ کلام، دیدار الٰہی، انسان کا مکلف ہونا، عالم کی تکوین، حشر ونشر وغیرہ کے متعلق تمسخر اور ٹھٹھے کے ساتھ طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا کیے جانے لگے۔

(۳) وتواتر قرآن وثبوت کلامیت آں وبقائے روح بعد از اضمحلال بدن وثواب وعقاب را (غیر از تناسخ) محال شمردند[۳]

قرآن کے تواتر اور قرآن کے کلام خدا ہونے کو اور بدن کے فنا ہونے کے بعد روح کے باقی رہنے، نیز ثواب وعقاب کو محال سمجھا تھا، البتہ تناسخ کے طور پر عذاب وثواب کا قائل تھا۔

(۴) بدبختے چند از ہندواں ومسلمانان ہندو مزاج قدح صریح بر نبوت می کردند[۴]

چند ہندو اور چند ہندو مزاج مسلمان آنحضرت کی نبوت پر صراحۃً اعتراض کرتے تھے۔

۱؎ منتخب التواریخ ص۲۰۳ ۲؎ ایضاً ص۳۰۳ ۳؎ ایضاً ص۲۶۳ ۴؎ ایضاً ص۲۱۵

(۵) "در دیوان خانہ ہیچ کس یارائے آں نداشت کہ علانیہ ادائے صلوٰۃ کند"[۱]

دیوان خانہ میں کسی کی مجال نہ تھی کہ علانیہ نماز ادا کر سکے۔

(۶) "عبادت آفتاب را روزے چہار وقت کہ سحر و شام و نیم روز و نیم شب باشد لازم گرفتند"[۲]

آفتاب کی عبادت دن میں چار وقت یعنی صبح و شام، دوپہر آدھی رات میں لازمی طور پر کرتے تھے۔

(۷) "قشقہ کشیدند"[۳]

وہ قشقہ بھی لگاتے تھے۔

(۸) "برغم اسلام خنزیر و کلب از نجس بودن باز ماند، درون حرم و زیر قصر نگہداشتہ ہر صباح نظر بداں عبادت می شمردند"[۴]

اسلام کے توڑ پر سور اور کتے کے ناپاک ہونے کا مسئلہ منسوخ قرار دیا گیا، اور شاہی محل کے نیچے یہ دونوں جانور رکھے گئے، صبح سویرے اس کے دیکھنے کو بادشاہ عبادت خیال کرتا تھا۔

(۹) "عربی خواندن و دانستن آں عیب شد و فقہ و تفسیر و حدیث و خوانندہ آں مطعون و مردود"[۵]

عربی پڑھنا، عربی جاننا عیب قرار دیا گیا اور فقہ و تفسیر و حدیث کے پڑھنے والے مردود و مطعون ٹھہرائے گئے۔

(۱۰) "نام احمد و محمد و مصطفےٰ و امثال آں بہ جہت کافراں بیرونی و زنان اندرونی گراں می آمد"[۶]

احمد، محمد اور مصطفےٰ وغیرہ نام بیرونی کافروں کی خاطر سے اور اندرونی عورتوں کی وجہ سے اس شخص پر گراں گزرنے لگے۔

[۱] منتخب التواریخ۔ ص ۲۱۵۔ وغیرہ
[۲] تا [۶] منتخب التواریخ

دربار کے اس ماحول عوام کی زندگی پر بھی اثر انداز ہوا اور اعتقاد و عمل کے گوشہ گوشہ میں شکوک و شبہات کا زہر سرایت کر گیا۔ شیخ محدثؒ نے ان حالات میں اپنے فرائض کو محسوس کیا اور اپنے مخصوص انداز میں ماحول کی اصلاح میں منہمک ہو گئے۔

باب (۲) دوم

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور ترویج علوم حدیث

اسلامی ہند کی فضلائے علم وادب جن روشن اور تابناک ستاروں سے مزین ہے ان میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کو ایک امتیازی شان حاصل ہے۔ انہوں نے نصف صدی سے زیادہ درس و تدریس اور ارشاد و تلقین کا ہنگامہ گرم رکھا اور ان کا قلم عمر بھر قرآن و حدیث کے اسرار و حکم کی کشف و تحقیق میں گہر افشانی کرتا رہا۔ شرح سفر السعادت میں ایک جملہ جو انہوں نے دوسروں کے لیے لکھا ہے، خود ان پر صادق آتا ہے ——

"بہ تجدید و ترویج علم جامے تازہ بر چہرۂ دین و ملت افزودند" [۱]

ان کا سب سے بڑا اور اہم کارنامہ ترویج علوم حدیث سے متعلق ہے۔ دارا شکوہ نے بجا طور پر ان کو "امام محدثان وقت" [۲] کہا ہے۔ خافی خاں لکھتا ہے:

در کمالات صوری و معنوی، و تحصیل علوم عقلی و نقلی خصوص
تفسیر و حدیث در تمام ہندوستان ثانی نداشت [۳]

اس سلسلہ میں شیخ عبدالحقؒ کی خدمات مختصراً مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) ایک ایسے دور میں جب کہ علم حدیث شمالی ہندوستان میں تقریباً ختم ہو چکا تھا انہوں نے اپنی مسلسل اور پرخلوص جد و جہد سے اس کو از سر نو زندہ کیا۔

---

[۱] شرح سفر السعادت۔ ص۔ [۲] سکینۃ الاولیا (قلمی) [۳] منتخب اللباب۔ ص ۵۵۱

(۲) کتب احادیث کو اپنے زمانے کے نصاب و منہاج کا ایک لازمی جزو بنا دیا۔ خود انہوں نے اپنے مدرسہ میں کتب احادیث کے باقاعدہ درس کی ابتدا کی، ان کے بیٹے اور پوتوں نے اپنے مدرسہ کی اس خصوصیت کو برقرار رکھا۔

(۳) فارسی زبان میں کتب احادیث کے منتقل کرنے کی باقاعدہ کوشش کی اور اس طرح علوم دینی کے وہ خزانے جو عوام کی دسترس سے باہر تھے، ہر کہ ومہ کے لیے کھل گئے۔ مولانا ابو الکلام آزاد لکھتے ہیں:-

"حضرت شاہ عبد الحق محدث جس دور علم وتعلم کے بانی ہوئے اس کی ایک خصوصیت یہی ہے کہ علم حدیث کے متعلق فارسی زبان میں جو ملک کی عام زبان تھی تصنیف وتالیف کی بنیاد ڈالی گئی" ۱؎

عربی سے فارسی میں ترجمہ کرنے میں شیخ محدث کو بڑی مہارت تھی۔ نواب صدیق حسن خاں کا خیال ہے:

"در ترجمہ عربی بفارسی یکے از افراد ایں امت است، مثل او دریں کار و بار خصوصاً دریں روزگار احدے معلوم نیست" ۲؎

(۴) شیخ محدث نے مشکوٰۃ پر خاص توجہ کی۔ ان کو مشکوٰۃ سے وہی تعلق تھا جو شاہ ولی اللہ دہلوی کو موطا امام مالک سے تھا۔ انہوں نے مشکوٰۃ کی شرح عوام وعلماء کی ضروریات کے پیش نظر عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں لکھی تھی۔ اسی طرح شاہ ولی اللہ نے موطا کی شرح (مصفیٰ اور مسویٰ) فارسی اور عربی میں لکھی۔

(۵) مشکوٰۃ کو دیگر کتب احادیث پر ترجیح دینے کے اسباب یہ تھے: (۱) مشکوٰۃ میں صحاح کی حدیثیں جمع کی گئی ہیں۔ (۲) مشکوٰۃ کی ترتیب بہت اعلیٰ ہے۔ (۳) جامعیت کے اعتبار سے مشکوٰۃ کی خاص اہمیت ہے (۴) مشکوٰۃ میں صرف صحابی کا نام اور

۱؎ تذکرہ۔ ۲؎

کتاب کا ذکر ہے، مکمل سلسلۂ اسناد بیان نہیں کیا گیا۔ اس طرح مبتدیوں کے لیے اس کا سمجھنا آسان ہو گیا ہے۔ پڑھنے والے کی توجہ حدیث کے مضمون پر مرتکز ہو جاتی ہے اور وہ اسناد کے الجھنوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ (۵) مشکوٰۃ پر شافعیت کا رنگ زیادہ اُجاگر محسوس ہوتا ہے۔ شیخ عبد الحقؒ نے اپنی شرح لکھ کر اس کو حنفیت کا رنگ دے دیا۔

(۶) علم حدیث کی ترقی کے لیے ضروری تھا کہ حجاز اور وہاں کے محدثین سے براہِ راست تعلق پیدا کیا جائے۔ شیخ عبد الحقؒ نے علم حدیث حجاز میں حاصل کیا۔ اُن کے بعد ہندوستان میں محدث بننے کے لیے حجاز میں قیام اور علمائے حجاز سے استفادہ ضروری سمجھا جانے لگا۔

ہندوستان میں علم حدیث کے سلسلہ میں بیشتر روایات شیخ محدثؒ ہی نے قائم کیں۔ ان روایات پر شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے نہ صرف پوری طرح عمل کیا بلکہ پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔

(۷) شیخ عبد الحق دہلویؒ اور اُن کے خاندان نے حدیث کی مختلف کتابوں کی جو خدمت کی ہے اس کی تفصیل یہ ہے :-

کتاب	خدمات
صحیح بخاری	تیسیر القاری۔ شیخ نور الحق (۲) شرح صحیح بخاری۔ شیخ الاسلام محدثؒ
صحیح مسلم	(۱) منبع العلم۔ شیخ محب اللہؒ (۲) شرح منبع العلم۔ شیخ فخر الدینؒ
موطا	محلی شرح الموطا۔ مولانا سلام اللہؒ
مشکوٰۃ	(۱) اشعۃ اللمعات۔ شیخ عبد الحقؒ (۲) لمعات التنقیح۔ شیخ عبد الحقؒ

مشکوٰۃ	(۲) جامع البرکات، منتخب شرح المشکوٰۃ۔ شیخ عبدالحقؒ (۳) اسماء الرجال والروایات المذکورین فی کتاب المشکوٰۃ } شیخ عبدالحقؒ
ترمذی	(۱) شرح شمائل ترمذی۔ مولانا اسلام اللہؒ (۲) اشرف الوسائل فی شرح شمائل ترمذی۔ شیخ سیف اللہؒ
اصول حدیث	(۱) رسالہ اصول حدیث۔ مولانا اسلام اللہؒ (۲) رسالہ اصول حدیث۔ مولانا نور الاسلامؒ

باب سوم

علوم دینی کے احیاء کی جدوجہد

گیارہویں صدی ہجری میں علماءِ ہند کی توجہ زیادہ تر فلسفہ اور علمِ کلام کی جانب تھی قرآن و حدیث کو اس زمانہ کے نصاب میں ایک ثانوی حیثیت دی گئی تھی۔ بلکہ ملا بدایونی کا بیان تو یہ ہے کہ

"فقہ و تفسیر و حدیث و خوانندۂ آں مطعون و مردود و نجوم و حکمت و طب و حساب و شعر و تاریخ و افسانہ رائج و معروض"[1]

قرآن و حدیث سے رجوع کیا جاتا تھا تو حیلہ بازی کے جواز کے لیے تفسیر لکھی جاتی تھی تو تاویلات کا ایک طوفان برپا کرنے کے لیے۔ ان حالات میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اگر ایک طرف قرآن و حدیث کو تمام علوم دینی کی اساس و بنیاد قرار دینے کے لیے جدوجہد کی تو دوسری طرف بے معنی تاویلات اور مفسدانہ تفاسیر کا دروازہ بند کردیا فرماتے ہیں :-

"...... وضع کردن تاویلات اہل زیغ[2] و ضلال و طعن ملاحدہ و زنادقہ و غیرہ از رعایت

---

[1] منتخب التواریخ جلد دوم ص ۳۰۶ - ۳۰۷

[2] حضرت مجدد الف ثانیؒ مکتوب ۱۵۹ دفتر اول میں لکھتے ہیں: "اے سعادت مند! ہم پر اور تم پر ضروری ہے کہ اپنے عقائد کو کتاب و سنت کے مطابق اس طور پر کہ علماءِ اہلِ حق نے کتاب و سنت سے سمجھا اور اخذ کیا ہے صحیح کریں، کیونکہ ہمارا تمہارا سمجھنا اگر ان حضرات کی رائے کے مطابق نہ ہو تو قابلِ اعتبار نہیں اس لیے کہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے خیالات کی بنیاد قرآن و حدیث ہی پر رکھتا ہے اور وہیں سے ان کو اخذ کرتا ہے۔"

حقوق کتاب اللہ ترک تعلم وداں تفسیر آں از پیش نفس خود بے سند و نقل از سلف و موافقت شرع شریف چنانکہ بعضے از جاہلان بوالفضول[1] ایں روزگار کنند و آں را تفسیر نام کنند و ندانند کہ من فسر القرآن برایہ فقد کفر۔[2]

احیاء علوم الدین کے لیے شیخ محدثؒ کی مساعی کا خلاصہ یہ ہے،

(۱) شیخ عبد الحقؒ نے اپنے عہد کے اس نصاب تعلیم کے خلاف آواز بلند کی جس میں فلسفہ و منطق کو غیر ضروری اہمیت دے دی گئی تھی۔

دہلی میں علوم فلسفہ کی گرم بازاری میں شیخ عبد اللہ طلبنی اور شیخ عزیز اللہ طلبنی سنبھلی کا کافی حصہ تھا سلطان سکندر لودی کے عہد میں یہ دونوں ملتان سے آکر دہلی اور سنبھل میں مقیم ہو گئے تھے۔ ملا عبد القادر بدایونی نے لکھا ہے:

"و از جملہ علمائے کبار در زمان سلطان سکندر شیخ عبد اللہ طلبنی در دہلی و شیخ عزیز اللہ طلبنی در سنبھل بودند ایں ہر دو عزیز ہنگام خرابی ملتان بہندوستان آمدہ علم معقول را دراں دیار رواج دادند و قبل ازیں بغیر از شرح شمسیہ و شرح صحائف از علم منطق و کلام در ہند شائع نبود"[3]

شیخ محدثؒ نے اس ماحول میں اعلان کیا کہ علم صرف وہ ہے:

"کہ موجب بقاء و تقویت دین و ملت است"[4]

ایک مکتوب میں وہ یہ شعر پڑھ کر ؎

علم دیں فقہ است و تفسیر و حدیث ہر کہ خواند غیر ایں گردد خبیث

کتاب اللہ، احادیث، اور علوم صرف و نحو کے مطالعہ کی ترغیب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ معاشی سہولتوں کے لیے زراعت، تجارت، معماری وغیرہ کی طرف توجہ

---

[1] یہاں غالباً شیخ کا اشارہ فیضی کی تفسیر سواطع الالہام کی طرف ہے۔

[2] مدارج النبوۃ۔ ص ۳۲۶ [3] منتخب التواریخ [4] المکاتیب و الرسائل۔ ص ۵۳۔

کرنی چاہیے۔

(۲) شیخ محدثؒ نے نصاب کی جس اہم تبدیلی کی طرف اپنے معاصرین کو توجہ دلائی تھی، سب سے پہلے خود اس کو عملی جامہ پہنایا، اور علوم دینیہ کی تعلیم کو اپنے دار العلوم کے منہاج میں مرکزی حیثیت دے دی۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے قبل شمالی ہندوستان کے جن مدارس میں کتب حدیث وفقہ کے درس کا ذکر ملتا ہے۔ اس کو شیخ محدثؒ کی مساعی جمیلہ کا اثر سمجھنا چاہیے۔

(۳) شیخ محدثؒ نے اپنی تصانیف میں متعدد جگہ "علم فلسفہ" اور "علم دین" کا مقابلہ کیا ہے۔ عقل کے حدود سمجھائے ہیں۔ اور بتایا ہے کہ

"خوض در فلسفیات واشتغال بداں حرام دانند واز غلو در مباحثات، و دلائل کلامیہ اجتناب نماید و در تفصیل قیل وقال اہل بحث وجدل در نیفتد" [1]

فلسفہ "ورطۂ حیرت" میں ڈال دیتا ہے اور زندگی کے کسی مسئلہ کو حل نہیں کرتا۔ عقل کا مقام اور کام تو یہ ہے۔

"عقل بمثابہ چراغیست کہ بداں راہ چاہ بدانند و کار چراغ آں بود کہ راہے نمودہ اند و نشانہا دادہ بداں ببیند و براثر نشانہا بروند، نہ آنکہ راہ از خود پیدا کند و اختراع نماید، ایں کار ہرگز از چراغ نیاید، راہ ہمانست کہ قرار دادہ، اند و نشانہائے آں نمودہ دیگر نمی شود" [2]

بیسویں صدی کا مفکر اقبال بھی عقل کو "چراغ راہ" بتاتا ہے:

خرد سے راہ رو روشن بصر ہے ۔۔۔ خرد کیا ہے چراغ رہ گزر ہے

درون خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا ۔۔۔ چراغ رہ گزر کو کیا خبر ہے

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور ۔۔۔ چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے

[1] مرج البحرین۔ ص ، [2] ایضاً۔ ص ۲۰

فلسفہ اور علم کلام کی طرف شیخ محدثؒ کا یہ رویہ عہد اکبری کی عقلیت پسندی کے خلاف ان کے شدید ردعمل کو ظاہر کرتا ہے۔ انہوں نے اپنی تصانیف میں متعدد جگہ یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ عقل "پائے چوبیں" ہے۔ اس سے زندگی کی مسافت طے نہیں کی جا سکتی۔ اس میں انتشار و تخریب کی قوتیں تو ہیں، لیکن تعمیر و تشکیل کی صلاحیت بالکل نہیں۔ انسانی زندگی کی عمارت تخیلات پر نہیں بنائی جا سکتی۔ اس لیے ضروری ہے کہ انسان عقل کے حدود متعین کرے۔

باب (۴) چہارم

فقہ و حدیث میں تطبیق

شیخ عبدالحق دہلویؒ کی علمی خدمات کا ایک اہم اور شاندار پہلو یہ ہے کہ اُنھوں نے تقریباً نصف صدی تک فقہ و حدیث میں تطبیق کی کوشش کی۔ بعض تذکرہ نگاروں نے اس سلسلہ میں اُن کی خدمات کو غلط رنگ میں پیش کیا ہے۔ مثلاً نواب صدیق حسن خاں اُن کا تعارف اس طرح کرانے کے بعد کہ

"فقیہ حنفی و علامہ دین حنیفی ست اما بہ محدث مشہور است"

لکھتے ہیں ـــــ

"دستگاہش در فقہ بیشتر از مہارت در علوم سنت سنیہ ست و لہذا جانب داری اہل رائے جانب او گرفتہ معہذا جاہا حمایت سنت صحیحہ نیز نمودہ طالب علم را باید کہ در تصانیف وے خذ ما صفا و دع ما کدر پیش نظر دارد و زلات تقلید او را بر محامل نیک فرود آرد از سوء ظن در حق چنیں بزرگواراں خود را دور گرداند" [1]

نواب صاحب کی یہ رائے انصاف و دیانت سے بہت دور ہے اور اُن کے خیالات کے تشدد کو ظاہر کرتی ہے۔

اس مسئلہ پر شیخ محدثؒ کے افکار و رُجحانات کا خلاصہ اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے:

[1] جنود الابرار ـ ص ۱۱۲ ـ

(۱) فقہ اسلامی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھی جانی چاہیے، اس لیے کہ اس کی بنیاد قرآن و حدیث پر ہے اور وہ ایک ایسی روح کی پیداوار ہے جس پر اسلامی رنگ چڑھ چکا تھا۔

(۲) فقہ حنفی پر یہ اعتراض درست نہیں کہ وہ محض قیاس اور رائے کا نام ہے بلکہ اس کی بنیاد محکم طور پر حدیث پر ہے۔

(۳) مشکوٰۃ کا گہرا مطالعہ فقہ حنفی کی برتری کو ثابت کرتا ہے۔

(۴) فقہ حنفی کو دیگر مذاہب پر ترجیح دینے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ یہ انصاف سے بہت قریب معلوم ہوتی ہے "تو بفہم زود تر در آید"

(۵) ایک ایسے دور میں جب کہ مسلمانوں کا سماجی نظام نہایت تیزی سے انحطاط پذیر ہو رہا تھا، جب "اجتہاد" گمراہی پھیلانے کا دوسرا نام تھا، جب علماء کی حیلہ بازیوں نے بنی اسرائیل کی حیلہ باز فطرت کو شرما دیا تھا، اگر کوئی راہ عافیت کی ہو سکتی تھی تو وہ تقلید کی تھی اس لیے کہ ——

مضمحل گردد چو تقویم حیات　　ملت از تقلید می گیرد ثبات

راہ آبا رو کہ این جمعیت است　　معنی تقلید ضبط ملت است

اجتہاد اندر زمان انحطاط　　قوم را برہم ہمی پیچد بساط

ز اجتہاد عالمان کم نظر　　اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر

باب پنجم (۵)

فقہ و تصوف میں ارتباط

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے پیر و مرشد شیخ عبدالوہاب متقیؒ کی ہدایت تھی:

"فقیہ صوفی باش نہ صوفی فقیہ، یعنی اول علم شریعت و فقاہت را بدست آرد و داد آں بدہ، پس ازاں بذروہ حقیقت برآ" [۱]

شیخ محدثؒ نے اپنی ساری عمر اسی اصول کی تبلیغ و اشاعت میں گزار دی۔ انہوں نے عالمانہ دلائل کے ساتھ اپنی دو کتابوں تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف اور مرج البحرین میں یہ ثابت کیا ہے کہ فقہ اور تصوف کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ان میں تضاد کا خیال غلط و گمراہ کن ہے۔ "فقہ و تصوف، شریعت و طریقت، ظاہر و باطن، صورت و معنی، عقل و عشق" کا امتزاج ہی مرج البحرین ہو سکتا ہے۔ فقیہ کو تصوف اور صوفی کو فقہ سے واقف ہونا لازمی ہے۔ فرماتے ہیں:

"..... پس تصوف بہ فقہ محتاج است و فقہ از تصوف مستغنی، اگرچہ تصوف اعلیٰ و ارفع است از فقہ در مرتبہ ولیکن فقہ اسلم و اعم است در مصلحت و ازینجا گفتہ اند کہ کن فقیہا صوفیا ولا تکن صوفیا فقیہا یعنی اول داد فقاہت و علم شریعت و حفظ ظاہر بدہ، بعد ازاں بمقام تصوف و اتصاف بحقیقت و تصفیہ باطن عروج کن زیرا کہ ایں اکمل و اتم و اسلم" [۲]

---

[۱] مرج البحرین۔ ص ۷۶ [۲] ایضاً ص ۸۷

باب (۶) ششم

حقیقی تصوف کی حمایت

حجۃ الاسلام علامہ ابن قیمؒ نے اعلام میں لکھا ہے:-

"لابد من امرین، احدھما اعظم من الآخر وھو النصیحۃ للہ و لرسولہ وکتابہ وتنزیھہ عن الاقوال الباطلۃ المناقضۃ، والثانی معرفۃ ائمۃ الاسلام ومقادیرھم وحقوقھم ومراتبھم، وان فضلھم لا یوجب قبول کل ما قالوا ولا یوجب اطراح اقوالھم"

یعنی صحیح راہ حق واعتدال کی یہ ہے کہ دو اصل ہیں، اور دونوں کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے ایک یہ کہ ہر حال میں کتاب وسنت اور نصوص شرعیہ کو مقدم رکھنا چاہیے اور اسی پر حکم وعمل کرنا چاہیے۔ دوسری یہ کہ تمام ائمہ اسلام اور علماء حق سے حسن ظن اور محبت و ارادت رکھنی چاہیے۔ اور اُن کے مراتب وحقوق کی رعایت سے کبھی غافل نہ ہونا چاہیے تصوف کے معاملہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا مسلک بالکل یہی تھا۔ وہ ائمہ اسلام، صوفیہ صافی اور علماء حق کی انتہائی تعظیم وتکریم کرتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ شریعت وسنت کو سب پر مقدم جانتے تھے۔ اور اس معاملہ میں کسی کے ساتھ کوئی رعایت جائز نہیں سمجھتے تھے۔

اس ضمن میں اُن کی خدمات اور عقائد کا نچوڑ یہ ہے:

لہ ماخوذ از تذکرہ۔ ص ۳۴۔

(۱) حقیقی تصوف اسلام کی روح اور ایمان کی جان ہے۔ اس کی اساس و بنیاد شریعت و سنت ہے۔ مسخ شدہ تصوف کا رد و انکار جس قدر ضروری ہے حقیقی تصوف کی حمایت اسی قدر لازمی ہے۔ شیخ عبداللہ نیازیؒ کو اس سلسلہ میں انہوں نے تفصیل سے اپنے خیالات سے آگاہ کیا ہے[1]

(۲) صوفیہ صافی، اسلام کی دینی تاریخ میں بڑا مرتبہ رکھتے ہیں۔

"اصل عنوان صوفیہ مرتبتے عظیم و مقامے رفیع و مسلک طریق مستقیم است"[2]

وہ "مقتبسان انوار سنت"[3] اور "مکاشفان سر حقیقت"[4] ہیں۔ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ قرآن و حدیث کے بعد سب سے زیادہ عزت و احترام کے قابل ہے۔ اس لیے کہ اس کا ایک ایک حرف اس ذہن کی پیداوار ہے جس پر قرآن و حدیث کا رنگ خوب رچ چکا تھا۔ فرماتے ہیں:

"اگرچہ علم تفسیر و حدیث بالذات بر ہمہ مقدم است، اما در حقیقت تصوف تفسیر کتاب خدا و شرح سنت رسول و مداول و نتیجہ آنہا است"[5]

(۳) شریعت و طریقت میں فرق کرنا گمراہی کی دلیل ہے۔ جو لوگ شریعت پر عامل نہیں وہ صوفیہ کہلانے کے مستحق نہیں۔ انہیں باطنیہ یا حشویہ کہنا چاہیے[6]۔ بزرگوں سے اُن کی نسبت صحیح نہیں۔ فرماتے ہیں۔

"حاشا اللہ کہ ایشاں را با پیران نسبتے و پیراں را با ایشاں عنایتے باشد، پیراں اہل حق اند و از ارباب صدق، از اہل بطلان و کذب کے راضی شوند"[7]

شیخ محدثؒ کا اعتقاد تھا کہ کل حقیقة ردتها شریعة فهي زندقة[8] جو حقیقت شریعت

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب المکاتیب والرسائل

[2] کتاب المکاتیب۔ ص ۵۱۔

[3] مرج البحرین۔ ص ۳۰

[4] ایضاً۔ ص ۳۰۔

[5] شرح فتوح الغیب۔ ص ۳۲۰

[6] کتاب المکاتیب۔ ص ۵۱

[7] کتاب المکاتیب۔ ص ۳۲۔

کو رد کرے و زندقہ ہے۔ انہوں نے خواجہ جنید بغدادیؒ کے اس قول پر اپنے فکر کی عمارت تعمیر کی تھی:

"بنائے طریقت ما بر کتاب و سنت است۔ وہر چہ مخالف کتاب و سنت است وخارج از آنست مردود و باطل است"۔ [1]

(۴) شیخ محدثؒ کے زمانہ میں صوفیہ و مشائخ اپنے مریدوں کی اصلاح و تربیت کی طرف سے بے توجہی برت رہے تھے۔ اور مشائخ متقدمین کا سارا نظام اصلاح و تربیت بے روح و بے جان ہو چکا تھا۔ فرماتے ہیں:

"ایں نوع تربیت دریں زمان منعدم شدہ وانقطاع پذیرفتہ است"

اس لیے شیخ محدثؒ نے اپنی تصانیف میں جگہ جگہ ہم عصر مشائخ کو ان کے فرائض سے آگاہ کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ شیخ کے لیے ضروری ہے کہ مریدوں کی باطنی اصلاح کو اپنی زندگی کا سب سے اہم کام سمجھ کر انجام دے۔

(۵) شیخ محدثؒ کا ابتدائی زمانہ جس ماحول میں گزرا تھا اُس پر وحدت الوجود کا رنگ غالب تھا۔ ان کے والد ماجد، شیخ امان پانی پتی کے مرید تھے اور اس مسئلہ پر ایمان رکھتے تھے۔ جب شیخ محدثؒ حجاز سے واپس آئے تو دیکھا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ وحدت الوجود کی مخالفت نہایت شد و مد کے ساتھ کر رہے ہیں۔ شیخ محدثؒ نے ان حالات میں اعتدال کی راہ اختیار کی۔ نہ انہوں نے حضرت محیی الدین ابن عربیؒ کے خیالات کی تردید کی، اور نہ ان کی تصانیف کا درس دیا۔ اپنے اُستاد شیخ عبدالوہاب متقیؒ کی طرح وہ یہ کہتے تھے کہ شیخ اکبرؒ کی تصانیف میں زہر بھی ہے اور قند بھی جو ان دونوں میں تمیز کر سکے وہ اُن کی تصانیف ضرور پڑھے۔

(۶) ہندوستان میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تصانیف کی طرف سب سے پہلے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ہی نے توجہ فرمائی۔ اور ان کے ترجمے کرکے

[1] مرج البحرین۔ ص ۱۴۱۔

تصوف کے اعلیٰ خیالات کی ترویج و تبلیغ میں معاون ہوئے۔

بابِ ہفتم

عہدِ اکبری اور شیخ محدثؒ

معارج الولایت میں شیخ محدثؒ کے متعلق لکھا ہے:

"در دفع زندقہ و الحاد سیکوشید"

کسی معاصر تذکرے میں اس اجمال کی تفصیل درج نہیں لیکن شیخؒ کی تصانیف کا ایک ایک صفحہ اس بیان کی تصدیق کرتا ہے۔ مناسب ہوگا کہ شیخ کے بعض نظریات و ارشادات کا مطالعہ اکبری عہد کے پس منظر میں کیا جائے۔

(۱) علم حدیث میں شیخ کے انہماک کا بڑا سبب یہ تھا کہ وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ بدعت و گمراہی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے خلاف اگر کوئی دیوار کھڑی کی جاسکتی ہے تو وہ صرف علوم حدیث کی۔ اُن کے ایک مشہور معاصر میر عبدالاولؒ نے لکھا تھا:

"جہت حفظ ایمان و عافیت و دفع مرض فتنہ اشتغال بہ علوم حدیث واجب دید و ضرر سموم حوادث را باین تریاق فاروق ممتنع گردانید"

اور خود ان کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ اسی کے ماتحت انہوں نے حدیث کے خزانوں کو عوام کے ہاتھوں میں دے دیا تھا۔

(۲) مدارج النبوۃ کی تصنیف سے شیخ کا مقصد یہ تھا کہ عہد اکبر کے فتنوں کا سدِ باب کیا جائے۔ فرماتے ہیں:-

پس از فساد زمان اخرائے در مزاج وقت بعضے درویشاں مغرور ایں روزگار راہ یافتہ و از تیرگی آئینہ استعداد و تنگی حوصلہ ادراک او ادراک پایۂ ارفع و مقام اقدس محمدی را ہیچ کس بزرگ و دریافت آں راہ نیست نشناختہ و تقصیرے در ادائے حق نمودہ و از جادۂ دین و صراط مستقیم برافتادہ بودند، لازم حق مسلمانی آں نمود کہ احوال و صفات قدسیہ ..... نگارش نماید و ایں بے خبراں را از حقیقت حال آگاہ گرداند و غافلاں را از خواب غفلت بیدار سازد و طالباں را رو براہ آرد"[1]

(۳) عہد اکبری کا ایک زبردست فتنہ نظریہ الفی تھا۔ یہ خیال عوام میں پھیلایا جا رہا تھا کہ اسلام کی مدت صرف ہزار سال تھی۔ اس مدت کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ احکام اسلامی اور شریعت اسلامی کے اتباع کی ضرورت بھی ختم ہوگئی۔ ملا عبد القادر بدایونی لکھتے ہیں:-

"چوں در زعم خویش مقرر ساختند کہ ہزار سال از زمان بعثت پیغمبر اسلام علیہ السلام کہ مدت بقائے ایں دین بود تمام شد ہیچ مانعے برائے اظہار و دواعی خفیہ کہ در دل داشتند نماند"[2]

بادشاہ نے یہ خیال پکایا کہ آنحضرت صلعم کے دین کی مدت کل ایک ہزار سال تھی جو پوری ہوگئی۔ بادشاہ کے دل میں اس کے بعد ان منصوبوں کے اظہار و اعلان میں اب کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی جو انہوں نے اپنے دل میں گانٹھے تھے۔

شیخ محدث نے نہایت شد و مد اور قوت و استقلال کے ساتھ اس غلط نظریہ کی تردید کی۔ اور بتایا کہ احکام اسلامی ہر زمانے اور ہر قوم کے لیے ہیں۔ ان کے لیے زمان و مکان کی پابندیاں بے معنی ہیں۔ فرماتے ہیں ——

[1] مدارج النبوۃ۔ ص ۳۔
[2] منتخب التواریخ۔ ص ۳۰۱۔

"از خصائص کاملہ ایں خیر الامم آنست کہ شریعت اکمل است از جمیع شرائع متقدمہ
وایں عیان است کہ محتاج نیست بہ بیان وواضح است کہ خفا نیست دراں وچوں
آنحضرت مبعوث است برائے تتمیم مکارم اخلاق ومحامد افعال لاجرم دین وشریعت
او اتم واکمل ادیان شرائع باشد" ؎۱

اس کے بعد شریعت محمدی کا دوسری شریعتوں سے مقابلہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں
کہ اس کی خوبی یہ ہے کہ اس میں فطرت انسانی کو ملحوظ رکھ کر توسط واعتدال کی راہ
اختیار کی گئی ہے، اور یہی اس شریعت کے ابدی ہونے کی دلیل ہے۔

(۴) مدارج النبوۃ میں ایک باب "حقوق آنحضرت" پر ہے۔ اس میں لکھتے ہیں
"پس ایمان بہ محمد واجب ومتعین است وتمام نمی شود حقیقۃ ایمان وصحیح نمی شد
اسلام وحصول نمی پذیرد مگر بایمان بہ محمد وشہادت برسالت وے" ؎۲

اس اعلان سے بھی ایک زبردست گمراہی کا سد باب مقصود تھا۔ اکبری دور میں
بہت سے لوگ اس گمراہی میں مبتلا کیے گئے تھے کہ ایمان کی تکمیل صرف وحدانیت
پر اعتقاد رکھنے سے ہو جاتی ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور شریعت
مذہب اور ایمان کے لازمی جزو نہیں۔ ایک موقع پر نہایت سختی کے ساتھ اس خیال کی
تردید اس طرح کرتے ہیں ـــــ

"بعض کوتاہ بیناں کہ شہود حق را از وساطت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منفک
میدانند و بہر رختہ وے واقف نمی شوند وایں معنی در رسالہ جدا آوردہ، بعضے از
مدعیاں را شرح تر ازیں گفتہ ایم" ؎۳

(۵) شیخ محدثؒ کے زمانہ میں ایک عام روش یہ تھی کہ ہر کس وناکس مذہبی معاملات
میں دخل دینے کو اپنا حق سمجھتا تھا۔ دربار میں نازک ترین مذہبی مسائل پر بحث

؎۱ مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۱۰۱ ؎۲ ایضاً۔ ج ۱ ص ۳۲۶ ؎۳ ایضاً جلد اول ص ۳۳۱

ہوتی تھی[1] وہ امراء اور امراء سے عوام میں پہنچتی تھی اور ہزاروں فتنوں اور گمراہیوں کے دروازے کھل جاتے تھے۔ ان حالات میں شیخ نے مشورہ دیا کہ:

"و از نصیحت عام است تکلم بر قدر عقول ایشاں کردن و در ذکر دقائق و حقائق و کشف و اسرار نمودن و اظہار اقوال علماء و اختلافات ایشاں بر غیر علماء نیز ہمیں حکم وارد... واما نصیحت خواص مسلمانان اکثر مراد بخواص امراء و سلاطین داشتہ اند کہ حاکمند بر خلق چنانکہ در روایت دیگر آمدہ کہ ائمۃ المسلمین طاعت ایشاں است در حق نصر و معونت ایشاں و امر کردن و تذکیر نمودن ایشاں بداں بر احسن وجوہ و اوفق و اصلح آں و تنبیہ بر آنچہ غافل شوند از امور مسلمانان و پوشیدہ باشد از ایشاں و ترک خروج بر ایشاں و عدم اعزاز مردم و افساد قلوب بر ایشاں و ترغیب بر آنچہ صلاح حال رعیت و انتظام مہام خلق در آں باشد"[2]

(٦) باقاعدہ نبوت کا دعویٰ ممکن ہے اکبر نے نہ کیا ہو لیکن اس نے جو حیثیت اختیار کر لی تھی وہ نبوت سے کم نہ تھی۔ ملا بدایونی نے لکھا ہے:

"ہمیں ہمہ باعث دعوئ نبوت شدہ اما نہ بہ لفظ نبوت"[3]	یہی باتیں دعوی نبوت کا سبب ہوئیں لیکن نبوت کے لفظ کے ساتھ نہیں۔

ان حالات میں نبوت اور سلطنت کے متعلق ایک عام بدگمانی اور غلط فہمی پیدا ہو جاتا

---

[1] شیخ نور الحق دہلوی نے زبدۃ التواریخ میں اکبری عہد کے مذہبی انتشار کا اصلی سبب ان ہی مجالس کو قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں — "٩٦٥ھ میں بادشاہ نے مذہب کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ اس گمراہی کا سبب دربار میں ہر فرقے، مذہب، رجحان اور طریقے کے علماء اور فلاسفہ کا جمع ہونا تھا۔ چونکہ یہ پہلا موقع تھا کہ بادشاہ نے قدیم تاریخ، رسم و رواج اور مذاہب کے متعلق اس نئے تفصیل سے سنا اس لیے وہ متحیر رہ گیا..... عوام کو جب ان مباحث کا علم ہوا تو ان میں بہت سی غلط فہمیاں ہو گئیں اور انہوں نے بادشاہ کے مقاصد کو غلط سمجھنا شروع کر دیا۔" Elliot & Dowson Vol. VI p/189-191

[2] مدارج النبوت - ص ٣٢٩ -

[3] منتخب التواریخ - ص ٢٨٧ -

لازمی امر تھا۔ شیخ محدثؒ نے اس سلسلہ میں ایک رسالہ لکھا اور اس میں نبوت و سلطنت کے فرق کو واضح کیا۔[1] مرج البحرین میں ارشاد ہوتا ہے:

"..... چہ دراں زماں و چہ بعد ازاں چندیں عقلاء و حکماء و امراء و سلاطین کہ کوس حکمت و سلطنت ایشاں بفلک برمی رفت چرا بزور عقل و دانش مانع از ظہور دین ملت اسلام نیامدند، و اگر بعضے از ایشاں بعزو نفس و غلبۂ ہوا ایں ہوس کردند! خود خیال محال بر بستند و قواعد و قوانین اختراع نمودند چراں قواعد و قوانین بعد از ایشاں باقی نماند و رواج نیافت از ینجا معلوم شد کہ نبوت دیگراست و سلطنت دیگر"[2]

(۷) اکبر نے جتنے غیر اسلامی رواج اور رسومات قبول کر لیے تھے اُن سے تاریخ کا ہر طالب علم واقف ہے۔ شیخ محدثؒ ایمان کی بحث کرتے ہوئے اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں:

"دریں جا قسمے دیگر است کہ با وجود تصدیق و اقرار چیزے کنند کہ شارع آں را امارت و علامت کفر ساختہ مثل سجدۂ صنم و شد زنار و امثال آں، پس مرتکب ایں امور نیز بحکم شرع کافر است اگرچہ فرضاً تصدیق و اقرار داشتہ باشد"[3]

تکمیل الایمان میں فرماتے ہیں:-

"او را (یعنی خداوند عز شانہٗ را) جز بنامے کہ بر لسان شرع خود را خواندہ نتواں خواند..
.... باید دانست کہ منع از تسمیہ است نہ توصیف ... آنچہ مخصوص بزبان کافراں است نباید خواند کہ در انجا بیم کفر بود"[4]

(۸) شیخ محدثؒ کی تصانیف کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انھوں نے

---

[1] "ایں سخن (یعنی فرق نبوت و سلطنت) در رسالۂ دیگر کہ در باب اثبات نبوت نوشتہ شود گوئیم" (مرج البحرین - ص ۲۷)

[2] مرج البحرین - ص ۲۷ - [3] اشعۃ اللمعات - جلد اول - ص ۳۰ - [4] تکمیل الایمان - ص ۱۱

نے آواز اٹھائی تھی بھی ہر اس گمراہی کی نشان دہی کی ہے جس کے خلاف مجدد صاحبؒ حقیقت یہ ہے کہ دونوں نے ایک ہی بات کہی ہے، لیکن مختلف انداز میں۔ مجدد صاحبؒ کے یہاں انقلابی جوش، سخت گیری اور "برہم زن" کے نعرے ہیں۔ تو شیخ محدثؒ کے یہاں بھی ماحول سے سخت نفرت اور احیاء سنت کا غیر معمولی جذبہ ہے۔ مجدد صاحبؒ کی طرح وہ ڈنکے کی چوٹ پر بات نہیں کہتے، لیکن کہتے وہی ہیں جو مجدد صاحبؒ نے کہا ہے۔

(۹) شیخ محدثؒ نے عہد اکبری کے بعض مشہور اعیان و امراء سلطنت کو اماتت بدعت اور احیاء سنت پر آمادہ کیا۔ عبدالرحیم خان خاناں اور نواب مرتضیٰ خاں المعروف بہ شیخ فرید کے نام اُن کے مکتوبات ان کے جذبات کے آئینہ دار ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ملت کی پریشاں حالی نے اُن کے قلب و جگر پر بہت گہرا اثر کیا تھا اور وہ اپنے مخصوص انداز میں امراء کی غیرت دینی کو جوش دلاتے تھے۔ ان کے خطوط میں ایک بے چین اور مضطرب قلب کی دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں۔

باب (۸) ہشتم

شیخ محدثؒ کا انداز تلاش و تحقیق

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی تصانیف کا مواد بڑی تلاش اور تحقیق سے جمع کرتے تھے۔ انہوں نے کبھی ایسے موضوع پر قلم نہیں اُٹھایا جس کا گہری نظر سے مطالعہ نہ کیا ہو اور جس کا ہر ہر پہلو پوری طرح پر اُن کے سامنے نہ ہو۔ تلاش و تحقیق کا یہ جذبہ بہت حد تک اُن کی "محدثانہ تربیت" کی پیداوار تھا۔ علم حدیث کے سلسلہ میں انہوں نے بڑی تلاش، تحقیق اور کاوش کی تھی۔ فن اسماء الرجال، اصول اسناد وغیرہ کے بغور مطالعہ نے اُن کے تحقیقی رجحان کو بہت ابھار دیا تھا۔ اور وہ کبھی اس وقت تک مطمئن نہ ہوتے جب تک پوری طرح ہر ہر مسئلہ کی تحقیق نہ کرلیں۔ اُن کی تصانیف شاہد ہیں کہ وہ جب کسی موضوع پر کام کرتے تھے تو اُن کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ متعلقہ لٹریچر اِن کے پاس موجود ہو۔ سفر السعادت کی شرح جب لکھتے ہیں تو حدیث، اسماء الرجال، تاریخ و سیر کی بے شمار کتابیں پیش نظر رکھتے ہیں اور ان سے برابر استفادہ کرتے جاتے ہیں۔ جس دیانت داری اور احتیاط سے وہ اپنے ماخذ کو استعمال کرتے تھے، اس کا اندازہ ان جملوں سے لگایا جاسکتا ہے۔ فرماتے ہیں:

"در تصحیح نقل و حوالہ باصل حما امکن تقصیر از خود راضی نشدہ و مہمل نگذاشتہ یارب بہ سہو و نسیان در جائے وقوع یافتہ باشد در روایت احادیث و نقل مسائل از طریقۂ احتیاط و دائرہ دیانت بیروں نیامدہ وقطعاً براہ خیانت و مسامحہ

زمرۂ وایں وسیلہ اُمیدوار است کہ بسبب قبول درگاہ و رضائے حضرت اللہ بود عم گردان ان شاء اللہ تعالیٰ"[1]

مدارج النبوۃ میں حضور سرور کائنات ﷺ کی مکمل تصویر پیش کرنے کے لیے جو کاوش انھوں نے کی ہے اس کا اندازہ صرف اس کے مطالعہ سے ہی ہو سکتا ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی حیات طیبہ کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جہاں اُن کی نظر نہ پہنچی ہو اور جس پر انھوں نے محققانہ روشنی نہ ڈالی ہو۔ اخبار الاخیار میں جب علماء وصوفیہ کا احوال لکھتے ہیں تو ہندستان کے قرونِ وسطیٰ کے سارے مذہبی لٹریچر کو حقیقت میں کھنگال ڈالتے ہیں۔ جس بزرگ کا حال لکھتے ہیں اس کی تصانیف کا پہلے مطالعہ کر لیتے ہیں۔ بعض اوقات کچھ اقتباسات بھی درج کرتے ہیں جو مصنف کے رجحان، اور طرز تحریر کو سمجھنے میں بے حد معاون ہوتے ہیں۔ اخبار الاخیار کی یہ خصوصیت کبھی فراموش نہیں کی جا سکتی کہ اس میں ہر بزرگ کو اس کے صحیح "سماجی مقام" پر جانچنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کشف وکرامات کے قصوں سے شیخ محدثؒ نے کلیتۂ پرہیز کیا ہے۔

شیخ محدثؒ کا یہ انداز تلاش و تحقیق اُن کے مکتوبات اور رسائل میں بھی جلوہ گر ہے۔ جس موضوع پر گفتگو کی ہے تلاش و تحقیق کا پورا حق ادا کر دیا ہے۔ مسئلہ سماع پر لکھتے ہیں تو اس طرح کہ شاید ہی کسی ہندی عالم کے قلم سے ایسی جامع چیز اس موضوع پر نکلی ہو

شیخ محدثؒ کو اپنے تحقیقی کام میں جس چیز سے سب سے زیادہ مدد ملی وہ اُن کا حافظہ تھا۔ جس چیز کو ایک مرتبہ دیکھ لیا وہ نقش کالحجر ہو گئی۔ حد یہ ہے کہ فرمایا کرتے تھے کہ فقیر کو اپنے دودھ کا چھٹنا اس طرح یاد ہے جیسے کل کی بات

"فقیر را حالت انفطام خود کہ مدت عمر دو سال یا دونیم خواہد بود آنچناں در خاطر است کہ گویا حکایت دی روز است"

باب نہم (۹)

شیخ محدث کا طرزِ نگارش

شیخ عبدالحق کا طرزِ نگارش ان کی شخصیت اور علمی خصوصیات کا آئینہ دار ہے۔ اُن کی عبارت میں ایک عالمانہ وقار ہوتا ہے، وہ اپنے مضمون کی مناسبت سے زبان کا انتخاب کرتے ہیں۔ اُن کا زیادہ زور مواد کے فراہم کرنے پر ہوتا ہے، لیکن طرزِ تحریر کو بھی وہ کبھی نظرانداز نہیں کرتے۔ جو کچھ لکھتے ہیں اس کی ترتیب اور صفائی قابلِ داد ہوتی ہے عربی کے الفاظ وہ کثرت سے استعمال کرتے ہیں لیکن ان کا استعمال پڑھنے والے پر گراں نہیں گزرتا۔ ان کے عربی الفاظ، عبارت کی فارسیت کو ختم نہیں کرتے بلکہ اس کے زور اور وقار کو بڑھا دیتے ہیں۔

شیخ کو عربی سے فارسی میں ترجمہ کرنے میں کمال حاصل تھا۔ اُن کے ترجمہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ زبان اور خیال دونوں کو اس خوبی سے منتقل کرتے ہیں کہ پڑھنے والے کو یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ وہ ترجمہ پڑھ رہا ہے۔

شیخ محدث نے ہزاروں صفحات لکھے ہیں، اور ان ہزاروں صفحات پر ان کا طرزِ نگارش پختگی اور یکسانیت میں حیرت انگیز ہے۔ ان کی کسی تصنیف میں طرزِ تحریر کا سقم نکالنا محال ہے۔

شیخ محدث کا ایک اور کمال یہ ہے کہ وہ کم از کم الفاظ میں اپنا مدعا بیان کر دیتے ہیں۔ تطویلِ بیان جو بسیار نویسی کا ایک حد تک لازمی نتیجہ ہے اُن کے یہاں

بالکل نہیں پائی جاتی۔ اخبارالاخیار اُن کے اس اعجاز کی تصویر ہے۔ بعض لوگوں کی زندگی کا مکمل نقشہ اُنہوں نے چند الفاظ میں پیش کر دیا ہے۔

شیخ محدث" کا عقیدہ تھا کہ بغیر ذوق کے کچھ نہیں لکھا جا سکتا۔ فرماتے ہیں:

"بے ذوق چہ نویسد کہ رونق سخن در ذوق است"[1]

یہ چیز اُن کی تصانیف سے بھی ظاہر ہے۔ اُن کے مضامین میں "آمد" کی ایک عجیب شان نمایاں ہے اور یہ آمد ذوقِ سخن کا نتیجہ ہے۔ لیکن اُن کے بعض مکتوبات اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ وہاں شیخ نے عمداً عبارت کو مشکل بنایا ہے اور "ستر و کتمان" سے کام لیا ہے۔

---

[1] کتاب المکاتیب۔ ص ۲۲۲۔

تَعلِیقات

شیخ علی متقیؒ

شیخ علی بن حسام الدین بن عبدالملک بن قاضی خاں المتقی القادری الشاذلی چشتی ۸۸۵ھ میں برہان پور میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد نے سات آٹھ سال کی عمر میں شاہ باجن چشتیؒ کا مرید کرا دیا جب سن بلوغ کو پہنچے تو شیخ عبدالحکیم بن شیخ باجنؒ سے خرقہ پہنا۔ پھر ملتان چلے گئے اور وہاں شیخ حسام الدین متقیؒ کی خدمت میں راہ سلوک طے کی اور تفسیر بیضاوی اور عین العلم کا درس لیا۔ ملتان میں دو برس قیام کے بعد حرمین شریفین کی راہ لی، اور وہاں کے علماء حدیث کے سامنے زانوئے ادب طے کیا اور علوم دینیہ پر کامل عبور حاصل کیا۔ شیخ ابوالحسن بکریؒ سے خصوصاً استفادہ کیا۔ ان کی علمی شہرت دور دور پھیلی ہوئی تھی اور عالم اسلامی سے طلباء ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، وہیں شیخ علی متقیؒ نے شاذلیہ سلسلہ میں شیخ محمد بن محمد بن السخاویؒ سے اور مدنیہ سلسلہ میں حضرت شیخ قطب الوقت نور الدین علی الحسن الشاذلیؒ سے بیعت کی۔ اور عرصہ تک مجاہدات و ریاضات میں مشغول رہے۔ علم حدیث سے شیخ متقیؒ کو عشق تھا۔ آخری دم تک تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ شیخ جلال الدین سیوطی کی مشہور کتاب جمع الجوامع پر نظر ثانی فرمائی اور مکرر احادیث کو علیحدہ کر کے اس کا انتخاب مرتب کیا جس سے جمع الجوامع کی احادیث میں اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ شیخ ابوالحسن بکریؒ فرمایا کرتے تھے:

للسیوطی منۃٌ علی العالمین وللمتقی منۃ علیہ

یعنی سیوطیؒ نے تمام عالم پر احسان کیا ہے اور متقیؒ نے سیوطیؒ پر

شیخ عبدالحق محدثؒ نے لکھا ہے:

"تصانیف و تالیفات از صغیر و کبیر و عربی و فارسی از صد متجاوز است"
اور ان کی دو کتابوں (۱) رسالۂ تبیین الطریق (۲) حکم کبیر کا ذکر کیا ہے۔ شیخ متقی کی
مندرجہ ذیل کتابیں دستیاب ہوتی ہیں:-

(۱) شئون المنزلات (قلمی نسخہ انڈیا آفس ۱۱۵۲)

(۲) کنز العمال (قلمی نسخہ بانکی پور ۴۲۷ و آصفیہ ۶۶۰)

(۳) منہج العمال (قلمی نسخہ بانکی پور و آصفیہ)

(۴) الاکمال المنہج العمال (قلمی نسخہ ترکی)

(۵) منتخب کنز العمال (مطبوعہ مصر، برحاشیہ مسند امام حنبلؒ)

(۶) الفصول شرح جامع للاصول (قلمی نسخہ بانکی پور)

(۷) شمائل النبی (قلمی نسخہ علی گڈھ)

(۸) البرہان فی علامات مہدی آخر الزمان (قلمی نسخہ دہلی، آصفیہ)

(۹) العنوان فی سلوک النسوان (قلمی نسخہ مصر)

(۱۰) البرہان الجلی فی معرفۃ الولی (قلمی نسخہ برلن)

(۱۱) المواہب العلیہ فی الجمع بین الحکم القرآنیہ والحدیثیہ (قلمی نسخہ مصر)

(۱۲) جوامع الکلم فی المواعظ والحکم (قلمی نسخ رامپور، علی گڈھ، آصفیہ)

(۱۳) تبویب شرح الحکم العطائیہ المسمیٰ بالتنبیہ (قلمی نسخ انڈیا آفس، بنگال وغیرہ)

(۱۴) زاد الطالبین (بانکی پور)

(۱۵) اسرار العارفین (بانکی پور)

(۱۶) نعم المعیار والمقیاس لمعرفۃ مراتب الناس

(۱۷) فتح الجواد۔ (آصفیہ)

نظم الدرر۔ (آصفیہ و بنگال)

شیخ علی متقیؒ نے ۹۷۵ھ میں مکہ معظمہ میں وصال فرمایا۔ "متابعِ نبی" اور "شیخ مکہ"
(۹۷۵ھ) (۹۷۵ھ)
سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔

شیخ علی متقیؒ کا حال مندرجہ ذیل کتب میں ملتا ہے:

(۱) زاد المتقین: شیخ عبدالحق محدثؒ

(۲) اخبار الاخیار: شیخ محدثؒ۔ ص ۲۶۱-۲۴۹

(۳) اشعۃ اللمعات: جلد ثالث ص ۳۱۶-۳۱۷۔

(۴) گلزار ابرار: محمد غوثی ص ۴۰۲-۴۰۳

(۵) مآثر الکرام: آزاد بلگرامی ص ۱۹۲-۱۹۳

(۶) سفینۃ الاولیاء: داراشکوہ ص ۱۹۱-۱۹۲

(۷) ابجد العلوم، نواب صدیق حسن ص ۸۹۵

(۸) سبحۃ المرجان: آزاد بلگرامی ص ۴۳۔

مکتوب شیخ عبدالحق
بنام
حضرت مجدد الف ثانیؒ

شیخ محدثؒ کا یہ طویل مکتوب مولانا غلام معین الدین عبداللہ نے اپنی تالیف معارج الولایت میں نقل کیا ہے۔ معارج الولایت کا ایک نسخہ خاکسار کے پاس ہے جس کا سنہ کتابت ۱۲۸۸ھ ہے۔ معارج الولایت ۱۰۹۴ھ کی تصنیف ہے اور بعض اعتبار سے بیحد اہم ہے۔ مؤلف نے بعض اہم مکتوبات اور فتاویٰ اس میں تمام و کمال نقل کردیے ہیں جو اب کسی دوسری جگہ دستیاب نہیں ہوتے۔ مثلاً مجدد صاحب کے بعض خیالات پر علمائے ہند نے جو فتویٰ دیا تھا وہ اس کتاب میں مکمل درج ہے۔

یہ مکتوب شیخ مجددؒ اور شیخ محدثؒ کے تعلقات کو سمجھنے میں بے حد مدد دیتا ہے۔ شیخ محدثؒ نے مجدد صاحب کے جن جن خیالات پر اعتراض کیا ہے اُن پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ جس شخص نے مجدد صاحب پر یہ اعتراض کیے ہیں اس کو اُن سے جو محبت تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے۔

"ایں مقدار کہ مرا بشما نسبت محبت و اتحاد است کم کسے را خواہد بود"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد سید الاولین والآخرین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، ہداۃ طریق الحق ومحیی علوم الدین، اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا و

ارزقنا اجتنا بہا ایہا الشیخ العالم الفاضل العارف الذی اجتباہ الیہ وخصہ بفضلہ واعطاہ من المعارف مالم یعط غیرہ من العارفین کما ھو تحرفوا فی نفسہ واللہ اعلم بالمتقین فان خصہ اللہ بالاجتباء فنحن نوجوان یھدینا الیہ کما یھدی المتقین، قال انہ تبارک وتعالیٰ یجتبی الیہ من یشاء ویھدی الیہ من ینیب والعاقبۃ بالخیر ۔

دردِ دل دارم بسے از خوئے آں زیبا نگار فرصتے یارب کہ دل را پیش وے خالی کنم

سالہا است کہ بعضے از کلمات و مکالمات کہ در مکتوب شریف مذکور است، واز قبیل موہمات و مبہمات است می خواہد کہ استفسار کند، واستکشاف نماید، میسر نشد خواہ ملاحظہ خاطر اشرف کہ در غایۃ نزاکت است، وخواہ بجہت گفت وگوی مریداں ایشاں کہ در نقل اقوال و ذکر حکایات بیصرفہ وبے احتیاط۔

تفصیل این حکایات آنکہ ایشاں بعد از آنکہ در خدمت خواجہ محمد باقی[1] افتادہ واز صحبت شریف ایشاں استفادہ این نسبت کردند، ورو بترقی نہادند در حیات وبعد از وفات ایشاں از حالات و کمالات خود خبر دادن گرفتند، زیادہ از حد حصر و قیاس، چنانکہ وچندانکہ مردم حیراں شدند وچہ جائے حیرت است واللہ یختص برحمتہ من یشاء۔ وچوں در ضمن تنقیص وتخطیہ بزرگانے کہ اتفاق بر بزرگی ایشاں مثل سید الطائفہ جنید بغدادی[2] وسلطان العارفین بایزید بسطامی[3] وامثال ایشاں بودند وگفتہ اند ایں بیچارہا حقیقت کار در نیافتہ وباصل نرسیدہ، وگرفتار ظل ماندہ اند، وامثال آں وادعائے آنکہ آنچہ ایشاں را دادہ اند ہیچ کس را ندادہ اند موجب

---

[1] حالات کے لیے ملاحظہ ہو، زبدۃ المقامات (مطبوعہ نول کشور) نیز کلمات طیبات (ملفوظات خواجہ باقی باللہ)

[2] حالات کے لیے ملاحظہ ہو نفحات الانس (مطبوعہ بمبئی ۱۲۸۴ھ) ص ۵۳-۵۴

[3] ملاحظہ ہو نفحات الانس ص ۳۸، ۳۹۔

وحشت مردم شد بیش ترغوغا مردم برسرآں بود کہ ازایشاں بخواجہ کہ پیر و مربی ایشاں بودند تقصیرہا در رعایت ادب مریدے وحق نعمت شناسی سر برزد، اگرچہ بایں اصطلاح این قوم ممکن است کہ مریدے در کمال از پیر ورگذرد، ولیکن در رعایت ادب وبندگی ونیازمندی وفروتنی وحق شناسی باقیست شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کہ در کشف تحقیقات معاملات ووقائع آیتے بود، ومعلوم می شود کہ دریں باب ازپیراں خود گذرانیدہ است، می گوید کہ اگر سر من بآسمان ساید ہنوز خاک آستانہ شیخ عبدالرحمن اسفرائنی و شیخ علی بالا باشد۔ بیت

بلند مرتبہ زیں خاک آستاں شدہ ام

غبار کوئے توام گر بر آسماں شدہ ام

دیگے ازاں کہ بے خطرناک از رعایت مقام ادب دور است آن است کہ در باب حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ گفتہ اند کہ کثرت ظہور کرامات ازایشاں ازاں جہت بود کہ نزول ایشاں ناقص بود، وآنکہ در بعضے مکتوبات نوشتہ اند اکرام کہ حکمت پیدا کردن من آنست کہ تا کمال ابراہیمی ومحمدی یکجا جمع شود، اشدو اعظم است ازہمہ وآں شخص کہ در ترکیب وجود من بقیہ ازطینت آنحضرت جوہر یست یا خمیرمایہ ایست کہ وجود حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ازآں ترکیب یافتہ است چنانچہ نخل ازبقیہ طینت آدم است وجائے دیگر گفتہ اند کہ متابعۃ پنج مرتبہ است، وہمہ مراتب مارا حاصل است وگفتہ اند کہ ہمہ کمالات محمدی بے تفاوۃ در ذات من حاصل، لیکن بہ تبع وطفیل است، مردے ثقہ ازایشاں شنید، آں شخص گفت کہ ازاینجا مزیت شما لازم می آید، جواب دادند کہ آنجا بالاصالۃ است، وایں جا بطفیل، دیگے ازیاراں ایشاں گفت کہ مقام خود را فوق مقام انبیاء دانم، وایں توجیہ کہ موجب اثبات وتصحیح آں باشد کردہ اند، ودرجائے تجلی محمدی واحمدی گفتہ اند ودورہ الف با مجدد الف گفتہ اند، وامثال ایں

کلمات در مکتوبات ایشان مذکور است و این همه را می گذرانیدم تا نوبت این مکتوب رسید،
که باعث نفرت و وحشت گردید، گفته اند هم مرید الله ام و هم مراد الله و سلسله ارادت
من بے واسطه بالله تعالیٰ متعلق است، و ید من نائب ید الله است، سبحانه اگرچه
ارادۃ من به محمد رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم بواسطه کثرت است، در طریقه نقشبندیه
به بست و یک واسطه در میان است، و در طریقه قادریه به بست و پنج، و در طریقه چشتیه
به بست و هفت، و ارادۃ تاکید وسائط نمی کند، پس من هم مرید رسول الله ام و هم همرو پیش
رو و بر خوان این دولت هر چند طفیلی ام، ناخوانده نیامده ام، و هر چند تابع ام، اما از اصالت
بے بهره نیم، هر چند امتم اما شریک دولتم، نه شرکتے که از و دعوئے همسری خیزد، که آں
کفر است، بلکه شرکت خادم است با مخدوم تا نطلبیده اند بر سفره اهل دولت حاضر
نیامده ام، و تا نخواسته دست بایں دولت دراز نکرده ام، هر چند اویسیم اما مربی حاضر و
ناظر دارم، و هر چند در طریقه نقشبندیه پیر من عبد الباقی است اما متکفل تربیت من الله
باقی است، من بفضل تربیت یافته ام، و براه اجتبا رفته سلسله من سلسله رحمانیست که
من عبد الرحمن ام، چه رب من رحمان است، و مربی من ارحم الراحمین است و طریقه
من سبحانی است، که از راه تنزیه رفته ام، و از اسم و صفت جز ذات اقدس نخواسته
ام، این سبحانی نه آں سبحانیست که بسطامی بآں قائل گشته که آنرا ازیں مساس نیست
و آں از دائرہ نفس برآمده و این از ماورائے نفس و آفاقست، و آں تشبیهے است که
لباس تنزیهی است که گردی از دامن تشبیه بوے نرسیده، و آں از سرچشمه سکر جوش زده
و از عین صحو برآمده ارحم الراحمین درحق من اسباب تربیت را غیر از معدات نداشته
است، و علت فاعلی در تربیت من غیر از فضل خود را نساخته، از کمال کرم و اهتمام و
غیرتے که وے سبحانه و تعالیٰ و تقدس درحق من دارد، تجویز نه فرماید که فعل دیگرے را
درحق مدخلے باشد، یا من بدیگرے دریں باب متوجه گردم، مربای الٰهی ام جلشانه و

مجتبی فضل وکرم لا متناہی وتعالیٰ وتقدس انتہی سبحان اللہ ولہ العظمۃ والکبریاء، ایں چہ سخناں وایں چہ کلمات است وایں چہ سلطنت وسطوات وایں خطبہ خوانی وشاگستری نفس است، اللہ اکبر درویشی شکستگی وخاکساری وادب وتواضع وکم زدنی نفس است حضرت خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ واسعۃ در آخر رسالہ قدسیہ بایں رباعی وصیت کردہ اند۔ رباعی:

اندر رہ حق جملہ ادب باید بود تاجان باقی است در طلب باید بود
در ہر دم اگر ہزار دریا بکشی کم باید بود خشک لب باید بود

وقال بعض العرفاء حقیقۃ الطریقۃ ان یکون مفصلاً وان یکون طالباً للبلایا ومتی ظننت انک وصلت وما ظننت انک ظفرت وما ظفرت وما ظننت انک یحصل لک حال لاحال لک حال۔ سالکان ایں راہ ومقبولان درگاہ ہمہ ناظر دریں است، نعم از بعض اقطاب فخر ومباہات بر اہل زماں خود بوقوع آمدہ است[1] واز مقام ومرتبہ خود خبر دادہ اند، وگویند کہ آں بامر پروردگار است نہ بطریق دیگر ونفسانیہ شاید کہ دریں جائے ازیں قبیل خواہد بود، واللہ اعلم بالصواب، اما نسبت باقران و شرکا گفتہ نہ نسبت بحضرت سید کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات و بعضے از کبرائے مشائخ گفتہ اند اما مارانی الا رسول اللہ وحضرت غوث الثقلین لیس علی منۃ الا للہ ورسولہ ایں درست است، اما آنکہ گوید، در قرب ووصول ما در مقامے رسیدہ ایم کہ ہیچ کس را واسطہ نیست، وہیچ یکے را دخلے نیست نہ رسول و نہ غیر وے را واگر واسطہ بودند وقت سلوک بودند، وحالانکہ سلوک تمام شد، وقرب درگاہ حاصل گشت، ووصول بحصول پیوست، ہیچکس واسطہ نیست، ہمہ منقطع شد بلکہ من مرای النبی ام ومجتبای ادیم وفعل دیگرے را در حق من دخلے نیست، وبدیگرے

---

[1] حالات کے لیے ملاحظہ ہو، رشحات (مطبع نول کشور ۱۹۱۲ء)

دریں معنی متوجہ نہ آں دیگر کدام است رسول خدا حاشا وکلا، سبحان اللہ ہیچ کس با رسول خدا ایں چنیں درمی افتد وگستاخی می کند ومی گوید کہ من ہمسر محمد رسول اللہ ام، در وقتے مرید وے بودم، الآن مرید خدائیم بے واسطہ وے در قربے کہ من با خدا دارم وے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم را واسطہ نیست، واز خلوتے کہ من با خدا دارم وے بیرون ست باید دریافت کہ مضمون ایں سخناں چیست' وازیں جا چہ لازم می آید ہیچ شیخے وعارفے بایں طرز سخن گفتہ ودعوی کردہ است، ہماناکہ با ولیائے خدا درافتادہ بود بس نبود تا تو بپیغمبر خدا رسیدی، بعد ازاں نمی دانم تا بکجا خواہد کشید، وگفتہ اگرچہ امتم اما شریک دولتم ودر منقبت وکمالات وفضیلۃ واگر در تعمق نظر نمایند ایں معنی مفہوم میگردد کہ در وقتے امۃ تابع بودم کہ در سلوک طریق قرب متابعت وپس روے میکردم، چوں مقرب درگاہ حق شدم، مرید وے تعالیٰ گشتم وشریک او شدم، سبحان اللہ در راہ خدا امت با پیغمبر شریک می باشد، خصوصاً با محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ مہتر وبہتر پیغمبران ست، وعجب کہ وجود شرکت، گفتہ بشر کئے کہ ازاں دعوی ہمسری خیزد کہ آں کفر است، دیگر شرکت کدام ہست کہ ازاں ہمسری نہ خیزد معنی شرکت وہمسری یکے است، نزدیک بترادف یا مثلاً زبان متساویان اند وآنکہ گفتہ اند، بلکہ شرکۃ خادم با مخدوم است یعنی اگرچہ ایں خادم چیزے از خانۂ خود نیاوردہ، وہرچہ دارد از مخدوم دارد، ولیکن ہرچہ مخدوم داشت بوے داد، شریک خود ہمچو خود گردانید، ایں ہرگز بوجود نمی آید، مخدوم بخادم چیزے میدہد کہ مناسب حال وے باشد، ومخدوم خادماں بسیار دارد، بہر کدام بخشش مے میدہد، چنانکہ ذکر آتش در کلام ایشان بسیار، در بیان ایں معنی واقع شدہ است، واز آتش دادن لازم نمی آید کہ ہرچہ در خانہ داشت داد، بلکہ آنچہ در خور اوست می دہد وخود دریں مطالب علیہ چہ گنجائش ایں تمثیلات وتقریرات مقرر است، دعوئے مساوات بانبیا خصوصاً با سید انبیا صلوات اللہ

وسلام علیہم باطل است، وتفرقہ وتفصیل باعتبار خادمی ومخدومی واصالۃً وفرعۃً نیز باطل است، وعاطل، وکلام دریں مسئلہ نیاید واز زبان بعضے مہدویہ کہ با تفاق فرقہ خلافت اند شنیدہ است کہ در اعتقاد سید محمد جونپوریؒ کہ مبدا ومنشا ومحل مقر ضلالت ایشاں است، میگفتند کہ ہر کمالے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داشت در سید محمد نیز بود، فرق است کہ آنجا باصالۃ بود وایں جا بہ تبعیت رسول بجائے رسیدہ کہ ہمچو او شدہ، وایں بعینہ مقول ایشان است، وچنیں شنیدہ میشود کہ شیعہ نیز در شان ائمہ عشرہ رضی اللہ عنہم می گویند کہ ایشاں تلامید انند، پیغمبر علیہ السلام بمرتبہ استاد رسیدہ، وبہر تقدیر خادم حق نعمت شناخت ونزد مخدوم جز بہ بندگی و نیاز دم نزد، ودعوی مساوات نہ کرد ع

اے ایاز آں پوستیں را دار پاس

ومثال ایں خادم باایں مخدوم کہ دم برابری میزند وگستاخی میکند حال آں غلام آن است کہ ہمراہ خواجہ کہ مقرب درگاہ سلطان بود، در مجلس سلطان رفت، پس خواجہ بمجلس قرب نشست وغلام نیز آں جا ایستاد، وچوں خود را در مجلس بادشاہ وخواجہ یکجا دید بنازید ومغرور گشت، واز بیخردی وبیتابی کہ رسم غلاماں است خود را گم کرد وباخواجہ شریک وبرابر گرفت، وگفت من ہم بندہ بادشاہ ومقرب ادیم، وندانست کہ ہیچ تکمہ نخست نزدیک سلوک طریق قرب ووصول بوساطت وطفیل خواجہ بہ مجلس بادشاہ رسید، ووے واسطہ بود، الآں قرب ووصول کہ حاصل شدہ است، نیز واسطہ است، ولیکن از غایت غرور وبیخردی وکم فکری وجو وساطۃ از نظر وے ساقط شدہ ودر حیطہ کفران نعمت افتادہ، شیخ جو سلامۃ دریں سخن تامل کنید کہ از قول ایشاں کہ انکار کہ حکمت در پیدا کردن من آنست کہ کمال ابراہیمی ومحمدی جمع شود، چہ مفہوم میشود وچہ

لہ حالات کے لیے ملاحظہ ہو سیرت امام مہدی مولفہ شاہ میاں عبدالرحمٰن (مطبع ابراہیمیہ حیدرآباد)

لازم می آید، ایں جا ہمیں جواب بخادمی و مخدومی دادہ اند ایں سخن ہیچ فائدہ ندارد
جز فرق بہ تبعیت و اصالۃ، امّا دعویٰ ہمسری و برابری از خادم و تابع نامقبول و
نامناسب تر است، عجب آنکہ فرمودہ اند کہ برخوان ایں دولت ہر چند طفیلی ام اما
ناخواندہ نیامدہ ام، ہر چند تابعم از اصالۃ بے بہرہ نیم، ایں چہ معنی دارد طفیلی خود
ہماں کس را گویند کہ ناخواندہ بیاید و تبعیت ضد اصالۃ است، اجتماع ضدین
محال، و اگر گویند بوجہے تابعم و بوجہے اصل ایں معنی و محصلی ندارد مگر آنکہ نخست در
وقت سلوک پیرم مرید بودم، اکنوں بعد از وصول بمرتبہ اصالۃ رسیدہ ام و پیرو
مرید خودم، و ہمہ وسائل و وسائط کو بودند ساقط شدند، و از میان بدر رفتند،
چنانکہ اسباب تربیت خود بمعدات تشبیہ دادہ، پس ازیں محمد رسول اللہؐ بامریدگی
از خاصان درگاہ وے بودم، اکنوں خدایم بیواسطہ و ارادہ من باشد تعالیٰ قبول
وسائط نمی کند و ارادہ من باشد تعالیٰ است، پس من ہم مرید محمد رسول اللہ ام باعتبار
سابق ہمسر او یم العیاذ باللہ تعالیٰ اللہ از تصور ایں معنی و تکلم بایں کلام موئے بربدن
اعتقاد و اخلاص مسلمانی می خیزد، و بخدا سوگند بس عظیم است ایں کلام و بغایت
شنیع است، ایں مرام را راست کہ اعتقاد کنند، و بگویند کہ ہمہ مریداں حضرت
رسول اللہ اند و رسول اللہ مرید خدا است، و از حق فیض میگیرد و بخلق میرساند معنی
نبوت و رسالت ایں است، و ہیچ کس را بیواسطہ وے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راہ
نیست، بسوئے خدا و در درگاہ وے جائے نہ خواہ، در وقت سلوک یا بعد از وصول
دیگر سلسلہ در ارادۃ اللہ بے توسط غیر نیست، عجب واقع شدہ است اطلاق سلسلہ
درجائے مناسب است، کہ بوسائط باشد، ظاہراً سہو قلم است یا بطریق
مشاکلہ است، ایں سخن طالب علمی است والامر فی ذالک سہل و گفتہ اند
ید من نائب ید اللہ ایں فروع و نتیجہ ارادۃ اللہ است، چہ ید مرید نائب پیر

می باشد، اما یلوح می افتد، بقول حق سبحانہ ان الذین یبایعونک انما یبایعون
اللہ الآیۃ واین بحقیقت وقتی راست آید کہ بروے اثر ما رمیت اذ رمیت و
لکن اللہ رمیٰ، مرتب گردد کہ بیک مشت خاک لشکر را منہدم گرداند، ولے حکایۃ
زبانی بیش نیست، اکنوں بمعارف وحقائق کہ در تحقیق ایں دعاوی نوشتہ آید دست
زدہ ایں خلجانات وشبہات کنم، ومن اللہ الاستعانت والتوفیق نوشتہ آید کہ سیر
مرادی مریدی امریست کہ بوجدان پیر تعلق دارد، پس حجۃ وبرہان براثبات گنجائش
ندارد، ایں جا کس چہ سخن کند کہ راہ سخن بربستند، لیکن ہر چیز را حجت وبرہان باید، ہیچ
چیز بے حجت وبرہان معقول ومقبول نمی افتد۔ مرادان ومحبوبان خود را در اصطلاح
قوم ہماں کساں اند کہ نخست ایشاں را جذب می نماید، وبدرگاہ میکشد، بعد ازاں توفیق
سیر دادہ واصل می سازند کہ معنی مجذوب سالک است، ومریداں را بآنکہ ایشاں
را بعد از سلوک می کشد، وایشاں را سالک مجذوب میگویند، اما ایں ہم می باشد
کہ صاحب سیر مرادی بجائے میرسد کہ در ارادہ او بحق وقرب ووصول بجناب قدس
وے اللہ تعالیٰ وساط حضرت سید المرسلین سلطان محبوبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سقوط می پذیرد، وبری می افتد، ودر جمیع کمالات برابر سید المرسلینؐ می باشد، ودعویٰ
شرکت وہمسری وبرابری میکند، وجامع کمالات ابراہیمی ومحمدی می گردد، وصاحب
ایں سیر ہمسرہ محمد رسول اللہ میگردد، ومی گوید کہ ہم چنانکہ آنحضرت مرید خداست
بیواسطہ من ہم مرید خدایم، بیواسطہ وآنکہ نوشتہ کہ کسے را حق سبحانہ قوۃ قدسیہ دادہ
اگر در احوال واوضاع صاحب آں سیر نیک ملاحظہ نماید، وفیوض وبرکات علوم ومعارف
الٰہی جل شانہ کہ او بآں ممتاز ست، مشاہدہ کند تواند۔ حکم سری مراد او دارد، وہیچ
محتاج بدلیل نیست، سخن عجبی این است یعنی شما ایں مقدار ادراک وشعور ندارید کہ
اوضاع واحوال دجال وکمال مارا ملاحظہ نمایند، وفیوض وبرکات وعلوم ومعارف

ما اگر بر آں منفرد و ممتازیم مشاہدہ کنید و سیر مرادی ما حکم کنید، دیگر دلیل چہ حاجت است، ازیں جا آں سخن یاد می آید کہ یکباری از ہمیں یاراں یکے بخدمت ایشاں نوشتہ بود کہ عجب است کہ باوجود عظمت و جلالت و مرتبت کرامات از شما ظاہر نمی شود، در جواب او نوشتند کہ کدام کرامت بالاتر ازیں معارف و حقائق باشد کہ ما بیان کنیم و بر ما وارد میگردد، و دیگر آنرا طاقت بیان آں نیست، معجزہ حضرت رسول اللہ نیز سخن بود کہ بمرتبۂ اعجاز رسیدہ بود، او کما قلتم مرضی ہٰذا آدیم بمقصود کہ در امتیاز شما بہ بیان علوم و معارف نیست، لیکن غایۃ آنچہ ظاہر میگردد ازاں آن ست کہ شما را عالم و فاضل و ماہر و دانشور و سخنداں دانیم، بلکہ عارف و مکاشف ہم گوئیم، اما آنرا از کجا معلوم کنم کہ شما بسیر مرادی بمرتبہ رسیدہ اند کہ وساط حضرت سید المرسلین و سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درمیان شما و خدائے عزوجل نماندہ است، تا آنکہ ہمسر و ہم سیر پیائے آنحضرت صلعم شدہ وید، ایں معنی لازم سر مرادی نیست، و احوال و اوضاع و علوم و معارف متصورست کہ بیجا خطا واقع شود و عصمت مخصوص انبیا را است صلوٰت اللہ علیہم و خطا در کشف باتفاق اہل کشف جائز است و ملازمان کہ خطا ہا بر شیخ ابن عربی[1] ثابت کردہ اند، از ہمیں عالم است کہ باوجود ایں حقائق و معارف کہ شیخ دارد خطا ہا کردہ است، و آنکہ نوشتہ اند کہ خواجہ ما قدس سرہٗ در اوائل حال سیر ایں فقیر را سیر مرادی مقرر فرمودہ اند حضرت خواجہ اثبات شما بسیار میکردند، و کساں واقف اند بر آں و بیشتر از ہمہ ایں فقیر اگر آں در قید حیوٰۃ صوری می بودند، یقین است کہ بایں سخناں راضی نمی شدند و ہیچ کس بایں راضی نخواہد شد، امید داریم کہ شما ہم در باطن راضی نخواہید شد، واللہ اعلم۔ و عبادت در اوائل نشانہائے ایں دریافتہ باشد۔ بعد ازاں حال متغیر شدہ باشد واللہ محول الاحوال محو

---

[1] حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔ Mystical Philosophy of Muhiuddin Ibn ul Arabi, A.E. Affifi

ما یشاء ویثبت، مقصود شما چوں آنست کہ در ابتداے حال این حکم میگرداند در انتہاے
خود چہ خواہد بود، مسلم سیر مرادی و مقام اجتبا رشما را حاصل است، اما آنکہ سیر مرادی این
نتیجہ می آرد کہ با حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم این معاملہ دست داد و این چنیں در
برابری افتادند کہ ایشاں از میاں ساقط شدند، و واسطہ نماند فسخ است، بازہماں کہ مذکور
شد پیش می آید، و مکرر می شود و نوشتہ اند کہ اجتبا مخصوص نیست بانبیاء علیہم السلام و ہمچنیں
باش کہ اگرچہ در آیات قرآنی اجتبا رہمہ جا نسبت بانبیاء علیہم السلام واقع شدہ است،
قولہ تعالی ولکن اللہ یجتبی من رسلہ ما یشاء فآمنوا باللہ و رسلہ و بعد از ذکر انبیاء
فرمودہ است اجتبیناہم وھدیناھم الی صراط مستقیم و حقیقت آنست کہ معنی اجتبا
گزیدن است. حق تعالی برگزیدہ انبیاء را بے سابقہ کسب و سلوک و اولیاء را بکسب و
ریاضت و اتباع انبیاء، و این جا آں اجتبا نیست کہ در انبیاء است. و آں این ست بنظیر
قول حق سبحانہ اللہ یجتبی الیہ من یشاء و یھدی الیہ من ینیب. پس وجہ مباہات نیست
مگر عدم توسط چنانکہ ادعا کردہ اند، و بیان آں باید فرمود کہ وصول فیوض مر سالک را توسط
و حیلولۂ خیر البشر علیہ و علی آلہ الصلوۃ والسلام تا زمانی است کہ حقیقت سالک بحقیقت محمدی
کہ جامع جمیع حقائق است، و آنرا حقیقۃ الحقائق گویند منطبق نگشتہ است، و باں متحد نشدہ،
چوں بکمال متابعت ملک محض بفضل اللہ این حقیقت را باں حقیقت اتحادی حاصل گشت
توسط برخاست چہ توسط و حیلولہ در مغائرہ است، انتہی اتحاد حقیقت سالک با حقیقت
محمدی کہ حقیقۃ الحقائق است چہ معنی دارد، چہ صورت این سخن از مقام ادب و انصاف
دور است، و گستاخی صریح و گزاف فضیح و با قطع نظر از حکم عقل دو چیز و یکے شدن آنہا
ہر چند جزو کل و جزی کلی باشند از قبیل محالاتست، لازم می آید کہ حقیقت ہر سالکے کہ
باین مرتبہ و مقام برسد حقیقۃ الحقائق گردد، و ذلک ظاہر البطلان پس اگر از اہل حقیقت
کسے این اطلاق کردہ باشد و حکم باتحاد بودن معنیش فنا و رد و غیبۃ از خود و در حضور وے خواہد بود

بجہۃ کمال متابعت وغلبہ محبت چنانکہ فانی الشیخ میگویند، وخود شیخ تمام عالم وپر جملہ بنی آدم وجہۃ تمام کائنات وقبلہ موجودات اوست، علیہ افضل الصلوۃ واکمل التحیات ہمچنانکہ اتحاد بذات مطلق الٰہی را تفسیر کردہ اند، باستغراق در ہستی حق کذا فی الفقرات چوں اتحاد اعتباری وحکمی با مغائرۃ حقیقی ونفس الامری منافات نخواہد داشت، و منافی وساطت وحیلولہ نخواہد بود وخود تعین وتشخص حقیقت سالک وجزئیہ او باقی است چنانچہ اہل فنا، وتوحید می گویند۔ بیت

تو او نشوی ولیکن ار جہد کنی جائے برسی کز تو توی برخیزد

یعنی آں توی واوئی کہ پیش از فنا وگم شدن بود در وے بود، بلکہ ہمیں گم شدن وفانی گشتن در وے قرب ووصول بحق است بوساطت وے پس ایں اتحاد وانطباق کہ حاصل گشتہ است، اگرچہ ایں واصل بجہت غلبہ بیخودی وفنا دریافت ایں وساط نمی تواند کرد، حقیقت محمدی را عارفاں واسطہ میداشتہ ومی یابند در وجود حوادث تمامہ اشیاء وصفات وکمالات از جواہر واعراض کہ وصول بحق وشہود وے نیز از آں جملہ ست، چہ آنہا کہ بآں حقیقت رسیدہ، ودر وے فانی گشتہ وحکم اتحاد گرفتہ، وچہ غیر آں بلکہ توسط نسبت لطائف ولی ودریافت آں نسبت اقرب واظہر باشد، وایں سخن دقیق است واللہ الہادی تو لکم آنجا کہ اتحاد است معاملہ شرکت است ایں نیز خالی از غرابتی نیست، چہ شرکت دوئی را می طلبد، وشریک در امرے دوکس باشد وحقیقۃ اتحاد خود اصلاً بشرکت جمع نمی شود یعنی فنا وغیبت نیز کہ اتحاد حکمی است وفانی وغائب از میاں رفت وحکم فنا گرفت، شرکت از وے چہ صورت دارد، توسط را گفتند کہ دوئی می طلبید، شرکت ہمچنیں است تو لکم اما چوں سالک تابع والحاقی است وطفیلی از قبیل شرکت خادم بود از مخدوم وایں سخن ہیچ محصلی ندارد، واگر ایں خادم با مخدوم شریک است در جمیع صفات وتمام جہات پس برابری وہمسری محذور لازم وتفاوت اکمل خادم ومخدوم

چه فائده دارد، اگر نیست اتحاد چه معنی دارد۔ این سخن خادمے و مخدومے در کلام ایشان بسیار
واقع شده، در اجتماع کمالات ابراہیمی و محمدی نیز گفته اند و این را گریزگاه ساخته اند اما
فائده ندارد۔ و نوشته اند که مراد بدایت حال بحضرت کائنات محبت خاص پیدا شده کرد،
غلبات آں محبت می گفتم که محبت من بحق سبحانه از آں جهة است که وے رب محمد است
این سخن در ظاہر سعید و باعث تعجب است، اما معنی راست و درست ندارد۔ زیرا که
محبت منعم جبلی است۔ و ہمه نعمتها بوسیله و ساطة آں حضرت واصل پس محبت صلی الله علیه
واله وسلم اقرب و احریٰ اسباب محبت حق باشد، و محبت او با عین محبت حق مستلزم او ست
و بحساب عقل شق ثانی اظہر است، اگر گویند که محبت او از جهة انعام محبت صفات است
و سخن در محبت ذاتی میرود، گوئیم که این نیز از جهة ذات محمد صلی الله علیه وآله وسلم حاصل
است، چنانکه آنحضرت مظہر ذات خاص حق است تعالیٰ و تقدس محبت و انجذاب
بوے موجب محبت، و انجذاب حق خواہد بود، بہر تقدیر این سخن بسیار خوب و دلربا
است، و اعجبا کاشکے شمارا ہمیں بسته، رفته رفته بجائے می کشید که در عشق محمدی واله
و شیدا و فانی و مستہلک می گردانید، که مجال سر بالا کردن و دم زدن باین نوع کلمات
مشعر برابری و یگانگی در حضرت وے صلی الله علیه وآله وسلم نمی ماند، چنانکه در وصف
صدیق اکبر رضی الله عنه آمده است، سنگریزه در دہاں انداخته و چشم بر جمال آں حضرت
دوخته می نشست، و رابطه محبت را نگاه میداشت و دم نمی زد، و حال اکثر اصحاب
رضوان الله تعالیٰ علیہم اجمعین چنیں می بود که کانوا فی مجلسه کان علی رؤسهم
الطیر و اشارة قول حق سبحانه یاایها الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت
النبی الآیة ہمیں است۔ قولکم تا این قسم محبت شود نشود، الحاق و اتحاد بہماں معنی فناء
غیبة و دوام توجه و حضور و استغراق که لازم عشق مفرط و محبت صادق است نه بمعنی
دیگر قولکم طریقه جذبه را چوں کشش از جانب مطلوب است و عنایت الٰہی متکفل حال

طالب است، ناچار قبول وسائط نمی کند، و در طریق سلوک چوں انابت از جانب طالب است، در وجود وسائط چاره نبود، این عین مدعا است و سخن بے دلیل است، طریقۂ جذبہ مرادی و محبوبی چنانکہ سبق بیان رفت، زیادہ براں این است کہ لطف اللہ بندہ خود را پیش از انکہ طلب کند و سلوک نماید جذب می کند، و انجذاب ہم جمالی است کہ بداں سلوک آساں میگردد، و این منافات بوجود وسائط ندارد، بلکہ چوں جذبہ تنہا کار نمی آید و سلوک بے وسائط نمی باشد، لازم آید وجود وسائط چنانکہ مقرر قوم است و خود ہم گفتہ اند کہ در نفس جذبہ ہر چند وسائط در کار نیست، اما تمامی منوط بسلوک است اگر سلوک نباشد، جذبہ ناتمام و ابتر است، اگر گویند کہ احتیاج در طریقہ جذبہ بسلوک وسائط پیش از وصول اوست بعد از وصول بر طرف می شود بخلاف طریقہ سلوک کہ آنجا بعد از وصول نیز واسطہ میماند، چنانکہ گفتہ اند کہ در طریقہ جذبہ اگر توسط متابعت شریعت کہ عبارت از سلوک است وصول بمطلوب می شود بے واسطہ حلول امری خواہد بود۔ گوئیم کہ چہ دلیل است بریں دعویٰ مفہوم جذبہ در حصول طریقہ وے خود مستفیض ایں نیست چنانکہ معلوم شد۔

مدعا دوئم کہ در طریقہ سلوک از وسائط چارہ نبود، ما را کہ قابل بوجود و نور توسطیم مطلقاً دخل دراں نیست ولیکن بطریق بحث و مناظرہ گفتہ می شود کہ چرا آں ہم بعد از وصول بوجود وسائط بر طرف نشود، چنانچہ بوجود جذب بعد از سلوک ملک ہم چنیں باید احوال ایشاں کہ خاصیت جذبہ عدم وسائط است و سقوط آنہا است و در کلام شما نیز اشارہ بآں واقع است۔ آنجا کہ گفتہ اند در طریق سلوک از شیوخ ہر کہ در میان آمدہ است متوسط و حاجب مشہود سالک است، وائے اگر در آخر حال تدارک نماید یعنی وسائط از میان برندارد۔ حاصل آنکہ در طریق جذبہ، و وصول سلوک ہر دو پیش از وصول وسائط درکار است۔ و اگر در طریقہ جذبہ بعد از وصول وسائط ساقط میگردد و در طریق سلوک

می نماید محکم است چه او در ہر دو جا باقی نماند و چه او در ہر دو جا ساقط نگردد. سخن در ہمیں جاست
واگر گویند ایں امر کشفی وجدانی نیست، بحث فائدہ ندارد۔ آں چیزے دیگر است، اما شما مقید
باستدلال شده، و توجیہ نموده کہ چوں در طریقہ جذبہ کشش از جانب مطلوب است،
وعنایت الٰہی متکفل حال طالب است۔ ناچار قبول وسائط نمی کند۔ و در طریق
سلوک چوں انابت از جانب طالب است، از وجود وسائط چارہ نبود، و خود جذب
وسلوک بر ہر دو تقدیر است۔ فرق تقدیم و تاخیر فائدہ ندارد۔ اگر گویند کہ مدعی و دلیل ہر
دو کشفی است، چنانکہ یکباری از شاغل ایں سخن شنیده است، ایں گریزگاہ خوب است
و بعد ازاں در اثبات عدم توسط و تقدیر آں طرق دیگر بیان کرده آید۔ اول وصول از
راہ معیت کہ حق را با بنده است ناچار بے توسط امرے خواہد بود کہ متابعت معیت است
واگر واسطہ است در سلسلہ ترتیب است، کہ عبارت از سلوک است و گفتہ اند کہ راہ
معیت یکے از طرق جذب است نہ از سلوک انتہیٰ۔

پوشیده نماند کہ ہرگاه راہ معیت یکے از طرق جذبہ باشد کہ قرار یافت کہ در طریق
جذبہ از سلوک چاره نیست۔ پس در طریق معیت برائے وصول نیز در کار خواہد بود۔ و
از وسائط ناگزیر و کلام در وے ہم چناں خواہد بود، کہ در طریق جذبہ گذشت۔ دیگر مثال
ظل باصل نموده اند کہ ایں ہم طریقے است، اگر عنایت الٰہی ظل را باصل خود میلے
پیدا شود و کششے رو دہد اگر در آں ظل را بآں اصل وصول حاصل شود، ہر آئینہ بے
حیلولہ امرے خواہد بود۔ چوں آں اصل اسمے از اسماء الٰہی است۔ ناچار در میان اسم
و مسمیٰ او حائلے نخواہد بود۔ و وصول ظل ازیں راہ باصل الاصل کہ مسمیٰ آں اسم است
بے وسائط امرے خواہد بود۔ انتہیٰ۔

پوشیده نماند، ظاہر آنست کہ ایں نیز از طریق جذبہ خواہد بود چنانکہ در طرق معیت
پس ایں نیز محتاج بسلوک خواہد بود۔ چنانکہ طریق جذبہ ایں جا نیز ہماں کلام است کہ

آنجا است. دیگر گشتن ظل باصل مسلم و اتصال اسمی نیز ہمچنیں، اما وصول ظل الاصل کہ
مسمی آں اسم است، چرا بواسطۂ آں اسم نباشد. بل الامر کذلک قولکم ایضاً ہر کہ واصل
ذاتست بوصول بے خوفی توسطا مری در حق او مفقود است. و ہرگاہ در صورت
وصول بحضرت ذات سبحانہ حیلولۂ و حجابیت صفات واجبی مرتفع گردد، حیلولۂ
حجاب غیر ذات چہ گنجائش دارد. انتہی

پوشیدہ نماند امرے مقرر است کہ صفات پردہ ذات است، کہ ہرگز نمی افتد،
اگر یک پردہ برخاست، پردۂ دیگر نشیند، ذات را جز در پردہ صفات نمی تواں دید، و
شہود گردد دریافت لیکن صاحب شہود ذات را بجہتہ غلبہ انجذاب توجہ تام بسوے او
صفات ملحوظ و منظور او نمی افتد، و بر ہر تقدیر پردہ درمیان است. دریابد یا درنیابد.
وفی الحدیث حجابہ النور و لعمر النبی نور یکے از اسماء محمدیست صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم. و
اگر مراد نور ذات دارند کہ حجاب ذاتست، حجابیت نور محمدی بآں مصدق. و نور علی
نور یھدی اللہ لنورہ من یشاء خواہد بود، و باقطع نظر ازاں ایں طرف اورا
بوصول بیچونی نام گردید، اگر از طرف جذبہ درآید، چنانچہ ظاہر است دریں نیز ہماں
کلام می رود کہ در جذبہ گذشت از احتیاج بسلوک و اگر طریق جذبہ نیست طریق سلوک
خود واسطہ ثابت است، اول و آخر و ظاہر است کہ طریق توجہ الی اللہ و حضور
بادئی است، بہ مشغولاں طریق ایں سلسلہ شریفہ را می باشد ایں کار می کنند تا ملک
حضور و انجذاب باحدیث حق حاصل کنند. بعد ازاں اگر توفیق سلوک یابند حکم
مجذوب و سالک خواہد بود. و کلام در وے گذشت. و دریں مشغولی نفی و اسقاط
جہات و اعتبارات است بتصفیہ لوح قلب از نقوش ماسوی اللہ اگر مقصود
بیان ایں نسبت، و ذکر ایں حالت است، ایں خود ہم مشغولاں ایں بیت را ہمسر
علی قدر تفاوت احوالہم. چندیں ابتہاج و افتخار و ذکر اجتباء و شرکتہ و اصالۃ و مرادی و

مریدی وخادمی ومخدومی چیست. پس معلوم شد کہ مقصود چیزے دیگر است، وبیان مقام عالی تر ازاں است، ومقصود آنست کہ بیان کنند کہ خدائے تعالیٰ ما را بفضل خود بجائے رسانیدہ است کہ ہمہ اسباب ووسائل وصول در حق ما حکم معدات گرفتہ وسقوط پذیرفتہ است، وحق تعالیٰ از کمال کرم واہتمام وغیرتے کہ در حق من دارد تجویز نمی فرماید، کہ فضل دیگرے را در حق من مدخل باشد، یا من بدیگرے دریں معنی متوجہ گردم، من مرید خدا ام وہمسر رسول. اینہا دریں مقصود چہ دخل دارد وچندیں توجیہات ومقدمات غریبہ در اثبات وتقریر آں برانگیختن چہ حاجت ودر حقیقت درصورت مشغول وتوجہ ذات نیز روح محمدی کہ محیط تمام مراتب وجودی وشہودی است وساریست در ذات وصفات واسطہ است اگرچہ مشاہدہ ازاں آگاہ نیست، بر مثال ضوء ورویت اشیاء بالجملہ ہر کسے کہ نورے وہدایتے وادراکے ودریافتے ہست، بواسطہ حقیقت محمدی است. بیت

ہر کجا نور است ساطع یا کمالے باہر است

پرتوے از آفتاب آں جمال افتادہ است

قولہ تحقیق ایں مقام آنست کہ توسط سرور کائنات علیہ وعلیٰ آلہ وسلم بدو معنی تواند بود. یکے آنکہ او صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حائل وحاجب بود. درمیان سالک ودرمیان مطلوب ومعنی دوم آنست کہ سالک بفضل وے وتوسطے وتبعیت ومتابعت وے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بمطلوب واصل گردد. در طریق سلوک وپیش از رسیدن بحقیقت محمدی توسط بہر دو معنی کاین است بلکہ می انگارم کہ دریں طریق از شیوخ ہر کہ درمیان آمدہ است، متوسط وحاجب شود، سالک آں است واگر در آخر حال جذب بتدارک آں نماید معاملہ بے پردہ کے نکشد، زیرا کہ در طریق جذبہ بعد از رسیدن بحقیقت الحقائق توسط بمعنی ثانی است کہ بطفیل وتبعیت است، نہ حیلولہ وحجاب کہ پردہ شہود گردد.

ومشائخ طریقہ در توسط وعدم توسط آں سرور اختلافہا دارند جمعی بتوسط رفتہ اند و گروہے بعدم توسط۔ انتہی۔

پوشیدہ نماند کہ در توسط تبعیت وطفیل ہیچ کس را جائے سخن نیست، متفق علیہ است وجمہور عرفائے محققین برآنند کہ توسط بمعنی حیلولۂ آنحضرت درمیان سالک ومشہود ومطلوب نیز ثابت است، وہیچ مشہود بے توسط روحانیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاصل نیست، وقول مخالف لایعباء است ناشی از کوتہ نظریست و ایشاں میگویند کہ توسط روحانیتِ آنحضرت در جمیع مراتب وجودی وشہودی و عیانی ومعانی وتمام عوالم جسمانی وروحانی ثابت است، وایں توسط داخل حجابے نیست کہ از آں پردہ بروئے شہود نشیند، بلکہ موجب مزید انجلاء وانکشاف است در رنگ حیلولۂ عینک در ابصار عالم ظاہر، مثلاً وجود ادراک وشہود ذات بے پردہ ممکن نیست ؎

در پردہ عیاں باشم وبے پردہ نہاں

ومی گویند کہ حقیقۃ الحقائق بودن آنحضرت واحاطہ باہیات مانند احاطہ ماہیات بجواہر وذوات نیست۔ بلکہ تمام وشامل است مر صفات ومعانی را کہ شہود محبوباں ومحبوباں ومراداں، یکے از آنجملہ است، ومی گویند کہ در وقت ایں شہود کہ در قرب ووصول حاصل است، روح پرفتوح حضرت سید المرسلین محبوب رب العالمین حاضر است، وواسطہ است واز ذات حق مفارق نیست، چہ محب ومحبوب از یک دگر جدا نشوند خصوص ایں چنیں محبوب کہ محبوبیت وے بذات بحت بملاحظہ جمیع شیون واعتبارات تعلق گرفتہ است، واگرچہ بے ملاحظہ شیون واعتبارات تعلق گرفتہ است واگرچہ بے ملاحظہ شیون واعتبارات ہمہ باشند بملاحظہ جمیع شیون واعتبارات بود از جہت بودن او مظہر جامع قال بعض العارفین مَا اَرْسَلَ الرَّحْمٰن اویرسل من رحمۃ

تصعد او تنزل فی ملکوت الله او لکه من کل ما یختص او یشمل الاو المصطفیٰ عبده و نبیه و مختاره المرسل واسطة فیها واصل لها لیعلم هذا کل من یعقل و ایں شامل جمیع مراتب شهود ست، و قال ان روح النبی صلی الله علیه و اٰله وسلم غایت من نفوس بالله فی الله طالب فی وصفه صلی الله علیه واله المحقق المحکوم بالجہل من ادعی معرفة الله مجردة فی نفس الامر عن نفسه المحمدی و میگوید که ایں مشاهده مجذوب سالک تواند بود، که بجهة قصور معرفت و تمیز یا بجهة غلبه بے خودی، از ادراک، و دریافت آں قاصر و ذاهل باشد۔ اما در نفس الامر ثابت و دائم است۔ و آں ذہول در حقیقت، از قبیل، عدم علم بعلم است۔ چنانچه در مواضع گفته آید۔ ازیں هم گذشتم و مسلم داشتم که مشایخ طریقت از توسط و عدم توسط آں سرور اختلاف دارند۔ اما آں گروه که قائل آں بعدم توسط دعوی شرکت همسری همسری واجبا، و عدم مدخلیة آنحضرت در حق ایشاں و عدم توجه ایشاں بر آنجناب چنانکه گفته اند می کنند۔ و مشائخ دریں جا هم اختلاف دارند سخن در آنجاست حاشا و کلا هم متفق از و در غایت بندگی و نیازمندی و سرافگندگی و احتیاج بآنجناب۔ دیگر مخفی نماند که توسط آنحضرت در شهود و اصل موجب عظمت و جلال و سبق اوست در درگاه غیرت و عدم توسط سبب تاخر و سقوط و تصور و حاصل حکایات عدم توسط بسبب تاخر و سقوط و تصور و حاصل حکایات عدم توسط بآں راجع میگردد که سالک همیشه خادمانه بهمراه آں حضرت به تبعیت و طفیل میرفت۔ و اقتباس از وے میگرد و چوں بقرب درگاه رسید و بیشتر رفت و درون درآمد و آں حضرت را پس انداخت و بیروں در گذشت و از میاں ساقط گردانید، خود در مجلس درآمد و بر منصه قرب و وصال نشست، و کامراں شد۔ و میگوید که من و تو برابریم من هم بنده ام، او را توسطے درمیان من و بنده نماند۔ اگرچه در اصل بنده و تابع تو و خادم تو بودم، و بواسطه تو رسیدم الآن تو

ہیچ دخل و توسط نداری۔ نعم اگر با پیر و مرشد معاملہ و حال چنیں بجتند، ممکن باشد کہ بوساطت وعنایت و تربیت حضرت رسالت، انوار و اسرار اقتباس و شقاوت و استفاضہ نماید۔ و فیوض و فتوح حاصل کند، و از پیر در مقام قرب بیشتر رود، و تقدم نشیند، اما ایں عجب کہ بتبعیت آں از آنحضرت استفاضہ و استفادہ کند، و در مرتبہ برابر گردد، و او را از میاں ساقط گرداند، و خود در مقام قرب بے واسطہ نشیند، ہیچ عاقل و عارف ایں سخن روا دارد، و قبول کند، و ایشاں عجب نکتہ ملایانہ بتکلیف استنباط نمودہ وانمود کردہ، و گفتہ اند کہ گفتہ نشود کہ ازیں عدم توسط اگرچہ نیک بود، قصورے بجناب خاتم علیہ الصلوٰۃ والسلام لازم می آید، زیرا کہ میگوئیم کہ ایں عدم توسط مستلزم کمال آنجناب است۔ نہ مستلزم قصور، بلکہ قصور در توسط است، زیرا کہ کمال متبوع آنست کہ تابع او بسط، قبل و تبعیت او بجمیع درجات برسد، و ایں معنی در عدم توسط کائن است نہ در وجود توسط کہ آنجا شہود بے پردہ است کہ اقصی درجات کمال است و ایں جا در پردہ پس کمال در عدم توسط بود، و قصور در توسط و از شوکت و عظمت مخدوم است کہ خادم در ہیچ مقامے تخلف نکند، و تبعیت او شریک دولت ہمگناں گردد، انتہیٰ

ایں تخیل محض از قضایائے خطابیہ شعریہ است، نہ از براہین عقلیہ قطعیہ تعنیہ و چوں ایشاں می گویند باید کہ از کشف صریح و ذوق صحیح شدہ باشد، واللہ اعلم۔ و توہم ازیں جا است کہ آنسرور فرمودہ است علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ ایں را بدیں نکتہ چہ متفرع و مترتب ساختہ اند از بیان سابق خود لازم می آید کہ علماء امتی کانا زیرا کہ شما ایشاں را اقصی درجات کمال ثابت گردانید، و در تمامت کمالات شریک آں حضرت گردانید، ایں خود بالاتر از انبیاء بنی اسرائیل است، زیرا کہ ہیچ یکے از ایشاں شریک آں حضرت در تمام کمالات نیست، و حق آنست کہ مرتبہ علماء امت

بمرتبهٔ انبیا نمی رسد و شبیه باعتبار خلافت و نیابت در تبلیغ احکام و شرائع است چنانکه
انبیاء بنی اسرائیل تابع توریت بودند و بعد از موسیٰ علیه السلام تبلیغ احکام آن می
کردند نه در قدر و مرتبه و نزدیک محدثین این حدیث بصحت نرسیده و حدیث العلماء
ورثة الانبیاء صحیح است، عجب که این جا تصرف از ظاهر و ارتکاب خلاف
آن راضی شده اند، فرزندی شیخ نور الحق می گفت یکبارے نزد ایشان قول الولایة
افضل من النبوة مذکور شد، فرمودند هرچند توجیهات و تاویلات راست و درست
دارد اما موهم خلاف حق است، نباید گفت، این تناقض است، و تناقض در کلام
ایشان بسیار است، بالجمله در عقائد اهل سنت و جماعت مقرر شده است که هیچ
ولی بدرجهٔ نبی نرسیده، اما حافظ نسفی[1] در تفسیر مدارک میفرماید که تحقیق لغزیده است
اقدام بعضے اقدام در تفضیل ولی بر نبی و این کفریست جلی، و در تعرف که کتاب معتبر
است در علم این قوم و شیخ شهاب الدین سهروردی[2] رحمة الله علیه گفته است...
ما عرفنا التصوف، مذکور است که اجماع کرده اند که انبیاء علیهم السلام افضل بشر
اند، و نیست یکے از بشر که موازی و مساوی ایشان باشد، نه صدیق نه ولی نه غیر
ایشان، اگرچه بزرگ باشد. قدر وے عظیم بود خطر وے و بلند باشد رتبهٔ او و ابو یزید
بسطامی رحمة الله علیه گفته هست آخر و نهایت صدیقین اول احوال انبیاء است
و نیست مر نهایت انبیا و را غایتے که درک کرده شود و نیز گفته است، نیست مثال
معرفت خلق و علم ایشان نزد پیغمبر صلی الله علیه و آله وسلم همچنان که چون نمی بر سر خیک بسته
پدید آید، و می گوید مراد ازیں سخن آن است، و الله اعلم که هیچ کس از خلق بر سر محمد
مصطفیٰ صلی الله علیه و آله وسلم نگردد، اگر همه خلق گرد آیند و معرفت و علم خویش گرد

---

[1] ملاحظہ ہو۔ Ency. of Islam III p 841-2

[2] حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔ Ency of Islam III p 506

آرند، کما قال محمد مصطفی صلی الله علیه وآله وسلم بشناسند وآں شناخت که ایشان بشناسند
آنرا مثل کردند بدانها خیک چیست فاتا داشتن مقدار وے، وصفات وے، بداں
نم پدید نیاید واگر نم نبودی ندانستندی که دراں چیست، انتهی. قولکم که در حدیث
آمده است که چوں بنده در نماز داخل میشود، حجابے که درمیان بنده وخدا است مرتفع
میگردد. ولهذا صلوٰة معراج مومن آمده، وحظ وافر از آں نصیب منتهی واصل گشت
چه رفع حجاب مخصوص بواصل منتهی است، پس ارتفاع حیلوله وتوسط ثابت
گشت، انتهی. ایں خود صحیح است ولیکن ایں را نمی بیند که در تشهد که آخر وقت
ادا نماز است، ووقت اکملیة واتمیت شهود است، میگوید السلام علیك
ایها النبی، وبعد از وصول اتم واکمال مستغنی وفارغ نیستند از توسط عمال و
کمال آنحضرت ونیاز وتسلیم وتوجه بدرگاه وے پس توسط هنوز وتوسل مرتفع نگشته
است، وایں حجاب در وقت نماز مرتفع می شود حجابهاست که بنده بداں از مقام
قرب وحضور دل افتد. حیلولة وتوسط حقیقة محمدی است که وے باخدا است
دائم وآنکه نوشته اند که رویة آخروے بے توسط وحیلولة امرے خواهد بود بے موقع
است زیرا که سخن در رویة وشهود دنیاویست وایں بے پرده نمی باشد، لااقل پرده
صفات درمیان است وبحقیقة رویة اخروی نیز بے پرده صفات نخواهد بود.
وصفات حق منفک از ذات نیست، ومنتهی برعرفست دیدن ذات را با صفات
درعرف دیدن ذات می گویند کسیکه زید را می بیند با چندیں صفات از طول و
عرض ولون وشکل وجز آں میگویند، زید را دید وهیچ کس نگفته است که در آخرت
ذات بحت مجرد از صفات را خواهند دید پس اگر روح محمدی که با ذات حکم صفات
دارد نیز باشد چه مانع، والله اعلم، قولکم از معرفة از خواص معارف عندیة ایں
فقراست که حق سبحانه آنرا بمحض کرم عطا فرموده بحقیقة آں متحقق ساخته است

واین معرفة اشاره است بآنچه گفتند که عدم توسط موجب کمال است، وتوسط موجب
نقصان۔ کہ آنجا شہود بے پردہ است وایجا دپردہ۔ واین کمال بالغیر است
وگفتہ اند کہ کمال وشوکت عظمت مخدوم ومتبوع نیز ہمدریں است کہ تابع و
خادم او بجائے رسیدہ است وبہ تبعیت او شریک دولت او شدہ۔ سبحان اللہ
ایں چہ تخیل وتوہم است وسرور ابتہاجست ودر لوازم ایں سخن نمی نگرید۔۔۔
رسول خدا است از میاں ودعوی مساوات بادے، ترجیح اولیاء بر انبیاء صلوات
اللہ علیہم اجمعین وسلام، چنانچہ تقریر آں گذشت حاجت بتکرار نیست، اما ہمیں
یک سخن باز تکرار کردہ کہ واسطہ کہ می خواہند، کرامی گویند محمد رسول اللہ را
میخواہید کہ محبوب رب العالمین ومقصود دنیا ودین است، وآنحضرت را پردہ
میگویند وحجاب نام می نہند، زہے آں عارف کامل مشاہد کہ حق را در مرأت
محمدی مشاہدہ کند، جانہا فدائے آں پردہ باد سبحان اللہ ایں چہ نقصان است،
کدام کمال بالاتر ازیں باشد کہ جمال محمد وکمال حق ہر دو مشہود شود ومنظور گردد، و
محمد را صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق برائے آں آفریدہ است کہ در آئینۂ جمال وکمال
وے ذات او را مشاہدہ کنند ودر خلوۃ خانہ حقیقۃ در آمدہ با ذات وصفات حق
مواصلت نمایند اگر ہر چہ ہست آنجا است۔ قال بعض العارفین لا تجلی اشعۃ
اللہ بقلب الا من مرأۃ سرہ وھو النور المطلق وپردہ ہائے کہ دور باید کرد پردہ ہائے
ظلمانی وروحانی وانفسی وآفاقی است، کہ حجاب مقصود وپردہ شہود شوند وآنکہ ذات
محمد را پردہ گویند واز میان ساقط گردانند، وچرا گویند کہ نباید گفت کہ ایں تفسیر ان
شاء اللہ در روز جزا مشخص گردد، بلکہ در عالم برزخ نزد آنحضرت مذکور شود۔ اگر من پیش
از شما از عالم رفتم اول شکایتے کہ از شما پیش آنحضرت کنم ایں خواہد بود۔ واللہ اعلم
واگر دریں دنیا ہم بر وقائع وحالات مطلع گردانند دور نیست وطریقہ وعادت مسکین

آنست چنانچہ مشغولاں ایں سلسلہ توجہ بذات حق نمودہ مراقبہ جمال شریف می نمایند۔ مراقبہ آنحضرت میکند رفتہ رفتہ بذات حق یکے شو بمعنی استغراق وحضور کہ نزد ایں طائفہ معنی اتحاد است، چنانچہ گذشت ومراقبہ حلیہ شریف .... کہ دائمی است و دریں ایام کہ سخناں شما ...... ذکر آنحضرت وتوجہ بجناب وے تقریب شدہ است بجائے مخصوص شدہ کہ زیادہ گردانند۔ خدا تعالیٰ تمام عارفان واصلاں ومقربان ومحبوبان رامی بینم کہ زبان حال وقال بتوسل وگداگری واستمداد از آنجا کشادہ جز بندگی و نیاز وشکستگی وغلامی وسگی نمی نمایند، بر روئے ایشاں نمیدانم کہ کدام در معرفت کشادہ اند، و روئے حقیقت نمودہ ایں چنیں سخناں بوجود آمدہ، سر بر زدہ است۔ چوں است ظاہر آں است کہ شاید غا خوردہ اید۔ نمیدانم کہ از دست کہ خوردہ اید واللہ اعلم والعاقبۃ بالخیر جیما محذورما طریق صواب آنست کہ قطع نظر ازیں تفصیلات وتحقیقات ومعارف کہ مذکور است نمودہ، بے تردد تفصیل بگوئید کہ فیض وفتوح در اول و آخر وظاہر و باطن قبل الوصول وبعدہ مراداں ومراداں را ومحبوباں را ومحباں را ہمہ بتبعیت وطفیل وتوسط بتوسل آنحضرت است، دیگر سخن نیست زیادہ چہ گوید۔ و عجب است درشان کافراں ومکذوباں قرآں وارد شدہ، بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ ھی ولما یاتھم تاویلہ درشان فقیراں صرف کردہ اید وایشاں ہم اگر ایں آیہ را بخوانند واضلہ اللہ علی علم چہ شود۔ دیگر عرضہ میدارد کہ در وجود اتباع نبوی کہ مردم دعوی آں می کنند و برائے خود کمالات انتساب می کنند، و چنیں شنیدہ می شود کہ ایشاں در مکتوبات آنرا بر پنج مرتبہ نہادہ اند، وگفتہ اند کہ ہمہ مراتب در آں موجود است و ہمچنیں ہم نوشتہ اند کہ در یکے از نیم مراتب علم باسرار مقطعات قرآنی نیز حاصل میگردد ایں مسکین را چہ نسبت کہ چگونہ است اتباع ازاقوال وافعال می باشد، کہ ہر چہ فرمودہ از اوامر ونواہی بجا می آرند، وامتثال نمایند۔ وہر چہ کردہ اند از افعال بجا آرند و بصفات

ایشاں متصف شوند، وبعد ازاں در احوال باطن کہ ہر چہ از انوار و اسرار آنجا یافتہ و
وجود یافتہ ایں جا موجود میگردد، وکیست کہ ایں کمالات در روے بتمام وکمال حاصل
شدہ باشد، چنانچہ در حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آمدہ است وایکم
نطق ذٰلك ایں ہمہ طاعت و عبادت کہ چنداں شب در نماز می ایستادند کہ پایہاے
مبارک می آماسیدند کجا است زہد، ریاضت کہ بر پلاس می خفتند واز نان جو سیر
نمی شدند گو... وآں ہمہ عقل وسخاوت وشجاعت وقوت ورحمۃ ورافت وتواضع
وحلم وعفو ووفا وحق وحسن عہد وصلہ رحم کجا است' وغیر ذلک مما ہو، مذکور ومروی فی
الاحادیث، کمالات آنحضرت را دریں صفات واخلاق بود، و در اقصیٰ مراتب درجات
بود، کہ راست ومقرر است کہ حصول فیوض ووصول بمقام قرب بر قدر اتباع خواہد
بود، خود مبالغہ وتاکید دریں باب بسیار کردہ اند، و در عبارت ایشاں اکثر ذکر متابعۃ
بذکر فضل الٰہی مقرون نیست، وگفتہ باتباع آمد، بلکہ بمحض فضل الٰہی گویا برائے دفع
شبہ واستبعاد است، ونوشتہ اند کہ بکشف صحیح والہام صریح بیقین پیوستہ
است کہ ہیچ دقیقہ از دقائق ایں راہ وہیچ معرفتے از معارف ایں قوم بے واسطہ
وتوسط متابعت او صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میسر نیست، ومنتہی را در رنگ مبتدی وتوسط
وفیوض برکات ایں راہ بے تبعیت وبے طفیل حاصل نشود، انتہی ایں امرے
مجموع علیہ در دین احتیاج بکشف والہام چہ دارد، چہ کمالات دین وصفات مسلمانی
ہمہ موقوف برایں است وگویا تخصیص بہ دقائق ومعارف بیان می کنند ومخصوص
بشرح وبیان آنست کہ بیقین دانست کہ بکمال متابعت موصوف ست وزبان او و
اعتراض از وے قاصر، چنانچہ در اول مکتوب افادہ نمودہ آید، بعد ازاں زبان چنداں
بمدح وثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واحتیاج کلی بتوسط وتوسل وے صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم کشادہ اند، کہ جاں را سیراب ودل را شاداب میگرداند ودفع تمام

توہمات وسوء ظن می کند اما با وجود این رفع وسائط واستتار آن از میان ودقائق ومعارف کلمات دیگر ناظر در سوئے ' ب وگستاخی چیست ، اکنوں آمدیم بحکایۂ سکر وصحو مقرر است کہ اصحاب صحو مفضل اند ، بر اصحاب سکر ۔ زیراکہ محکوم وقت اند وحال حاکم است بر ایشان وایشان را ابن الوقت گویند واز تنگنائے نفس واحوال بر نیامده وایشاں باصحاب صحو کہ ازیں مضائق بر آمده وحاکم وغالب شده اند ، بر وقت وایشان را ابوالوقت گویند ، چہ نسبت است پس آنچہ از بعضے اقطاب کہ قدوه ارباب صحو وتمکین اند مباہاتے ومفاخرتے بر مشائخ دیگر واقع شده است بامر الٰہی است نہ بغلبہ سکر ، چنانکہ حضرت غوث الثقلین امام الفریقین شیخ عبدالقادر گیلانیؓ فرموده اند قدمی ھذه علی رقبۃ کل ولی اللہ وبزرگی فرموده است من تحت خضراء السماء مثلی وامثال آں بامر الٰہی است کہ در باطن اولیاء اللہ جیا شد ، نہ صادر بہ غلبہ سکر وطغ حال وسکر غیرت وبے تمیز نیست واشارۃ بہذه منافی آنست و نقل است کہ در بعضے احوال ومقامات حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قدم ایشاں بر قدم خود نہاده اند کہ ایں قدم تو قدم من است ، پس گفت شیخ قدمی ھذه علی رقبۃ کل ولی اللہ ۔ پس آں بجہۃ امتثال الٰہی کہ تحدیث نعمت واقع شده است اگر گویند پس چیست تفاوت واختلاف احوال مشائخ واولیا در ارباب صحو وتمکین رضی اللہ وغیرہم رضوان اللہ علیہم کہ بعضے گفتہ اند وبعضے نگفتہ اند ۔ گوئیم ایشاں تکلم نمی کنند مگر باذن خدائے عزوجل ' وامر وے جل وعلا ، پس ہر کہ امر کرده شد ، گفت وہر کہ امر کرده نشد ، نگفت ۔ چنانکہ آمده است کہ از مشائخ وقت پرسیده شد کہ آیا شیخ عبدالقادر در ایں کلمہ را بامر گفت گفتند نعم بامر گفت ، وگفتند ایں نشان قطب است ۔ از اقطاب در ہر زمان کسے است کہ . . . میشود بسکوت وگنجائش ندارد ۔ واو اگر بسکوت وبعضے امر کرده میشود ۔ بقول گنجائش ندارد ۔ ایشاں را جز قول وایں الکلیۃ در مقام قطبی است

زیرا کہ ایں نشان شناعت اوست. شیخ صاحب عوارف رحمۃ اللہ علیہ بمقتضائے قیاس
عقل و مبلغ علم خود ایں سخن را و امثال ایں سخن را بر طغیٔ سکر و غلبہ حال و اشراق نفس
حمل کردہ، و شیخ بر قصد محمدت ایں قوم و عدم حضور آں چنانکہ شما برائے مصلحت وقت
کہ دریں مکتوب بر ترجیح تفصیل سکر واقع شدہ کردہ اید براں. ظاہر عبارت شیخ سابق
مخالف است. فہم شیخ دریں جا ایں چنیں رفتہ چہ تواں گفت و قول وے دریں باب
مخالف اقوال کبار مشائخ آں وقت شیخ ابو مدین مغربی[1] و شیخ نجیب الدین سہروردی[2] کہ
پیر شیخ شہاب الدین سہروردی ست، واقع شدہ و دیگر مشائخ عظام کہ عد ایشاں
موجب اطناب است چنانچہ در بہجۃ الاسرار[3] کہ کتابے معتبر و ذکر آں در کتب و طبقات
ذہبی کہ از مشائخ علماء محدثین و شیخ محمد جزری کہ قدوۂ علماء متاخرین است و غیر آں مذکور
است، و مصنف آں بدو واسطہ بحضرت غوث الثقلین میرسد و در کتب دیگر مثل روضۃ
النواظر فی مناقب الشیخ عبد القادر کہ تالیف شیخ مجد الدین صاحب قاموس[4] است
و در کتب امام عبد اللہ یافعی وغیرہ مذکور است، و مریداں شما را دریں سخناں شما سہ
قسم یافتیم. جمعی می گویند ما چہ دانیم. ایشاں چہ می گویند ما را کے مجال فہم سخنان ایشان
است ہرچہ گفتہ اند اعتقادی کنیم کہ حق است و جماعتے می گویند کہ اینہا از سکر و بیخودی
است. و فرقہ می گویند کہ ہرچہ ایشاں می گویند و می کنند ہمہ بامر الٰہی است ساہم بریں
معنی باشیم. اگر براہین قاطعہ از کرامات و آیات کہ ازاں بزرگاں منقول و مشہود است
مشاہدہ کنیم و بے آں بحکم تخمین ظن مجوز مستوقیم الا ایں حرف کہ در وے نسبت بسرور
کائنات گستاخی و بے ادبی لازم می آید، ایں را بیشک منکر میدانیم ان اللہ لا یامر
بالفحشاء والمنکر و بہر تقدیر، چنانکہ عادت ایں فقیر است توقف و تسلیم تجویز دیا

[1] ملاحظہ ہو سفینۃ الاولیاء
[2] ملاحظہ ہو "تذکرہ حضرت ابو النجیب عبد القاہر السہروردی" از مولانا احسن میاں (مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۱۱ء)
[3] بہجۃ الاسرار شیخ نور الدین ابو الحسن علی بن یوسف (المتوفی ۷۱۳ھ) کی تصنیف ہے۔
[4] حالات کے لیے ملاحظہ ہو "انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد ۳ ص ۱۱۳"

یا است کہ صدور آں ناشی از مقام صحو و تمکین باشد، اما شما خود بزبان شریف خود اعتراف کردید، و گفتید کہ ہر کہ مثل ایں سخناں گفتہ، نشا آں سکر است و سکر را ترجیح بر صحو کردہ اند و گفتہ اند کہ صحو صرف بے مزج سکر عین قصور است۔ و صحو خالص نصیب عوام است، ایں سخن اختراعی است۔ بخلاف مقامات متصف شدہ و بر ہیچ جا کہ بے تمیزیست و بے اطلاعی از تمام اشیا ممزوج نگردد۔ و در حقیقت سکر و صحو ضداں اند کہ جمع نمی شوند۔ صحو خالص کہ آنرا نصیب عوام گفتند کدام است سخن از مقام عارفاں و کاملاں و اہل خصوص می رود۔ و از کلام ایشاں معلوم میشود کہ از بزرگان آنہا کہ صحو ایشاں کہ ممزوج نیست، صحو صرف دارند، و بایں نوع کلمات تکلم داخل عوام اند۔ ایں چہ سخن است و گفتہ اند سکر بسطامی کہ بے تحاشی قول لوای ارفع من لوا محمد ازاں بوجود آمد، ازیں عبارت مدح سکر و اعلائے شان آں مفہوم است۔ و در دوران مکتوب گفتہ اند کہ سبحانی بسطامی بسبحانی من ما اعظم شانی سر برابری ندارد کہ آں از دائرہ انفس و آفاق است و ایں از سرچشمہ سکر جوش زدہ و ایں از عین صحو بر آمدہ، و ایں جا ترجیح صحو نمودہ مفاخرت و مباہات بداں کردہ اند، و گفتہ اند کہ ظاہر شدن حالست بر دل نتواند کہ پوشیدہ دارد چیزے را کہ پوشیدن آں واجب بود پیش از ظہور آں حال و ایں محتمل دو قسم است۔ یکے آنکہ چیزے منکر و قبیح است و پوشیدن از جہت بود یا صحیح است لیکن در ستر و کتمان آں مصلحت دینی بود۔ لازم نیست کہ آنچہ در کلام اہل اللہ واقع شود البتہ ازاں قبیل باشد، نہ از قسم اول از جہۃ عدم عصمۃ و جود ترک واجب کہ کتمان سرور غایت مضاعف است بر ہر تقدیر لازم آمدہ است و صاحب سکر معذور است، اگر بے اختیاری محض گردد، اختیار و تکلف را بدخل نبود۔ و بعد ازاں سکر ہا کہ در کلام اکابر واقع شدہ است، عدگردہ تحسین نمودہ اند، و مسلم داشتہ اند و وے دیر تر می گفتند۔۔۔

بیچارہ ہا پے باصل نبردہ گرفتار ظل ماندہ اند و از زبان حضرت خواجہ شنیدہ ست

کہ میفرمودند کہ شیخ عبداللہ انصاری[1] فرمودہ اند کہ برما مزید دروغ بستہ اند یکے از انجملہ آنکہ گفت ضمیر بہ پہلوئے عرش زدہ ام و لوائی ارفع من لواء محمد ہم ازاں جملہ خواہد بود بلکہ شنیع واقع است۔ از اول وقول سبحانی راتاویل مشہور است۔ کہ در عوارف مذکور است کہ آں از حکایت عن اللہ گفتہ است و اقوال کہ از شیخ جنید بغدادی آوردہ کہ ھو العارف والمعروف ولون الماء لون اناءہ والمحدث اذا قورن بالقدیم لم یبق لہ اثر بر تقدیر صحۃ صدور آں از ایشاں در باب فنا فی التوحید است و ایں مذہب وحال مقام ایں قوم است ایں جا سکر چیست، شیخ ابن عربی کہ بیان وحدۃ وجود و اثبات آں می کند بہ نہجی کہ معتقد او است از سکر نیست، مذہب و معتقد ایشاں ہمیں است، و مذہب شیخ جنید اگر خود ہمیں است خیر و الا اشارہ است باصالۃ وحقیقۃ وجود حق سبحانہ و فرعیۃ وعاریۃ وجود خلق وفنای اضمحلال ایں در نظر شہود ور مقابلہ وجود حقیقی وغلبہ وسطوۃ ایں برآں ولون الماء لون اناءہ تمثیل وتصویر است برائے ظہور صفات وافعال وے تعالیٰ در مکونات بحسب استعداد وقابلیت ایشاں نہ ظہور ذات وے تعالیٰ وتقدس در مرایا ظاہر چنانکہ اہل وحدت میگویند وفرمودہ اند کہ اگر صحو خالص بود کہ افشاء اسرار آنجا کفر بود و خود را از دیگرے بہتر دانستن شرک بود انتہیٰ سابق مذکور شد کہ ایں کلیہ نیست، کہ بصحو باشد و با مر باشد کفر نیست اگر صحیح است ودر اظہار آں فوت مصلحتے نیست، واگر نہ وقوع آں از اہل صحو ممنوع ست، و خود را از دیگرے بہتر دانستن شرک چرا باشد، ظاہرا سہو قلم است و صحیح کبر است، و نوشتہ اند کہ ایں فقیر کہ ایں دفاتر در بیان علوم و اسرار ایں طائفہ علیہ نوشتہ است، بے مزج سکر حاشا وکلا کہ آں حرام است و منکر است، وگزاف است وسخن با فست، انتہیٰ سبحان اللہ تا اکنوں گماں ایں بود واز کلا مہائے شما نیز کنایہ

---

[1] ملاحظہ ہو نفحات الانس۔

سکر کردہ آید، یا برائے تصحیح و تصدیق آنچہ واقع شدہ ست، یا ایں سکر برائے اثبات
سکر و مسافہ معلوم میشد کہ ایشاں صاحب صحو و تمکین اند، واز سکر و تلوین منزہ و مبرا اند
دریں وقت چناں معلوم شد کہ صاحب سکر بودہ اند و مقرر است کہ مرتبہ اہل سکر
عاقل و نازل است، پس تحقیقات و تدقیقات کہ کردہ اند برائے سکر کردہ اند، واگر
آنچہ واقع شدہ است یا ایں سکر صحیح و درست برقواعد طریقت و موافق تر از نزد حقیقت
است، چنانچہ از بیان کردن حقائق و معارف برائے اثبات او ظاہر میشود، چہ
غم دارید، و چہ احتیاج ..... وانکسار است والا اول یبا ئست گفت کہ مقدور
دارید، چیزے از مستی و بیخودی واقع شدہ است و بعد از غبار نیستی آں را از صرف
اعتبار و صفحہ روزگار میسر شد ند محو نمودہ توبہ کردہ و کلام السکاری یطوی ولا یردی
و عجب است ازیں طور کسے کہ جمیع فضائل و کمالات محمدی افضل الصلوٰۃ و اکملہا
حاصل گردد، باقصی الغایات و مراتب متابعت کمال رسیدہ در قرب و وصول
بجائے رسیدہ کہ ہمہ واپس انداختہ و حقیقت را بے پردہ دیدہ، و دریافتہ کہ گرفتار باشد
بسکر دیگراں خود چکار کنند، کہ باصل نرسیدہ و گرفتار ظل ماندہ اند و محجوب اند از ایشاں
اگر بجہت فعال حجاب سکری و بے تمیزی واقعہ شود، عجب نباشد و نوشتہ اند کہ سخن باقا
کہ بصحو خالص متصف اند بسیاری اندریں قسم سخن نبا فند، و دلہائے مردم از جا نبرند
اگر مراد دلہا خواص است مثل ایں سخن آں را از کجا از جائے می برند، و محفوظ میسازند
بلکہ متنفر و متبری می سازند۔ واگر دلہائے عوام است و ناس و فریقین آنہا چہ مقصود
است، و چہ اعتبار دارد۔ و در اصل سخن اعتبار ندارد۔ و مدار براں نیست بسا کس کہ
سخناں کاملاں می گویند۔ و کامل نباشند و بسا کسیں کہ حرف سازند و دلربا اند اندروں
بد باشند و کامل نباشند، الحمد للہ از آنجا کہ ایشاں اند ہم کامل است و ہم سخناں شما خوب بسیار
اند و دلربا اند اما ایں سخناں شیخ کہ نسبت باں حضرت بے ادبی و گستاخی کردہ اید آنہا را می پوشند

وبدنام می سازد و بعضے از مسکیناں ایں راہ و خاکساراں ایں درگاہ وگدایاں ایں کوئے باشند با وجود نقصان کتب و دفاتر درمیاں قواعد طریقت و احکام معاملہ ازاں زیادہ تر باشند، و در یک حرف رقم خوردہ طعن و انکار شریعت شدہ باشند، و از شاہراہ دین بیروں نیفتادہ وہاب کریم سخناں ایشاں را در بواطن اہل ایمان وقلوب صادقاں گوارای دادہ وقبول بخشیدہ است، و بحکم وصیت مشایخ کہ در شان ایشاں رفتہ است ولا یتکلمو بالحقائق والدقائق بین بل تلحق علم المعاملات وما یتمون بہ من العیوب بریں قدر اقتصار نمودہ آید و از قبول عند اللہ وبیا من الوجہ عند رسول اللہ بستہ آید ان شاء اللہ باشد کہ تا صحبت قیامت بداں تبوکار آید بایں پادر راہ ما شکستہ دلی می خزند و پس بازار خود فروشاں آں راہ دیگر ست سخن سید الطائفہ تا ہست العبارت وقت الاشارت وما ینفعہا الا رکعات فی اللیل غم ایماں باید خورد، و از سابقہ اندیشید کہ چہ رفتہ است و نوشتہ اند کہ ایں سخن کہ جنی بر اسرار باشد و از مظاہر مصروف بود، در ہر وقتے از مشایخ طریق بطور آمدہ است وعادۃ مستمرہ ایں بزرگواراں گشتہ۔ وایں امرے نیست کہ آں را ایں فقیر پیدا کردہ ولیسو، ھذا اول قارورۃ کسرت فی الاسلام انتہی، ظہور سخن مشتمل بر افشائے اسرار توحید وشطحیات طامات کہ از ظاہر مصروف باشند وافہام عوام بداں نمی رسد و آں از موہومات مبہمات میگویند بسیار است، اما ایں قسم سخن کہ بحضرت اولیا خصوصاً بحضرت سید المرسلین در افتند و دعوی مداراۃ ومواساۃ وہمسرگی کنند از کسے در نظر نمی آید۔ وعاقلے گفتہ۔ ؎

باخدا دیوانہ باش وبا محمد ہوشیار

وظاہر ایں کلام بے ادبی وگستاخی است، حرف ایں از ظاہر نمیدانم کہ بعجب لشود امثالے خود ایں را ثابت ومتحقق بکشف ودلائل ساختہ اند، و در آخر سکر را بہانہ ساختہ

اند، آنہا کہ منتہی گردید و بے قید بہا نمودند، چہ چیزہا بر سر ایشاں گذشتہ وہنوز زبانہا بطعن وتشنیع ایشاں دراز است، وقول شریف ولیس ھذا اول قارورۃ کسرت فی الاسلام عجب واقع شدہ است در اعتراف بشناعت آں کافی است و شیشہ شکستہ چوں باز بہم نمی آید ولکن اللہ لا یلتام ما جرح اللسان وآیۃ کریمہ ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید وحدیث شریف کف ھذا یعنی اللسان دریں باب کافیست، واللہ اعلم۔

ایں کلمات بقصد استفسار واستکشاف حال ودفع تالم عارض بال تسکین فرقہ صدر نوشتہ شد، قصداً آں داشت کہ چیزے بنویسد، وبالزام نفس راضی باشد، اصل غرض نصیحت وخیر خواہی وکشف حال است الدین النصیحۃ وایں را از چند مجلس املا نمودہ وہر بار استخارہ بجناب سعادۃ از شر نفس وتبری از حول وقوۃ بمبالغہ اکید وتمام نمودہ ومی نوشت امید کہ معذور باشد وماجور گردد۔ ظن فقیر بشیخ جمیل است ایں مقدار کہ مرا بشما نسبت محبت واتحاد ست کم کسے را خواہد بود صاحب کشف المحجوب درباب حسین بن منصور حلاج[1] گفتہ است، بحمداللہ عزیز است وے بردل من اما طریقش بہیچ وجہ مقبول نیست، وما قال نزد ایں فقیر شما ہم عزیزید وہم طریقہ شما، اما سخناں کہ نسبت بحضرت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میگوئید آنہا را تاب ندارد، وآنچہ نسبت بمشائخ گفتند کرہاً وجبراً برداشتہ شدہ است اما برداشت ایں کلمات از طاقت حال ایں فقیر بیرونست، وہمیشہ دعا فقیر در خلوت وجلوت بعد از صلوۃ در سائر اوقات ایں بودہ است اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ اللھم اجب وبعد از آنکہ آوازہ شما درمیان است ایں سری گویم خداوندا ایں مرد از کمالات خود ایں چنیں خبر می دہد اگر صادق است مارا دلیل بر صدق وحقیقۃ او الہام فرما ودر

[1] حالات کے لیے ملاحظہ ہو تذکرۃ الاولیاء، کشف المحجوب اور نفحات الانس۔

نصرت نمودار کہ رفع شبہۃ والتباس کنند و اگر نہ چنیں است اورا بر سر انصاف آرد ازیں روش باز دار یکباری شنیدہ باشد کہ نسبت بفقرایں می خوانند کہ ان یک کاذبا فعلیہ کذبہ وان یک صادقا یصبکم بعض الذی یعدکم التماس آنست کہ اگر ایں طریق را مردم دست آویز و دگر ساختہ اند ترک، وہید، و اعلام نمائید دوستاں ہمہ در ربقہ اطاعت و انقیاد بلکہ دشمناں نیز براہ محبت، و اعتقاد نہ چوں ملازماں حالا خود را در اہل سکر داصل کردہ اند، ایں سخن مشہور بایزید بسطامی است کہ در وقت رفتن ازیں عالم فرمودہ اند الیصران کنت قلت یوما سبحانی، اعظم شانی فالیوم انا مجوسی اقطع زناری وقیل اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمدا عبدہ و رسولہ الحمد للہ کہ ختم کلام بر شہادتین اتفاق افتاد الحمد للہ عاقبت بخیر باد، وصلی اللہ علی سید المصطفیٰ الامین خلاصۃ الوجود و مرکز ظہور و منبع الحق و لسان محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین ہداۃ طریق الحق و منہج علوم الدین۔

فیضی کے خطوط

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے نام

فیضی کے مندرجہ ذیل خطوط لطیفۂ فیاضی[1] سے نقل کیے گئے ہیں:۔

لطیفۂ فیاضی، فیضی کے رقعات اور عرضداشتوں کا ایک نادر مجموعہ ہے جو اس کے بھانجے نورالدین محمد عبداللہ نے مرتب کیا ہے۔ ابوالفضل اور فیضی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"ایں کمترین نسبت خواہرزادگی و تلمذ بل فرزندی بحضرات مذکورہ داشت"

مجموعہ پانچ لطائف اور تین منظوقات پر مشتمل ہے (۱) لطیفۂ اول، عرائض والا درگاہ (۲) لطیفۂ دوم، مفاوضات فیاضی شرفار و علمار و غربار (۳) لطیفۂ سوم بحکمائے معاصر (۴) لطیفہ چہارم، بسلاطین وامرائے عظام (۵) لطیفۂ پنجم بہ نیاک واخوان واقارب۔ منظوقۂ اول، مناجات فائز البرکات علامیٔ فہامی منظوقہ دوم، رقعات لطائف نکات خیرالانامی، منظوقہ سوم، مکاتیب متفرقہ کر اعزہ واقارب شیخ فیضی نوشتہ اند۔

لطیفۂ فیضی کے دو قلمی نسخے پیش نظر ہیں (۱) لٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی (ف ادب ۵۹) کتابت ۱۰، ربیع الثانی ۱۱۰۷ھ (۲) ذخیرہ سر شاہ سلیمان ۶۲ کتابت ۱۲۲۰ھ۔ اول الذکر نسخہ صاف لکھا ہوا ہے۔ دوسرا خط شکست میں ہے۔ اختلافات فٹ نوٹس میں درج ہیں۔

[1] "لطیفۂ فیاضی" اس کتاب کا تاریخی نام ہے جس سے سنہ ترتیب برآمد ہوتا ہے یعنی ۱۰۳۵ھ

ادبی خصوصیات سے قطع نظر، یہ خطوط تاریخی اعتبار سے بھی بے حد اہم ہیں۔ مکتوب نمبر ۱۳ میں گجرات اور گجراتیوں کے متعلق فیضی نے جو کچھ لکھا ہے وہ غور سے مطالعہ کے قابل ہے۔ سواحل ہند پر پرتگالیوں کے اقتدار پر اپنی ناراضگی کا اظہار اس طرح کرتا ہے

بدریا کنم غرق اہل فرنگ

برم از دل اہل اسلام زنگ

اس ناراضگی کا سبب بھی اس کی زبان سے سنیے ؎

در بستہ کعبہ را وا کنم

اس زمانہ میں ان پرتگالی جہازرانوں کی وجہ سے حج کو جانا بہت خطرناک ہو گیا تھا۔

ان مکتوبات کے مطالعہ کے بعد شیخ عبدالحق محدث کی بے حد عظمت دل میں قائم ہو جاتی ہے محض اس وجہ سے نہیں کہ فیضی جیسا شخص اُن کی عزت کرتا تھا۔ بلکہ اس وجہ سے بھی کہ انہوں نے عسرت و تنگی کی جو زندگی اختیار کی تھی ایسی حالت میں کی تھی جب دولت و حشمت ہاتھ باندھے ہوئے ان کے سامنے کھڑی تھی۔ جو شخص فیضی اور ابوالفضل کا مخدوم و محترم ہو اس کے لیے دربار اکبری میں کونسا مرتبہ ایسا تھا جو نہ مل سکتا تھا اور کونسی عزت ایسی تھی جو اُسے حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ لیکن اس نے ان تمام چیزوں کو ٹھکرا دیا اور اپنی زندگی کو ایک ایسے مقصد کے لیے وقف کر دیا جس میں بڑی صعوبتیں اور دشواریاں تھیں۔

فیضی کس محبت کے ساتھ ایک خط میں لکھتا ہے:

"روزے کہ از دیدہ در آمدہ بدل می تند زند چہ گوید کہ در دل و جان چہ می گذرد"

ایک خط کو اس طرح شروع کرتا ہے تو واقعی دل کے ٹکڑے اس کے اندر رکھ دیتا ہے

در نامہ تو چو دست بر خامہ نہم
خواہم کہ دل اندر شکن نامہ نہم

(۱)

الی الشیخ الاعز الاحق مولانا الشیخ عبدالحق[1]

اے فقر کجائی کہ فریدوں کمنت
گر خاک نشینی مہ گردوں کمنت
ہر نقد کہ اندر گرہ ہمت تست
در خاک فرو ریز کہ قاروں کمنت

آرزو مندے از گوشہ گزیں استدعا کرد چشم داشت کہ آنست کہ مرا در خلوت بیاد آوری۔ گوشہ گزیں در جواب گفت: وائے آں خلوت کہ تو یاد من باشی۔ وازیں ہم بالاتر آنست کہ بزرگے دیگر فرمودہ ؎

خلوتے کش تو درمیاں باشی   کرم پیلہ کند چناں خلوت

حرف اول حسب حال ایں خستہ حال است۔ چہ نویسم کہ براں قدوہ ارباب صفوت وصفا ظاہر نباشد، باوجود آں چوں از ادب رشحے گزیر نیست بمقتضائے آں نیز عمل میکند۔ توقع آنست کہ چوں زاویہ وحدت وحجرہ خلوت بر مجلس محبان جائی گزیدہ اند آزا ہنگامہ کثرت اغیار نہ پسندند کہ محبت غیور است۔ امید کہ لذت زاویہ گوارا گردد و دل آرمیدہ ہم آغوشی نماید۔ ع

گر ما نرسیدیم تو بارے برسی

۱؎ یہ خط ۱۰۰۲ھ (مطابق ۱۵۹۳ء) میں لکھا گیا ہے۔ اسی خط میں تفسیر سواطع الالہام کے مکمل ہونے کا ذکر ہے۔ جو ۱۰۰۲ھ میں اختتام پذیر ہوئی تھی۔

ز شرط[1] ارتباط معنوی و انجذاب و اشتیاق باطنی چہ نویسد۔ اگر در ضمیر فیض پذیر ایشاں کہ مجلی قلوب احباب است، پرتو انداختہ باشد راست والا در دعوئی شوق باقرار خود کاذب کم وقتے باشد کہ چوں نشاء آزادگی در خلال احوال کہ طبع بان مجبول است بہم رسد و خدام درپیشگاہ[2] خیر خلوت نمائید و صدر نشین باطن نگردند۔ قطع نظر ازیں نسبتہائے معنوی استداد (د) اختلاط صوری را تاثیرات عظیم باشد ۔

اے ترک غمزہ زن کہ مقابل نشستۂ | در دیدہ ام خلیدۂ و در دل نشستۂ

اے برق زہرخند[3] بکشتی نشستگاں | معذور دار مت کہ بساحل نشستۂ

غرض آنست کہ از یاد ایشاں فراموشی نیست کہ بیاد آرم۔ آخر کہ تو از یاد دروی ما از احوال صوری و معنوی باں دوست صوری و معنوی می نویسد۔ مجمل آنکہ از خدائے خود ہزاراں شکر دارم ۔

نصیب خود چگویم چوں گرفتم | زخواہشہائے خود افزوں گرفتم

نہ تنہا در دلِ من ریختی دُر | کہ دستم نیز کردی از گہر پُر

چو می بینم بخود کوتاہی ظرف | بقدر ہمت خود میزنم حرف

نمی بینی دریں دشتِ جگر تاب | شود صد مور از یک قطرہ سیراب

زمین تا ذرہ باشد آں قدر فرق | کہ می ترسم ز یک شبنم شوم غرق

ازاں منبع کہ دریائے فتوح است | سراہم قطرہ طوفانِ نوح است

من آں مستم کہ بجز و شم بیک جام | نہ زاں دریا کشانِ آتش آشام

گذشتہ آں ہمہ مردانِ آزرم | کہ طوفاں خشک کردند از دمِ گرم

کشیدہ صد ہزاراں چشمہ و جوئے | ولیکن ہمچناں لب العطش گوئے

---

[1] نسخۂ ثانی میں "شرح"   [2] ن "در پیش گاہ ضمیر جلوہ نمایند"

[3] ن "خندہ"   [4] ن "از"

دریں درگہ نہان و آشکارا | برایناں باد ہر خواہش گوارا
زفیض ابر احسانش چہ گویم | کہ گنجانید دریا در سبویم
چو شد فیض ازل در چارہ سازی | تن خود را نے کردم فسازی
نیم آخر ازاں آلودہ صوفاں | جگر بے آب لب بر موج طوفاں
معاذ اللہ ازاں[1] مشتے تہی دست | بگفتار بلند و ہمت پست
رفیق کاروان و کعبہ جویاں | بتانِ حرص را لبیک گویاں

افاضت پناہا! احیاناً شعرے ہم گفتہ می شود اما مدار توجہ خاطر برآنست کہ ایں مسودہ تفسیر[2] کہ کردہ شدہ[3] اکثرے بآں اشتغال دارد۔ در عاشر ربیع الثانی ایں سال تمام شد۔ خدام ملا حیدر معمائی[4] کہ در معما کارنا ما حملے وارند و مسلم عراق و خراسانند، تمام سورۂ اخلاص[5] را تاریخ اتمام یافتند۔ وہمانا کہ از الہامات تواند بود[6]۔ بندہ خود خاتمہ نوشتہ کہ نود و نہ فقرہ است، و ہر فقرہ تاریخ اتمام شدہ۔ وقتے کہ تفسیر می نوشت حیران بود کہ از کجا می آید و چہ (را) می آید۔ بزودی بخدمت میفرستد، کہ انوار نظر دوستاں را تاثیرے دیگر است، امید کہ

---

[1] ن "ازیں"

[2] تفسیر بے نقط یا سواطع الالہام۔ اس تفسیر میں فیضی نے کوئی ایسا حرف استعمال نہیں کیا جس پر نقطے ہوں۔ یاد رہے کہ عربی کے پندرہ حروف ایسے ہیں جن پر نقطے ہیں۔ یہ تفسیر فیضی کی قدرت زبان اور ندرت فکر کا شاہکار ہے۔ بعض جگہ مطلب معموں میں بیان کیا گیا ہے جس نے کتاب کی افادیت کو کم کر دیا ہے اور ذہن پر بے جا زور پڑتا ہے۔ مثلاً اپنے باپ مبارک کا نام لکھنا چاہتا ہے تو کہتا ہے:-

اساس العلم (علم کی اساس، یعنی م) | اصل الروع (روع بمعنی قلب یعنی قلب کی جڑ، ب)
مطلع الالہام (الہام کا مطلع یعنی ا) | راس الروس (روس کا سر یعنی ر)
امام الکرام (کرام کا امام یعنی ک)

سے ان کا نام برآمد ہوتا ہے۔ تفسیر سواطع الالہام مطبع نول کشور سے شائع ہو چکی ہے۔ قلمی نسخے ہندوستان اور ممالک غیر کے کتب خانوں میں ملتے ہیں۔

[3] ن "بامراد نظر ثانی مزین کردہ"۔

[4] ملا حیدر کاشان سے ہندوستان آئے تھے۔ شعر و سخن کا اچھا مذاق پایا تھا۔ تاریخ گوئی میں کمال حاصل تھا۔ تفسیر سواطع الالہام پر یہ تاریخ کہنے پر دس ہزار روپیہ انعام پایا تھا۔ ملاحظہ ہو آئین اکبری سرسید ایڈیشن

[5] سورۂ اخلاص سے ۱۰۰۲ھ برآمد ہوتا ہے (مطابق ۱۵۹۳ء)

[6] ن "موافق است بہ شاکلۂ (بندہ خدم)"

خطبہ تحیات اخروی گردد[۱]

(۲)

ایضاً الیہ

توئے بکبوتر بام حرم چہ میدانی

طپیدن دل مرغان رشتہ بر پا را

اشتیاق ملاقات گرامی و توجہ جمعیت باطن آں روحانی مواطن نہایتے ندارد[۲]۔ و دل بعض ایشاں شاہد حال بس کہ محبت روز افزوں است و ہموارہ چشم در راہ نامہ و پیغام می باشد۔ آں خود چوں گوید کہ در راہ مقدم شریف دارد کہ خود را تابع رضائے ایشاں داشتہ، از خود خواہی خود را گذرانیدہ است، علی الخصوص نسبت بایشاں، و ایں بار بر خود پسندیدہ، ۶ دل اگر بار کشد بار بجائے یائے۔

خوش باش کہ ما خوئے بہجراں کردیم

برخود دشوار بر تو آساں کردیم

چہ نویسد کہ بر دل چہ میرود و در دل چہ می آید۔ محبت پناہا! تفسیرے بے نقطہ کہ می نوشت شش ماہ معطل ماند۔ چوں خالی از غرابتے نبود، دریں ایام بجد شدہ[۳] تمام کرد۔ در عاشر ربیع الثانی[۴] تمام شد۔ و بعد از تمامی آں خاتمہ[۵] نوشتہ آمد کہ نود و نہ فقرہ است و ہر فقرہ تاریخ اتمام اوست۔ در نیولا از امر نظر ثانی می کنند۔ اما بصد حسرت کسے کہ دریں امر دخلے کند، یک جہت یکبارگی دو جہات می یابد۔ و آں امر باد ہیچ نماندہ کہ جزوے ازاں خدام دیدہ اند یا نہ۔ ہر چند مکرر نوشتہ شدہ اما چوں بہ بیاض نبردہ اند

۱؎ ن "امید کہ خطبہ تحیات اُخروی گردد" ۲؎ ن "یقین دانید" ۳؎ ن "بجد شاہ"

۴؎ ن "ربیع الآخر" ۵؎ ن "خاتمۂ آں" ۶؎ ن "سال"

بخدمت فرستاد، دریں باب ہر چہ فرمایند مختار اند، نواب میرزا[1] ایشاں را بسیار یاد می کنند و اظہار تعجب می نمایند، والحق تعجب ایشاں بجائے خود است، و آنکہ فقیر دریں باب ہیچ نمی گوید، حالی تعجب[2] است، ایں ہمہ کہ نوشتہ شد حسب حالست وحسن طلب باللہ واسد۔ اگرچہ بیگانگان ابرام در طلب خیال[3] کنند اما آشنا میداند کہ مقصود چیست وسخن درکجاست[4] ؎

بازگشتم از سخن زیرا کہ نیست   در سخن معنی و در معنی سخن[5]

بدوام حضور و سرور باشند[6]

(۳)

ایضاً الیہ

خدام کمالات آگاہی محفوف و محفوظ باشند محبت و شوق چوں معرفت ارباب استعداد روز افزونست، آنجا کہ صفوف وصفا است چہ احتیاج نوشتن، اما چوں در عوائق بشریت کہ جمیع افراد انسانی محاطہ آں دائرہ اند ملاحظہ میکند دریں امور خود رائے اختیار یافتہ می خواہد کہ ہر کہ بآں طرف گام نہد حامل نامہ و پیغام باشد، وابہائے از لوائح شوق کردہ شود، مدتے است کہ از آنجانب نسیمے نور زیدہ سوانح بخیر باد[7]، در پناہ حق باشند، عاقبت باد۔

(۴)

ایضاً الیہ

امید کہ محفوف دوام عافیت باشند۔ محبت و شوق نہنجاں باطن را در

---

[1] غالباً نواب مرتضیٰ خاں شیخ فرید کی طرف اشارہ ہے۔ شیخ فرید کا ذکر شیخ محدث کے معاصرین کے سلسلے میں ہو چکا ہے۔
[2] ن "چہ جائے تعجب است"
[3] ن "خیالے"
[4] نسخہ ثانی میں "وسخن درکجاست" نہیں ہے۔
[5] ن "در سخن معنی و معنی در سخن"
[6] ن "والسلام والاکرام"
[7] ن "والسلام"

کش کش دارد، کہ رقم پذیر تواند شد از آنجملہ بمقتضائے الغریق یتعلق بکل حشیش ہمیشہ میخواہد کہ بجامۂ نامہ جاں را آویختہ دارد، و چہ نویسد بغیر از حرف شوق و محبت سخن ہمانست کہ بندہ را تابع ارادت سعادت انتظام خود دانستہ ایں معنی را از حسن طلب بشمارند۔ محبت پناہا! دریں ماہ رمضان آوازہ مقدم گرامی بسیار بود، چنانچہ خدام سلالۃ الاصفیا رشیخ موسیٰ بفقیر فرمودند و بجد بودند، یا رب چہ صورت دارد فی الواقع وقوعے پیدا خواہد کرد یا محض حرف وصوتے است با علام حقیقت حال۔ راحت رساں۔ الیاس احدی الراحتین گردند۔ بزود یا قدام میمنت لزوم مستبشر گردند۔

(۵)

ایضاً الیہ

آنا کہ بباغ سرو وگل پروردند	رو در قلم و محبرۂ ؑ رام آوردند
شاخ سمن از دم صبا چاک زدند	در غنچۂ گل سنبل تر حل کردند
در راہ نظر بکام است مرا	در گرم روان عشق نامست مرا
پا از مژہ کردہ ام دریں رہ از شوق	ہر چشم زدن ہزار گامست مرا

خدام کمالات آگاہی سلمہ اللہ را نیازمند است، دریں وقت کہ قاصدے بآنحدود متوجہ بود باظہار دعا و سلام یاد خود داد، شوق در طغیانست و سخن ہماں، حاشا کہ خواہش خود را درمیاں انداختہ بخود خواہی خود را بدنام سازد، امید کہ از احوال گرامی نویسند، محبت پناہا! آوازۂ آمدن ایشاں در افواہ دوستاں بسیار افتادہ بمی دانند کہ از کجا برخاستہ، یا رب وقوع دارد یا محض در جوفہ است۔ توقع کہ آنچہ دراں

لہ تفصیلی حال شیخ عبدالحق کے مرشدین کے سلسلہ میں حصہ اول میں درج ہو چکا ہے۔
لہ ن "بجد فرمودند" ۔ سہ ن "مجرد" ۔ سہ نسخۂ ثانی میں اس کے بعد وہ اشعار درج ہیں جو مکتوب (۵) کے شروع میں لکھے ہیں ۔ شہ ن "ام"
لہ نسخۂ ثانی میں نہیں ہے

از عینک شیشہ ہیچ نکشاید ہیچ — لخت جگر از دل و بریدہ بچہ[1]

اسکندر مسند فقر میاں بہلول[2] را نیاز مندی میرساند۔

(۷)

ایضاً الیہ

مفاد حضرت گرامی بعد از انتظار جانبخش دیدۂ نگران[3] شد۔ امید کہ ایں جداول

محبت و مناہل صفوت را ہموارہ جاری دارند، اگرچہ خواہش خود را تابع خواہش

ایشاں کردہ بمفارقت[4] صوری ساختہ ایم، و بوجود اطمینان بہم رسیدہ، اما آنکہ قطع

مراسلہ و مکاتبہ توانیم کرد و دریں معنی تبعیت ایشاں توانیم نمود، ریاضتے[5] صعب

می طلبد، آنکہ بعد از دیر گاہے[6] یاد می آرند، ظاہراً مقصود تعلیم ایں ریاضت است[7]

لیکن کسے کہ نکو محضراں چنیں نکند

امید داریم کہ ہموارہ ظاہر بوطن مالوف با فرزنداں و دلبنداں آرامیدہ باشند و در

باطن آں وطن گاہ، با صحرائے[8] غریب دریافتہ از خود انقطاع نمایند، چہ جائے فرزند

دلبند، چوں مقصد طلبند اقتدا اینہا ہم سنگ[9] راہ اند، دیگر چہ نویسم، چہ نویسم[10] کتاب

نل دمن[11] کہ تمام شدہ بود، بخدمت فرستادہ، اکنوں در گفتن[12] مرکز ادوار است ۔

---

[1] ن "لخت جگر از دل و بریدہ بچہ" [2] بدایونی نے ان کے متعلق لکھا ہے "در علم حدیث و خوب و در

صحبت اہل فقر و فنا رسیدہ، ۔۔۔ ریاست کہ لذت آں وادی یافتہ و توفیق استقامت و استدامت بآں

قریں گشتہ با اہل دنیا کارے ندارد و بافادہ و افاضہ طلاب مشغول است" منتخب التواریخ - ج ۳ ص ۱۱۲

[3] ن "برسید" [4] دوسرے نسخے میں نہیں ہے [5] ن "بمعرفت صوری" [6] ن "نخے"

[7] ن "بعد از دیر بیادی آرند" [8] ن "ہمرا ہی" [9] ن "ہم چوں دیگراں"

[10] ایک بار اور "چہ نویسم" [11] نل دمن کے نام سے فیضی نے جس مثنوی کا ترجمہ کیا ہے اس کا اصل

نام سنسکرت میں "نشدہ چرت" ہے جس کو ملک الشعراء شری ہرش نے نظم کیا تھا۔ نل دمن عشق و محبت

کا ایک دلگداز قصہ ہے۔ ۱۰۰۳ھ میں فیضی نے اسے مکمل کیا۔ اس میں چار ہزار دو سو اشعار ہیں۔ ملا بدایونی اس مثنوی

کے متعلق لکھتے ہیں: "والحق مثنوی ست کہ دریں سی صد سال مثل آں بعد از امیر خسرو شاید در ہند کسے دیگر نگفتہ باشد۔"

(ج ۳ ص ۲۹۹)

[12] مرکز ادوار از شیخ ابوالفضل بعد وفاتش در ۱۰۱۴ھ از مسودہ بہ تبیض در آمد "حاشیہ بر آئین اکبری" از سر سید احمد خاں ص ۱۸۹

آنکہ چنیں جنبش پرکار کرد　　نام ترا مرکز ادوار کرد[1]

نقش ازل ہیں کہ بسیط بسیط　　مرکز من دائرہ را شد محیط

جامے وصد میکدہ در جوش او　　موجے وصد بحر در آغوش او

ازل دمن اوائل بر چند کہ خالی نیست، از انتقال و ارتحال آں دولت مند نوشتہ بودند[1]

ازانجا کہ بشریت غالب است حالتے غریب بر[2] بندہ[3] فقیر گذشت، معلوم شدہ[4] باشد کہ

شوق شما مارا بآں جہاں برد، واز تقاعد ایشاں کہ از مروت نبود[5] میگفت و اظہار حیرت

می کرد، و فقیر عذر میگفتم، حیف و ہزار حیف عاقبت بخیر باد۔

(۸)

ایضاً الیہ

فریاد کہ دوریم ز مطلوب دل خویش

چندانکہ دراز است زبان طلب ما

ہرگز نسیمے بانجانب نمی وزد کہ تراشہ از جگر باو ہمراہی کند، ایں بیت حسب حال در

غزلے کہ بدرگاہ[6] معلے فرستادہ بود[7] اندراج داشت، بآں ملک الاحباب نیز می نویسد[8]

بر بند تازہ دو گلدستہ از دل و جگرم　　بار مغلے بستان بزمگاہ ببر

چہ نویسد عمریست کہ بسواد قلم جلا بخش دیدہ[9] دل نشدہ اند[10]، چنیں بر دوستاں نہ پسندند

و بعافیت بودہ باشند[11]

(نوٹ صفحہ ماقبل) [1] "مرکز ادوار را شیخ ابوالفضل بعد وفاتش در ۱۰۲۰ء از مسودہ ہا بہ تبعیض در آوردہ" حاشیہ بر آئین اکبری (سر سید احمد خاں)، ص ۱۸۹

(صفحہ ہذا) [1] ن "ازیں" [2] ن "بر" [3] نسخہ ثانی میں "بندہ" نہیں ہے۔

[4] ن "شما" [5] ن "بود" [6] ن "بارگاہ" [7] ن "بودم"

[8] ن "دیدہ و دل" [9] ن "آمد" [10] ن "بعافیت بودہ باشند" نسخہ ثانی

میں نہیں ہے۔

(۹)

ایضاً الیہ

خط محبت نمط مسرت پیرائے[۱] خاطر مستہام شد، و روایح آشنائی بمشام وداد آمد چہ بخدمت اخوت پناہ اتقیا کہ بفضائل کسبی و کمالات وہبی متجلی اند، نسبت ارتباط صوری و معنوی در درجہ علیا واقع است۔ و ازیں خط سرکمال جوہر ذاتی و صفاتی فطری ظہور یافت، و از ورقات اشعار احتفاظ روئے نمود، مناسبت تمام می یابد

مسافران طریقت زمن جدا نشوند[۲] کہ دور ز بیم و چشم بمنزل افتاد است

چو ریگ بادیہ گم باد آنکہ قافلہ را نشان منزل مقصود دور دور دہد

بر عارفان بستان معنی ہمداستان بودن لازم است، گرد ایں راہ خال رخسارہ[۳] طالبان ایں منزل باد، استفسار از احوال برادر گرامی نمودہ بودند، بصحبت و حضور و عشرت و سرور از بزم نشیناں نواب مستطات سپہ سالارے امیر الامرائے خانخاناں اند عجب کہ جاذبۂ محبت ایشان نمی کشد، البتہ خود را برسانند، و کامیاب نعم ظاہری و باطنی شوند، زیادہ چہ تصدیع دہد[۴]۔

(۱۰)

ایضاً الیہ

اے آنکہ ہیچو بخت بما مہرباں نہ

برعکس آرزو چہ روئے آسمان نہ

از ارتباط خاص الخاص آن معدن دانش و بینش بلکہ از انجذاب خاطر مشتاق ایں ذرہ دور نمود کہ ایام جدائی ایں ہمہ بامتداد کشد، ہیچ ہفتہ نمی گذرد کہ آنرا مورد قدوم گرامی نداند، ہمیشہ در دل می گذرد کہ اینک رسیدند، دیگر کجا و بلکہ خط

[۱] ن "پیمائے" [۲] ن "نشوند" [۳] ن "ونہیں کہ" [۴] ن "رخسارہا" [۵] ن "والدعا"

نوشتہ شود تا نگاه کرده است یک ماه گذشتہ و نمی دانست[1] کہ ایشاں را طول امل خیال واہی[2] بآں جانب کشد، زیادہ بریں چہ درشتی نماید، باطن از دیر رسیدن ایشاں آں قدر آزار دارد کہ شرح نتواں کرد، اکنوں کہ وقت تحریر ایں شوق نامہ است بخاطری رسد کہ مگر رمضان سنگ راہ شده باشد، بعد ازاں قدوم در راه نهاده باشند خصوصاً ہوا نیز از تندی سورت[3] حرارت و یبوست تنزل نموده برطوبت و اعتدال گرائیده باشد، و ایں ہمہ انتظار پامال بے نیازی ایشاں شده باشد، از برائے خدا زیاده بریں مارا در کشاکش شوق و انتظار ندارند، و غبار بے مروتی ایں ہمہ بر دامن کبریائی خود نہ پسندند، بخدا سوگند کہ از بس[4] انتظار کشیده محبت و خلوص و رابطہ روحانی ایشاں در نظر است، در خاطر می گذرد کہ دریں ہفتہ اینجا برسند، باز رمضان را مانع می یابد، اما جسم می دارد کہ بغیر از رمضان مانعے نباشد، از برائے خدا زود تشریف آورند، عذر تقصیرات بوجہ احسن و اکمل خواہد خواست، و تاخیر بواسطہ ہمیں معنی شد کہ آمدن ایشاں ہم موجب نوشتہ ایشاں متیقن بود و الاقرب و بعد و فراق و وصال دریں باب[5] مساوی بود[6]، دیگر آنکہ تفسیر در[7] عاشر ربیع الآخر تمام شد، و در ہماں ماه خاتمہ ہم بے نقط نوشتہ شد، مشتمل بر نود و نہ فقره کہ ہر فقره تاریخ اتمام گشت[8]، دیگر میر حید رمعمائی از کاشان آمده اند تمام سورۂ اخلاص را تاریخ تمامی یافتہ اند، ایں معنی[9] از غرائب اتفاقات است، دیگر تواریخ بسیار یافتہ اند و الحق امرے غریب است و آنچہ دیده بودند مضاعف شده، و امر[10] ثانی واقع می شود و ہمیں تاریخ شود، ان شاء اللہ تعالیٰ - و تاریخ افتتاح در خطبہ نوشتہ شده در اسرار السماء عزیزے لا رطب و لا یابس الا فی کتاب مبین را نیز موافق ایں یافتہ، و ایں ہم از غرائب

---

[1] ن "وہم خبر نمی دانست" [2] ن "از شدت حرارت" [3] ن "کہ" [4] ن "وادی"
[5] ن "است" [6] ن "سواطع الالہام" [7] ن "اتمام کتاب است"
[8] ن "امر غریب است و از غرائب اتفاقات است" [9] امر از نظر ثانی واقع می شود

است، دیگر قاعده قدیم است که چوں تالیفے نادر تمام می شود افاضل وقت[1] توقیعات می نویسند۔ برائے تفسیر فقیر سید محمد شامی[2] در احمد نگر[3] بزرگے بود نوشته فرستاده بود، شاید دیده باشند، دریں ایام قصیده ملا ظهوری گفته[4] بودند، خود دیده باشند، و همچنیں ملک قمی[5] هم[6] خوانده باشند، ایں جا هم چیزهائے خوب گفته ام[7]، دیگر مقدمه تفسیر مقدار یک هزار بیت هم نوشته شد مشتمل بر احوال خود و پدر و برادراں و علوم قرآنی و دیگر مطالب از مدح سلطان وغیره و قصیده نیز مندرج شده که مطلعش در پٹن بحضور شما گفته بود، امید که با مرار ثانی تمام شود خدام افاضت پناهے میر شاه محمد را نیاز مند است۔ خدمت قاضی زاده را سلام، حافظ و همراهان خود[8] را دعا رسانند، از احوال اعزه دکن نویسند، اول بایں بایستے نوشت چه بلا شده[9]، پا جی که دو[10] فلس گرفته تا اینجا بیاید پیدا نمی شود، محبت شما تقاضائے آں می کرد که در هر ماهے ایں دو[11] فلس برائے خاطر فقیر خرچ

---

[1] ن "عصر" [2] "عرب قمی است و نسبت برادر زادگی به شیخ زین الدین جبل عاملے دارد که مجتهد و مرشد شیعه بود و خونخوار روم او را بانواع لطائف و حیل بسیار در مکه معظمه بدست آورده باستنبول طلبیده بسیاست رسانید، شیخ محمد در سلک ارباب مناصب داخل است و بصفت شجاعت و شهامت موصوف و بکرم و کرامت که لازمه عربیت موسوم و بحسن ادب و تواضع معروف مهارتش در علوم عربیه و ادبیه بمثابه که ثانی کسائی تواں گفت" منتخب التواریخ۔ ج ۳ ص ۱۳۳۔
[3] ن "احمد آباد" [4] ن "ایشاں" [5] "در دکن می بود، بصفت آزادی و تنگ کشی و درد مندی و کم ترددی بدر خانه ملوک متصف است و اخلاق حمیده او و ملک قمی که بملک الکلام مشهور است شیخ فیضی بسیار تعریف می کرد، و ایں هر دو می خواستند که همراه شیخ بپائے تخت لاهور بیایند اما برهان الملک مانع آمد و دریں ایام شنیده می شود که دکنیاں بے سر و پا بر شیوه نا مرضیه قدیم خود که غریب کشی باشد ایں هر دو بیچاره مرحوم را نیز هنگام هرج و مرج بقتل رسانیده اند، مولانا ظهوری صاحب طرز و صاحب دیوان است" منتخب التواریخ۔ ج ۳ ص ۲۶۹۔۲۷۰۔
[6] "او را ملک الکلام میگویند، وضع درویشانه دارد" منتخب التواریخ۔ ج ۳ ص ۳۳۲
[7] ن "گفته اند" [8] ن "دیگر" [9] ن "تا چه پیش آمد که" [10] ن "ده فلس" [11] ن "ده فلس"

می کردند، نکردند و چندیں مردم بیگانہ متوجہ ایں صدود ہستند ہرگز یاد نکردند نمی دانم کہ
چوں از عہدہ جواب خواہند برآمد، اگر دراں ایام تقصیرے رفتہ بود و انتقام آں می کنند
خود بسیار عجب است، من خود جواب خود گفتم کہ باشند ہمیشہ بموجب خطوط ایشاں
منتظر بودم و می دانستم کہ امروز و فردا می رسند، ندانستم کہ ایں ہمہ بامتداد کشد، ملاحظہ
اینست کہ مبادا فقیر را مقصر داشند و بے مروت خیال کنند۔ حاشا کہ گردے ازیں راہ
برجبیں داشتہ باشم، خدا نکند عمدہ باعث بیاں چہ تقصیر شما است بے سروری[1]، و
بے دلی، و بے دماغی از مر مصیبت عظمی بود کہ گذشت و ازانجا کہ طبیعت بشریت
است[2] باز بقوت غفلت فی الجملہ بحال خود آمدہ

(۱۱)

ایضاً الیہ

سلام علی المولی الاولیٰ[3] ادام اللہ بقاؤہ و یسر لقاؤہ معبود مطلق قسم کہ ہرگز
ایں شوق و قلق کہ ایں مخلص[4] را نسبت بایشاں است۔ بدیگرے نبودہ و نیست ؎

زمنزلے نگذشتم بمحفلے نرسیدم
کہ در دلم نگذشتے بخاطرم نرسیدے

والحق ایں ہمہ مہر و مہربانی و دوام ہمنشینی و ہمزبانی کہ در ایام کربت و غربت از ایشاں و
بایشاں متحقق بود، چرا ایں کس را چنیں کشاکش شوق بے قرار نسازد، سخت سنگدلی
باید کہ ایں شیشۂ محبت را برطاق نسیاں نہد و با طالع واژگوں خود چہ نالد و بصاحب
دلاں کہ جاذبہ ہمت دارند چہ گوید، ہمیں ایشاں چگونہ سفید رو تواند شد، کہ انجذاب باطن
برعکس نتیجہ دہد۔ بموجب وعدہائے موکدہ کہ در ضمن رقائم وداد مندرج بود ہیچ روزے

---

[1] ن "بے سروری"
[2] نسخۂ ثانی میں "بشریت" کے بعد "است" نہیں ہے۔
[3] "علی معالی الاولیٰ"
[4] "کہ مخلص مشتاق را"
[5] ن "بودہ"

بے انتظار قدوم گرامی گذشتہ۔ چہ صدق مقال را درجہ؟ چہ ظہور است۔ ناگاہ خبر رسید کہ
آں طرف نقل و حرکت اتفاق افتاد۔ حیرت بر حیرت افزود و ہیچ ندانست کہ ایں معنی را
حمل بر چہ خبر کند۔ دریں مرتبہ کہ دادن ہمراہش آمدند ظاہر شد کہ در نوروز البتہ بورود سعادت
سرور خواہند ساخت۔ خاطر از ماعنی[1] باز آوردہ بہ تسلی تمام گل گل بشگفانیدہ و وقت
را غنیمت شمردہ منتظر نوروز را در انتظار[2] بشرف آفتاب رسانیدہ و از طلوع آں نیر سعادت
ہیچ پرتوے ظاہر نشد و ازیں[3] جا نا امیدی کہ کفر طریقت است مدام[4] منتظر می بود تا آنکہ
اوسط اسد رسید، و دریں مدت پنج شش ماہ بود باوجود کثرت مترددین[5] خبرے واقعی
نیافت۔ با دل بے قرار و خاطر ناشکیبا ایں دو کلمہ در عین باراں رقم زدۂ کلک اخلاص
ساخت۔ اگر کسے عذری خواستہ باشد ہمیشہ عذری تواند کرد۔ اگر زمستان است می
خواہد کہ در خانہائے گرم[6] با دلبنداں و فرزنداں بسر رود[7]، و اگر تابستان، و ہوائے گرم را
چگونہ تواند برآمد، کہ خانہائے سرد می خواہد، و اگر موسم برشگال است در باراں چگونہ
تواند رفت کہ دریں فصل جوگیاں ہم بنگیہ گاہ خود می سازند و اگر دل بہانہ طلب نیست
و باطن را علاقہ شوقی و رابطہ توجہی بجانبے می کشد ہمہ وقت وقت است، زمستان
خود موسم سفر است، و در تابستان خود اوائل روز وقت حار است چند راہ می تواں
رفت، و از شبہا چہ گوید[10]۔ و اگر ایام باراں است خود بہار ہندوستان است و ایام خوشدلی
دوستاں وقتیکہ باراں نمی باریدہ باشد و ابر باشد بہتر ازاں ہوائے نیست، نہایتش
در منزلہا و رباطہا مقام می تواں کرد[11] و با شگفتہ پیشانی آمد[12] و گل و لائے[13] ولایت مالوہ معلوم
است کہ از کجا تا کجاست۔ الحاصل دریں ہوا برہم ہندی علاج کار میتواں کرد، و اگر پرتلے

---

[1] ن "ماعنی" [2] ن "منتظر بودہ" [3] ن "ازاں جا" [4] "ہمیشہ"
[5] ن "امتداد" [6] ن "گرما" [7] ن "بسر برد" [8] نسخہ ثانی میں "است" نہیں ہے
[9] ن "برشگال و باراں" [10] نسخہ ثانی میں "گوید" نہیں ہے [11] ن "می کرد"
[12] ن "می تواں آمد" [13] نسخہ ثانی میں "ولائے" نہیں ہے۔

ہم باشد، چناں بتواں بہیبد کہ سود آسیب نگردد، امید کہ دریں وقت در راہ باشند و اگر
حرکات آسمانی ہنوز مخالف ارادہ ایں کس باشد و نا رسیدن ایں صحیفہ قدم[1] در راہ نہادہ
باشند، ظاہر است کہ دریں وقت قطع یاراں خواہد شد یا تقلیل خواہد کشید، بے شائبہ
تکلف اہمال از ہمہ چیز گذشتہ سخن در راہ گویند، حیرانم کہ شرح شوق بچہ زبان گویم و
چوں تحریر کنم، ہرگاہ اختلاج کنف می شود، از ہمہ گذشتہ خاطر بجانب ایشاں می کشد
بازمی چیند کہ اثر دیگر ظاہر شدہ، خصوصاً دریں چند روز کہ ہمیشہ مژدہ دوستی از دوستاں
می رساند، امید کہ دریں مرتبہ آں دوست شما باشید، البتہ البتہ و صد ہزار البتہ البتہ
کہ مخلص را زیادہ بریں در کشاکش شوق ندارند و ایں بیماری بر من نپسندند، و از غیرت
الٰہی نیز اندیشہ نمایند، و ایں لواعج شوق کہ بصد[2] امراض مزمنہ برابری می کند، از ہم خود بر
من روا ندارید۔ چوں[3] نیک می اندیشم و بر دوستی[4] شما محکم و در شما ایں استعداد و فطرت
است کہ کسے در اشتیاق شما ایں ہمہ محنت کشد، و خود را می بینم باآمدن شما می ارزم،
بہر تقدیر زیادہ بریں انتظار[5] نہ دہند و بر حالے و منوالے کہ باشند قدم رنجہ فرمایند و بر
تقصیرات من بگذرند، کہ بعد از قدوم گرامی تدارک و تلافی خواہد شد، و تقصیر خود را نیز
مہیای جواب باشد، چوں انصاف حکم باشد لہٰذا گلستانست بزواید اقدام زرفت[6]۔

(۱۲)

ایضاً الیہ

سلام اللہ علی المخدوم والاجل الافخم الاکرم الاحسن الامین الغنی عن الالقاب و
المستغنی من[7] الاحباب مدظلہ العالی افاضت دستگاہا اگرچہ شیوۂ ارباب سلوک قطع نمودن
است از ماسوی اللہ من الاحباب والاعداء فی السراء والضراء، اما فقیر حقیر و مسنر

[1] ن ثانی "قدم قدم" [2] ن "در" [3] ن "و" [4] ن "در" [5] ن "زیادہ بریں کشاکش و پسندند" [6] ن "والسلام" [7] ن "عن"

التقصیر ایشان را از فرقِ اصحاب کمال میدانند که کُل را در جزو می بیند، و هر ذره را مظهر
آفتاب و هر قطره را محیط بحر نایاب می داند، عجب که دریں مدتهائے مدید و[1]
شدید خبرے از ذره خاکسار و پریشان روزگار نگرفتند، و بر وفق[2] عادت قدیم و عنایت
قدیم عبورے و مروتے بایں نواحی نفرمودند، دل نگرانی نهایت دارد، آراستگی فتحپور
دهلی دارد، هذا قریب من عهد ربی، مفاوضهٔ قدسیه که مصحوب مکتوب سیادت پناهی
بود امیدوار ساخت که شاید قبل از وصول ایں نمیقه تشریف آورند شنیده باشند که
بندگان حضرت بتاریخ بستم شهر شوال بفتحپور نزول اجلال فرمودند، و تمکن فهم می شود،
چوں قاصد مستعجل بود ایں عریضه در درخانه[3] نوشته شد، چوں تشریف آورند در ذکر احوال
مشائخ هند آنچه داشته باشند[4] از ملفوظات وغیرها همراه آرند. البته البته بدست عزیزے
کتابے در احوال مشائخ هند بود موسوم بتذکرة الاصفیا اگر دراں شهر بهم رسد بهم رسانند که
بسیار مطلوب است۔

(۱۴۳)

ایضاً الیه

تسلی دل من در فراق ممکن نیست
اگرچه نامه و قاصد هزار می آید

بعد از شرح اشتیاق و آرزومندی مشهود ضمیر فیض پذیر آنکه بتاریخ دوم صفر ختم
الله بالخیر والظفر قطع مراحل و طے منازل بآخر رسید[5] و بگوشهٔ مالوف آمد از محنتهائے[6]
راه ایں سفر جانکاه چه نویسد۔ الحمد لله که بخیر انجامید و شکر تعاقب آلاء و تواتر نعما که
عبارت از رسیدن مفاوضات گرامی ایشانست پے در پے باکوزهائے نبات که یاد

---

[1] نسخۂ ثانی میں یہی صحیح ہے۔ [2] ن "بموفق" [3] ن "درخانه" [4] نسخۂ ثانی میں نہیں ہے۔ [5] ن "آخر شد" [6] سختی ہائے

ازانبته الله نباتاً حسناً، مبادا از شرح بیروں است، اگر از معاوضات کریم تعویذ بیابان مراحل فراق بود، اگر از نبات شربت آفتاب خوردہ ہائے تپہ اشتیاق تقصیر در ارسال عرائض شوق سر ازعمراں بود کہ مکرراً قلمی فرمودہ[1] اند حاشا چوں باشد بلکہ چوں بخاطر شریف ایشاں رسد کسیکہ مخصوص باں شہر میرفتہ باشد بہم نمی رسید، بسراں آں حیات سلطان کساں راپیش خویش خود می فرستادند بکرات گفتہ اند کہ او در کالپی نیست بیروں رفتہ واہمیشہ خاطر نگراں می بود، مستخبر کسے اگر می رفتہ باشد از شرح آرزومندی[2] نویسد اگرچہ آں در تحریر نمی گنجد زیادہ بریں ہرچہ نویسد داخل اہل رسم خواہد بود، دیگر آنکہ تبانگی خبر حاکم سابق کالپی رسید کہ آنجا آمدہ اند و خدام سیادت مآب اتحاد آثاری میر صدرالدین نیز آمدہ اند۔ بسیار بسیار خاطر مسرور شد ؎

مرحباً اہلاً وسہلاً مرحباً

بحضرت نواب ایشاں از فقیر دعائے مشتاقانہ خواہند رسانید، البتہ البتہ و بعضے احتمال را راہ می دادند کہ ملازمان را ہم وقت عبور بایں نواحی رسیدہ تحمل کردیں قافلہ تشریف آرند، امید کہ ہر جا باشند از حاشیہ ضمیر منیر محو نفرمایند و توجہ صمیمی و لطف قدیمی مخصوص دارند، والباقی عند الملاقات ظل عافیت و عاطفت ممدود باد والسلام۔ دریں لشکر چند حرف جزو بے نقط بزبان عربی مستنبط از نص و حدیث و کلام علماء کردہ شد، رباعی مفتتح نوشتہ شد ؎

الحمد الملهم الكلام الصاعد وهو المحمود اولاً والحامد
ما وحده موحد الا هو والله واله الكل الواحد

وغیر ازیں رباعی یک قصیدہ دیگر کہ در خطبہ مذکور شد[3] شرع بیت، نامش موارد الکلم سلک درر الحکم شدہ کہ تاریخش ہم می شود، واگر آنجا اشعار بے نقط پیدا شود فرستند البتہ البتہ

[1] ن "فرمودند" [2] ن "اشتیاق" [3] ن "ہم"

یک بار در سلک شعر و شعرا خواہد بود در تعریف ایں رسالہ ہم قطع بخاطر رسید یا ناظر اتی
ھذہ والصفات خذ لب اللہ قائق من دراسن مجموعتہ مما تستقطنا ....
ولقد تقرونا .... فیہما ترجمت المعانی .... لو لم تجد فیہما ....

ملک ز اوج فلک می کند مبارکباد ۔۔۔ بشاہ اکبر و سلطان سلیم و شاہ مراد
کہ اخترے ز سپہر جلال طالع شد ۔۔۔ بغرۂ مہ نہم ز نہصد و ہشتاد
مہے ببرج سعادت ز رخ نقاب کشود ۔۔۔ دُرے ز لجۂ اُمید برکنار افتاد
ز آسمان کرم کوکبے چنیں، تنمود ۔۔۔ ببوستان ارم غنچہ چنیں بکشاد
چہ شاہزادۂ والا کہ گوشوارہ عرش ۔۔۔ بہفت کرسی خورشید نشاں شاد نہادٗ
زہے سعادت دارین کہ ایں چنیں خلقے ۔۔۔ کہ تازہ ساختہ ارواح اقدسش اجدادٗ
خرد بزائچۂ فکر چوں تامل کرد ۔۔۔ نوشت مدت عمرے ز ہزار زیاد
ہنوز بندہ ز آزاد فرق ناکردہ ۔۔۔ برائے خدمت رو کردہ بندہ و آزاد
چو بادشاہ جہانست شاہ درویشاں ۔۔۔ ہمیشہ ہمت درویش می کند امداد
مدام تا بتقاضائے وقت کارگرانند ۔۔۔ بکارگاہ جہاں جان عنصر اضداد
بتخت و بخت شہ و شاہزادہ باشد ۔۔۔ بحق ذات محمد و آل الامجاد

ایں طرفہ رباعی کہ بدل رو دادہ ۔۔۔ در خانۂ فیضی بظہور افتادہ
از ہر بیتش کہ شاہ بیت آمدہ است ۔۔۔ معلوم شود ولادت شہزادہ

از مولد شاہزادہ عالمیاں ۔۔۔ دل می یابد پیامے از عالم جاں
اجمیر بود چو مولد شاہزادہ ۔۔۔ امید کہ جاوداں بماند بجہاں

لہ ن "د" ۔ ٢ے نسخۂ ثانی میں یہ اشعار کچھ فرق سے دیے گئے ہیں سے "کرد"

بعد از ولائے دعا و سلام مشتاقانہ مشہود ضمیر انور و خاطر فیض گستر آنکہ جریان احوال در مجاری امن و امان است و ازیں ہیچ رہ گذر[1] تفرقہ واقع نیست الا دوری ضروری[2] کہ ایں ہم نماند و اشتیاق از حد تجاوز است ؎

چوں جمال تو ام از پیش نظر غائب نیست
شرمم آید کہ شکایت کنم از تنہائی

وزاں وقت باز کہ ملازماں بجانب وطن شریف عناں عزیمت مصروف داشتہ اند اصلاً وقطعاً عنایت[3] نامہ نرسید حقا کہ ہمیشہ چشم انتظار در راہ بودہ و میدارد[4] در اجمیر از جناب سید یعقوب شنیدم کہ مصحوب میرزادہ دیوان سعید ہروی فرستادہ اند، ہماں لحظہ بمنزل خواجہ حیدر علی[5] رفتہ استفسار کردہ شد، آخر چناں ظاہر شد کہ ایشاں بفتحپور آمدہ از ہمانجا رخصت پرگنہ یافتند، و دریں ولا باز طلبیدہ اند و حالا حضرت والی مدظلہ العالی در شہر ناگور حرسہا اللہ عن الحوادث الدور تشریف دارند و در فتن گجرات توجہ عظیم است، و مردم را در نواحی میرٹھ گذاشتہ اند کہ مردم سرحد را از ہماں راہ میفرستادہ باشند کہ نواب خان کلاں و امرائے نامدار کہ مقدمۃ الجیش اند ملحق شوند بخاطر فیض فقیر می رسد کہ دیوان را باز بملازماں رسانیدہ باشد ؎

ایں قصہ گرچہ نیست یقیں ایں گماں خوش است

دیگر احوال بخیر و عافیت بدعا و فاتحہ امداد فرمایند، سلامت باشند مخفی نماند کہ در غرۂ جمادی الاول کہ ماہ پنجم ایں سنہ حسنہ است شاہزادہ عالمیاں طال عمرہ ولادت فرمودند در خطہ پاک اجمیر و اعزہ بسیار تواریخ[6] گفتند فقیر را یک غزل و یک رباعی رو دادہ بود کہ ہر بیت رباعی تاریخ ولادت میشود، نوشتہ فرستادہ امید کہ بنظر شریف در آرند[7] بالخیر باد ؎

---

[1] ن "مر" [2] ن "صبوری" [3] ن میں "عنایت" نہیں [4] ن "دمے"
[5] ن میں "علی" نہیں [6] "تاریخ" [7] تحریر فی التاریخ چہاردہم شہر جمادی الاول سنہ نہصد و ہشتاد من شہر ناگور حرسہا اللہ عن حوادث الدور۔

منم کشتهٔ گجراتیان بیدادم — خراب عشوهٔ خوبان احمدآبادم

سهی قدی ز سر ناز جلوه نمود — که همچو سایه بدنبال آن[1] بیفتادم

بهر طرف که خرامید سرو آزادی — غلام او شدم و خط بندگی دادم

چو رشک گلشن فردوس احمدآباد است — از و مباد برونم کنند چون آدم

برون رفتن از آن جا تصوریست محال — چرا برون نروم من هم آدمی زادم

بحسن مردم گجرات یاد نیست ولے — نمیروند جوانان دهلی از یادم

حدیث عشق تو فیضی که نقل مستان است — به بزم جرعه کش دهلوی فرستادم

این غزلے است که بیاد غزالان گجرات گفته شده بود، منظور و ملحوظ با دو مثنوی در شرح احوال این سفر ختم بالخیر والظفر گفته میشود، و چون بر بیاض برده شود فرستاده خواهد شد چندبیتے منتخب ازاں محل که حکام گجرات برائے دیدن حضرت خلافت پناہی خلیفه الٰہی خلد الله ملکه و خلافته[2] رسیده اند نوشته می شود ــ

همان دم اهالی و حکام شهر — که در شهر بودند مشهور دهر

همه کرده آویزهٔ دست خویش — کلید در گنج شاهان پیش

رسیدند از سر قدم ساخته — ز شادی سر از پاے نشناخته

سر خود نهادند بر پاے شاه — که مائیم سر تا قدم در گناه

ز عمرے که نگذشته در بندگی — بصد گونه داریم شرمندگی

رسیدیم در خدمتت بنده وار — بجز بندگی بندگان را چه کار

همه نیک و بد بندگان توایم — اگر نیک اگر بد ازان توایم

گذشتیم ازاں ناخوشی و خوشی — اگر می گذاری و گر می کشی

تو شاه جهان و جهان دان تست — بد و نیک در زیر فرمان تست

---

[1] ن "او"   [2] ه

شہنشاہ از آنجا کہ الطاف اوست | زبان قاصر از شرح اوصاف اوست
چو بر صدق ایشاں نظر باز کرد | بعین عنایت سرافراز کرد
بسے از دل نکتہ داں نکتہ راند | ز دریائے حکمت گہرہا فشاند
کہ قائم مقام سلیماں منم | جہاں از من است و جہانباں منم
مرا بہر شاہی فرستادہ اند | کلید جہاں را بمن دادہ اند
دلیل[۱] برا اثباتِ حق ساطع است | دم تیغ من حجت قاطع است
من آں آفتاب فلک پایہ ام | کہ ذات خداوند را سایہ ام
کسے را کہ بینم در اندوہ و غم | کہ می سوزد از آفتاب ستم
برو سایہ معدلت گسترم | دراں سایہ اش تا ابد پرورم
دگر مست باد ہوا خوردہ | زباد تکبر دل افسردہ
بتابم برو گرم چوں آفتاب | کہ بنشیند آں آتش از ہفت آب
چو فرمان من راست[۲] عنوان حق | من ایں جا رسیدم بفرمان حق
کہ گجرات[۳] از ظلم خالی کنم | برو شحنۂ عدل والی کنم
براندازم آئین بیداد و زور | ز روم تا بسرحد دریائے شور
بدریا کنم غرق اہل فرنگ | برم از دل اہل اسلام زنگ
در بستہ[۴] کعبہ را وا کنم | سکندر صفت سیر دریا کنم
گر[۵] آئینہ روشن ز اسکندر است | مرا تیغ ز آئینہ روشن تر است
چو حکام و اشراف و اعیان ملک | کہ بودند ہر یک نگہبان ملک
شنیدند[۶] آں نکتہ ہائے بلند | کہ سر زد ز جان[۷] و دل ہوشمند

۱؎ ن "دلیلے" ۲؎ ن "فرمان ارا است" ۳؎ ن "در" ۴؎ ن "درہ"
۵؎ ن "کہ" ۶؎ ن "ما"
۷؎ نسخۂ ثانی میں یہ شعر نہیں ہے۔

کشیدند در گوش خود ہچو دُر | سران گوش شان چوں صدف گشت پُر
ز بے بخت ورائے شہ بحر و بر | سکندر نظیر و ارسطو نظر
درحکمۃ از شاہ حکمت گذار | سزد بہر گوش خرد گوشوار

زیادہ بریں گنجائش ندارد، والباقی[1] عند الاتمام والسلام والاکرام دیگر واضح باشد کہ مولانائے غزالی نیم شب بست و ہفتم رجب در احمد آباد وفات یافت، در سیر گنج مدفون شد۔ فقیر برائے او تاریخ یافتہ ؎

چوں غزالی مشہدی بجہاں | بود از شاعران عام فریب
سال تاریخ فوت او زاں روز | میشود شاعر عوام فریب

؎ ھذا کتاب قلت فی بشارتہ | یا لیت قلبی کان فی اشارتہ
درنامہ تو چو دست برخامہ نہم | خواہم کہ دل اندر شکن نامہ نہم

کتاب مستطاب کہ مخبر از سلامتی ذات قدسی بود رسید ؎

روحش لقب نہاد کہ یا ایمن الحسن | عقلش خطاب کرد کہ یا احسن الکلام

سوادش کحل الجواہر عین الباطن والظاہر شد و بیاضش از ازہار زواہر حدیقۂ خاطر فاطر گردید ؎

تا از سواد خط تو ام نور یافت چشم
روشن شد ایں حدیث کہ النور فی السوی[2]

چوں خامہ بقصد جواب نامہ برداشتم کہ حرفے چند از سوانح روزگار رنگارم وسخنے چند از بے مہری سپہر کج رفتار در قلم آرم قلم ہر بار خشک می شد و عبارت قاصر بود، واظہار گنجائش نداشت ؎

عندی جمل من اشتیاق وصول | لا یمکن شرح[3] کتب و رسول

---

[1] ن میں "والباقی" نہیں [2] ن "السواد" [3] ن "کتابت"

لاجرم ایں عریضہ را بغزلے کہ مجدد گفتہ ام اختیار می نمایم [1]

علی الصباح کہ باد بہار می آید
مرا ز آمدنش بوے یار می آید

بجان تو کہ نیامد ز ہجر بر جانم
ہر آنچہ بر دلم از انتظار می آید [2]

تسلی دل من در فراق ممکن نیست
اگر ز نامہ و قاصد ہزار می آید

مگر کہ از اثر گریہ ام بود فیضی
چنیں کہ گفتۂ من آبدار می آید

چوں بیت ثالث کہ بموجب الثالث بالخیر حسب حال بود، تمام غزل الطفیل آں نوشتہ شد، معذور خواہند داشت۔ نحل [3] عافیتکم و عاطفتکم بحرمت النبی و آل [4] الامجاد۔ دیگر آنکہ کتاب مقاصد الشعراء را البتہ البتہ چوں تشریف آرند ہمراہ آرند کہ اختتام تذکرہ موقوف باں ماندہ و از کتب دیگر ہم آنچہ توانند استنباط فرمود [5] فرمائند کہ فقیر می خواہد در خطبۂ آں [6] ذکر شریف کنم و یادگار بماند ؎

رنداں نفسے زدند و رفتند
ما ہم نفسے زدیم و رفتیم

از احوال درگاہ عالم پناہ، استفسار فرمودہ بودند ؎

یار ہماں خوق ہماں دل ہماں
عشق ہماں قصۂ مشکل ہماں

القصہ تمام ممالک خالصہ شدہ و قاعدہ داغ نہادہ اند ؎

در ہر کہ بنگری ہمیں داغ مبتلاست

نامۂ [7] رنگیں خانے کہ چوں شاہد خانہ بستہ بر عنائی بود در ساحت دیدۂ انتظار کشیدہ جلوہ گری نمود و دل ربائی کرد، تعالی اللہ عجب ...... بود کہ در طلسم خانۂ خیال اہل سیمیا [8] ایں چنیں مشکلے برانگیختن متصور نیست ؎

خیز تا بر کلک آں نقاش جاں افشاں کنم
کایں چنیں نقشہ عجب در گردش پرکار داشت

---

[1] نسخہ ثانی میں نہیں ہے [2] نسخہ ثانی میں نہیں ہے [3] "مدظلہا" [4] "واصحابہ"
[5] "عنایت فرمائند" [6] ن ثانی میں نہیں ہے۔
[7] بامن بجنگ کہ مدول ؛ [8] کلے بجنگ کہ مشغول۔ [9] "را"

التماس ازاں انفاس معنی نگار آنست که بهر صورت که باشد آں شاهد رعنا را تازه بتازه
بلباسهائے دل فریب وآشنا ساخته[۱] بنظر عاشقاں بیقرار در خلوة آرند، دیگر از سیر کشتی و تلاطم
و تزاحم امواج چه نویسد ؎ که آں بحریست بے پایاں

آں شد که بار منت ملاح بردمی

؎ گوهر چو دست داد بدریا چه حاجت است

دریں ورطه کشتی فرو شد هزار

مجملا آنکه ؎

که پیدا نشد تخته بر کنار

دروقت مراجعت از یاراں و گل چه گوید ؎ مرا پا بگل مانده و دست بر سر[۲] المنة لله که فتح
و نصرت همه جا بود ـ القصه اشتیاق می فزاید و متضاعف است والباقی عند الباقی[۳]
جناب معرفت نصاب مولانا شیخ حسن نقشی تشریف حضور پر نور داشتند دعوات می رسانند
و بفقیر فرمودند که یک کوزه بر دعائے ما بنویسند بسیار شیریں فرمودند[۴] ؎

شیریں تر ازیں قصه کسے یاد ندارد

خدمت فضائل مآبی[۵] مولانا علی احمد که هم خانه و همنشیں و همره و همدم اوست، دعائے مشتاقانه
عرض می کند ؎

جا کرده خیالت بدلم اے دلبر
زانساں که بجز خیال تو نیست دگر

هر جا که رواں شوم تو باشی همره
هر سو که نظر کنم تو آئی بنظر

جاں جہاں اشتیاق رسانیده بکدام زباں شکرهائے[۶] رنگیں که از عمر ترک عادت مالوف بطریق
مانوس که عبارات از قدوم رهگذر فیض منظوم ایشانیست در دل گره شده بر آرد هر چند بیان
مودب بادب سلف نصر الله منهم باشند، و ملاقات بایں هرزه[۷] کار ضائع روزگار محض تضیع

۱ ن "مجملے" ۲ ن "بر سر آمده" ۳ ن "عند الملاقاتے" ۴ ن "گفتند"
۵ ن "مآب" ۶ ن "شکوه" ۷ ن ثانی میں نہیں ہے۔

وقت دانند، اما بمقتضائے ہماں رابطہ باطنی کہ بصلحا دارد وواسطہ سابقہ مودت جانبین شود
علی الدوام چشم انتظار در راہ می دارد ومواعید قدوم کہ در مکاتیب محبت لزوم اندراج می
یابد، بسر رشتۂ رجا را از دست نمی دہد، بعد از چندیں انتظار گاہ نامہ وپیغام فرستند، حقا
وثم حقا کہ موجب ناامیدی از دوستان جانی بلکہ از جان وزندگانی دست می دہد قطع
نظر از شوق احباب بلدہ طیبہ فتحپور رونقے پیدا کردہ کہ از دور بدیدن آں میتوان آمد توقع
از ہر نوع کہ دانند قدم رنجہ فرمایند کہ چشم در راہ ہست وشغل وعذر نگذارند وطریقہ قدیمہ
را مسلوک دارند ومحبت واعتقاد بندہ را سید انند کہ تا چہ مقدار است، چہ احتیاج کہ
بتازگی بر زبان قلم آرد، چنداں اشتیاق دارد کہ اگر موانع خاقانی ... نبود بکالپی میرسید،
دیگر آنکہ یکبار عنایت نامہ متضمن بر طلب طبقات ناصری رسیدہ بود، دراں وقت فقیر
را باجمیر فرستادہ بودند، وامروز مکتوبے تازہ بہمیں معنی رسید. افادت پناہا واللہ باللہ
معلوم فقیر نبود کہ ایں کتاب خدام پیش فقیر باشد، بواسطہ آنکہ از پریشانیہائے خاطر و
اشتغال از خاطر رفتہ بود، یک پارہ بفقیر ہم است او بیاد دارد کہ بار سال ایں کتاب را
اخوی افضل شیخ ابوالفضل کہ ایں جا آمدہ بودند، در دست گرفتہ بردند. فقیر را نمے بیاد آمد فی
الحال برادر میاں ابوالخیر را فرستادہ کہ در کتابہائے ایشاں تفحص وتصفح نمودہ ایں کتاب را بیابند
کتابہائے اخوی متفرق شدہ، بعضے در آگرہ وبعضے در حویلی ایشاں وبعضے در یاتنخانہ اند، بسر عت
تمام ایشاں دیدہ اند ونیافتہ اند. فقیر را ازیں معنی طرفہ اضطرابے دست دادہ. اگرچہ یقین است
کتاب فوت نمی شود اما چوں در وقت احتیاج دست نہ دہد حکم فوت دارد. حالا مکتوب کہ
حامل مکتوب است در رفتن کمال سرعت دارد ویک روز ہم نمی ایستد، در ساعت او
را وداع کردہ شد، انشاء اللہ تعالیٰ فقیر خود مقید شدہ پیدا ساختہ متعاقب می فرستد وموجب
کم ماحق وملک خود دانستہ فرستادن آں بسیار صعب نمودہ بملازمان ازاں دست بشویند

توانند سازند افادت دستگاہا فقیر نمایند

کہ ایں مقدار تصرف جائز است ؎

بدہ فیضا شرح و بسط کلام
سخن ختم کن بر دعا والسلام

(۱۴)

ایضاً الیہ

سلام اللہ علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ اولاً و ابداً۔ بعد از نیاز و اخلاص حمد طراز مشہود ضمیر منیر فیض پذیر آنکہ می خواست کہ افتتاح کلام بشعرے نماید، چنانچہ سنت ایں طائفہ پریشاں روزگار است موافق مدعا بیتے بخاطر رسید کہ پیش ازیں گفتہ بود، وطرد اللمعات تمام غزل می نویسد، فنوہذا[۱] ؎

من برائے میروم کانجا قدم نامحرم است	از مقامے حرف می گویم کہ دم نامحرم است
خوش دلم گر دیدۂ من شد سفید از انتظار	کز پے دیدار جاناں دیدہ ہم نامحرم است[۲]
اے اسیرِ عشق طعن بے غمی بر من مزن	خلوتے دارم بیاد او کہ غم نامحرم است
ما اگر مکتوب ننوشتیم عیب ما مکن	درمیان رازِ مشتاقاں قلم نامحرم است
منزل تردامناں نبود حریم کوئے عشق	ہر کہ نبود پاک دامن در حرم نامحرم است[۳]
فیضی از بزم نشاط ما حریفاں غافلند	ہر کجا ما جام می گیریم جَم نامحرم است

دو عنایت نامہ گرامی در یک روز رسیدند[۴] و بر دو دیدہ نہادہ آمد چوں مبنی از مقدم شریف و اعتدال عفر لطیف بودند موجب سرور مشتاقاں شدند، تا ہنگام دولت ملاقات ہمیں سوال از کیفیت عافیت مال نویساں باشند، اگرچہ گفتہ ام ؎

---

[۱] "مدح" [۲] نسخۂ ثانی میں "فنوہذا" نہیں
[۳] نسخۂ ثانی میں اس کے بعد یہ شعر ہے ؎
باخیال او جمعید باد خوباں در دلم
ہر کجا خلوت کند سلطاں حشم نامحرم است
[۴] نسخۂ ثانی میں یہ شعر پہلے اور اس سے پہلا بعد کو درج ہے۔ [۵] نسخۂ ثانی میں "رسید" ہے۔

تسکین دل من در فراق ممکن نیست

اگرز نامه و قاصد هزار می آید [1]

بشرف استیلام اناملِ کواملِ افادت پناه افاضت دستگاه مصداق الاسماء تنزل من السماء حسن الاسم والمسمی شرفه [2] باحسن الحسنی مشرف باد۔

(۱۵)

ایضاً الیه

فیضی که زدرد حال خود درهم دید

وز داغ درون سلسله را برهم دید

هم درد درون سینه اش درمان یافت [3]

هم داغ دل فگار او مرهم دید

بعد از عرض شوق و عزام متضمن بطول محن ایام معروضے دارد که مدتے مدید و عهد بعید گذشته [4] که راه رسل و رسائل را بسد سدید بسته و مسدود کرده اند و بیماران فراق را و بعبارت قلم خوش خرام مشرف نمی سازند، هرچند گلا است اما جائے گلہ نیست ؎

از محنت ایام حکایت نتوان کرد

صد رنج توان دید شکایت نتوان کرد

بسمع شریف رسیده باشد که چند روز تفرقهٔ صوری واسطهٔ جمعیت معنوی بخدام مخدومی ابوی را و یافته بود و نائرهٔ صدجوار اشرار اشتعال یافته [5] و بعض افترائے اخوان زمان درحرکت آمده اما الحمد لله علی تواتر الآئه و تقاطر نعمائه که برشحات سحاب الطاف الٰہی و قطرات مطرات اعطاف نامتناہی نیران فساد منطفی شده ؎

هزار شکر خدا صد هزار شکر خدا

---

[1] نسخهٔ ثانی میں اس شعر کے بعد لکھا ہے: ختم الدعاء والدعاء

[2] ن "الله"   [3] ن "شده"   [4] ن "گرفته"

وبا تمہ ختم الکلام والسلام والاکرام التماس آنکہ گاہے از روندہ نام گمنامی پرسند و بدست آیندہ پیغامے فرستند ؎

مکتوب من ارچہ کہ نیرزد بجوابے

بنویس و بشہاں گیر کہ سہوا لقلمات ایں

چوں[1] لفظ قلم بر زبان جاری شد اتفاقاً چند بیت در بیان قلم بزبان قلم میرود ؎

خواست تا اسرار معنی را کند انشا قلم

شد سیہ روئے و نگردد از شرم سربالا قلم

گہ[2] ز روم آید بشام و گہ ز شام آید بروم

روز و شب چوں تاجراں دارد سرِ سودا قلم[3]

(۱۶)

ایضاً الیہ

یار آوارگی ہمی خواہد

رفتن حج بہانہ افتاد است

؎

کعبہ را ویراں مکن اے عشق کانجا یک نفس

گہ گہے پس ماندگان راہ منزل می کنند

؎

کعبہ را ویراں مکن اے عشق کہ شمع رہ ماست

ہر کہ سنگے ز سرِ راہ گذاری برداشت

عزیز من! بسیار خوب کردی کہ پیش خدام کمالات انتظام رفتی، ایں جا و آں جا کیست دریں میاں نام آں خانہ تاریک دلاں کہ بنائے حجابست، چرا بردی، بہر بہانہ کہ رفتی خوب رفتی۔ زنہار قدم از نشاط آباد گجرات بیشتر نہ گذاری[4] ؎

---

[1] نسخۂ اول میں "چوں" نہیں ہے۔

[2] ۔۔ "و" نہیں ہے۔

[3] نسخۂ ثانی میں یہ مصرعہ اس طرح ہے: مصرعہ "گہ بروم آید بشام گہ برشام آید بروم"

[4] نسخۂ ثانی میں ایک شعر اور ہے ؎ تا زکے ازیں سیہ روئے دو زباں سخن کنم ۔ فیضی غم دل تمام کردم تمام

[5] ن "ونہ گذری"

سرگشتہ راہ کعبہ بیہودہ مشو
بنشیں کہ کم از سنگ سیاہ نیست دلت

بواسطہ و بیواسطہ شما با آزیدہ جدائی نیست۔ بدانند کہ آنجا جائے دیگر است و ایں جا مقام دیگر۔ ما دیگریم۔ یا ایشاں دیگر۔ حق خواستہ باشند حق خدمت و نمک صحبت را فراموش بکنند و حفظ الغیب را از حفظ کلام کمتر ندانند و احوال نہ نویسند، العاقبت بالخیر باد۔

(۱۷)

ایضاً الیہ

نگارندے نامے مقنع وضمیر لنے برقعے کہ طیلسان خضر آبر سر عقدلآلی شب تاب در سر داشت یعنی نگاشتہ نگارین کہ بر سریط غمخواری محتوی و در خریطہ زنگاری منطوی بود از بس چابکی و موزونی و دل ربائی دست بیدی غریب نمودہ، و دلداری نیز چابکدستی نمایاں بکار بردہ، امید کہ سلسال عذب را بجدال عروق قلبی و فجاری روحی و روانی آوردہ، ساری دارند کہ روح و رواں تشنہ ایں زلال حیات خواہد بود، و نہال محبت و ولا بایں آب و ہوا نشو و نما و برگ و نوا خواہد یافت۔

صبح دمید فاتحہ کوں چوں تف شراب
ساقی بدست کن پر طاؤس آفتاب

وایں مطلع کہ

عید آمد و من خواہم کز درکہ خاقانی
صد ماہ نوانگیزم از سجدہ پیشانی

دیروز ہم در جواب آں مفاوضہ دو کلمہ نوشتہ از روئے شوق دیگر ہم نوشتہ بدوام عافیت باشند

لہ ن "شما تا با سد نیست" ۔ ؎ نسخہ ثانی میں اس کے بعد "و احوال والدعا" لکھ کر خط کو ختم کر دیا گیا ہے ۔ ؎ ن "او" ۔ ؎ ن "بجدا ول" ۔ ؎ ن "عروق" نہیں ہے ۔ ؎ ن "دروں شیرانی زلال حیات" ۔ ؎ ن "روحی" ۔ ؎ ن "و" نہیں ہے ۔ ؎ ن "ہمیں" ۔ ؎ ن "والسلام"

(۳۰)

ساقی و جام و گوشهٔ دیر[1] است ایں جا | بِللّٰه الحمد که احوال بخیر است ایں جا
نکتۂ عشق بپرسید که بهوشم باقی است | سخن از یار[2] مگوئید که غیر است ایں جا

در حوالی بتکده بتن و مشکده[3] فقن نشسته عنان دیده را بخلیج گنگ پیوسته است[5] اما چه کند که ایں نه آبی است که غبار غم ہجراں از روئے دل یا مغز جان بشوید، و آنکه گردی بر می دارد، و دردے می چیند، عبارات آبدار و اشارات تابدار آں افاضت پناه بصیرت انتباه است که آں را نتیجۂ انتظار می داند، روزیکه از دیده در آمده بدل نمی گذرند، چه گوید که در دل و جان چه می گذرد، و اگرچه منصب عبودیت آنست که اگر او[6] ہجراں خواسته باشد صد مرتبه بر وصل شرف دهند۔ اما کو آں زهره و جگر و کرا آں رضا و تسلیم[11] دریں جا تسلیم از عدم مروت میدانند[7]، حیرانست که مبادا کفرے سرزده باشد، اما کفر محبت را اسلام[12] می دانند، بلکه کفر و اسلام هر دو گناه[8] است۔

کفر کافر را و دین دیندار را | ذرهٔ دردت دل عطار را

ایں[10] اشتیاق نامه را مرا آنگاه دارند، و نشنوید که شسته نخواهد شد، مامول از اخلاق رضیه آنکه هر چه جوهری داشته باشد بگیرند، صد آفرین که بنده را خوب شناخته اند و دیده نادیده را[11] مشتاق منظر ربانی و مطلع نورانی خود دانند، در دل خود چه جائے گنجیدن عزیزان خالی گذاشته[12] اند اگر اعزه برنجند ایشان متعهد جواب اند، من خود کار ساختگی نمیدانم پارهٔ سوختگیم پوست کنده از مغز جان خود نفس می بر آرم و میدانم که محبت ایشان از طریق مدارا و صلح کل نیست از ربط

---

[1] ن "ساقی و جام مے و نوشخوار است ایں جا" [2] ن "ناز" ہے [3] ن "پرفتن"
[4] ن "بجالائے" ہے۔(؟) [5] ن "است" نہیں ہے [6] ن "اگر آں"
[7] ن "می دانند" [8] ن "کامل" [9] ن "اند" [10] ن میں "ایں" نہیں ہے۔
[11] ن "رضا بر سند چه قید رضا" [12] ن "گذاشته" [13] ن "برنجیدن"
[14] ن "خواهند بود" [15] ن میں نہیں ہے۔

روحانی و خواہش مہمی است، آنکہ فقیر بجد مت ایشاں گفتہ۔ درراہ ما و ایں گاپرکس کہ ہست۔
صادق می آید حسب حال ایشانست کہ از زبان ایشاں گفتہ شدہ بہرحال گفتہائے من بپذیرید
و بر گفت من نگیرید۔ والسلام والاکرام

بچند دماغ بدود چراغ تیرہ ساخت و بچند چشم خود بصحبت ابنائے زماں۔۔۔۔ از صحبت
ناس غیر از یاس ہیچ روئے ننمود، و از دریافت مردم در د خیر نیافت، باوجود ایں ہمہ دل درد مند
ہماں در جست و جوست، و زبان خواہش ہمچناں در گفتگو کہ مدیا دلی رسد کہ دل از و آب
خورد و التہاب دوے انطفی یابد۔

اکبر کے انتقال پر شیخ محدثؒ کا خط
نواب سید فرید مرتضیٰ خاں کے نام

(مندرجہ ذیل خط جس کا عنوان ہے: "تنبیہ الغافلین بغدار الدنیا و اربابہا و اغترار الجاہلین بزخارفہا و اسبابہا" شیخ محدثؒ نے اکبر کے انتقال پر نواب سید فرید مرتضیٰ خاں کو لکھا تھا اور ہدایت کی تھی کہ جہانگیر کے سامنے بھی اس کو پیش کر دیا جائے۔ مراۃ الحقائق میں لکھا ہے:

"ایں رسالہ در واقعۂ رحلت جلال الدین اکبر بادشاہ برکن السلطنت نواب سید فرید مرتضیٰ خاں برائے اطلاع و آگہی نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ فرستادہ شد"

یاد رہے کہ حضرت شیخ "ستر و کتمان" کے قائل تھے اور پردے پردے میں بات کرتے تھے۔ اس خط میں انہوں نے اکبر کی ایک ایک گمراہی کی نشان دہی کی ہے اور اس کے جانشین کو آگاہ کیا ہے کہ کہیں وہ ان گمراہیوں کا اعادہ نہ کر بیٹھے۔ یہ خط بہت غور سے مطالعہ کے قابل ہے۔ اس میں شیر کی حکایت، پیغمبری کی نوعیت پر گفتگو "انقیاد شریعت و اعتقاد مسلمانی" کا مطالبہ — شیخ کے احساسات اور تاثرات کا پتہ دے رہا ہے۔)

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

سبحان الملک الحی الذی لا یموت ولا یفوت غبار محنت و کدورتے کہ از ہیجان ایں واقعہ عظیمہ و داہیہ شدیدہ بر صفحات خواطر خلائق نشستہ و حیرتے و وحشتے کہ از یکایک واقع شدن ایں حادثہ روئے دادہ از حیطہ تحریر و تقریر بیرون است، چہ تواں کرد سنت الٰہی بریں جاری ست، تا بود چنیں بود، چہ شاہ چہ گدا ہمیں راہ است۔ شعر:

ہرکہ آمد بجہاں اہلِ فنا خواہد بود
وآنکہ پاینده وباقیست خدا خواہد بود

حق جل وعلیٰ بدولت وشوکت ایں بادشاہ گردوں شکوہ قوی دولت جواں بخت ایداﷲ جلالہ وخلد فی مراضیہ ملکہ واقبالہ تمامہ برایا را ازخاص وعام خصوصًا زمرہ اہل اسلام راکنف امن وامان وسایہ عدل واحسان ازجمیع آفات ومکروہات محفوظ ومصئون دارا د اللھم اصلح الامام والامۃ والراعی والرعیۃ والف قلوبھم فی الخیرات، ایں دعا از عظما مشائخ قدس اﷲ اسرارہم مرویست ومداومت براں ثمر سعادت دنیا وآخرت وباعث امن وامان ظاہر وباطن ست، دیگر ایں دعا اللھم اصلح امۃ محمد اللھم ارحم امۃ محمد اللھم اغفر لامۃ محمد گفتہ اند کہ ہرکہ براں دوام نماید در مرتبہ وپایہ ابدال نشیند، واﷲ الموفق اکنوں ازفنائے دنیا وبے ثباتی آں چگوید وچہ نویسد قال بعض الحکماء الدنیا اشبہ شیٔ بظل الغمام ونوم الاحلام میگوید، دنیا مانند سایہ ابر است کہ رواں میگذرد، یا مثل خواب شیطانی ست کہ مرد بالغ می بیند، در تشبیہ اول فنا وبے ثباتی دنیا را وانمود ودر ثانی حقارت وقلت متاع آنرا بیان کردہ گفت یا خوابیست یا بادیست یا افسانہ مثل مرگ حادثہ درمیان کہ ہیچ شک وشبہ رسید نیست وآدمی زاد ازاں غافل نشستہ ودیدہ عبرت وحیرت فرو گرفتہ وبربستر غفلت افتادہ پروا ندارد کہ چہ کارے سخت ومہمے صعب درپیش دارد، ومیگویند کہ یقین مشکوک کدام ست یعنی چیزیکہ آدمی بیقین داند وباوجود یقین دراں شک دارد گویا نمی داند، آں چہ چیز است گفتہ اند کہ آں مرگ است، بیقین میداند کہ رسیدنی ست اما چناں زندگی میکنند وبرنہج میروند کہ گویا نمیدانند تبارک اﷲ ایں چہ قدرتست وایں چہ پردہ کہ برروئے آدمی زاد فروہشتہ اند وایں غفلت وفریب ست کہ وے میخورد وہماں مثل شیر ومرد گریزندہ ازپیش اوست.

حکایت می آرند کہ شیرے در بیابانے بدنبال مردے افتادہ بود، وے ازپیش شیر گریختہ میرفت، چوں مجال گریز تنگ آمد اضطرار خود را درخرابہ چاہ زد ودرمیانہ راہ

ناخواه بشاخے گیاه که دراں چاه بود دست زد و معلق ماند، در پایاں چاه میکند اژدهائے می
بیند، دہاں باز کرده نشسته که اگر بیفتد هم در نفس فرو برد، شیر که در دنبال بود آمده بر روئے چاه
ایستاده، که اگر برآید هم در ساعت کارش تمام کند، ساعتے لطیف متعلق بآں خیش دمے زده
وقفے راست کرده بود که موشے چند رسیده و رشتہائے گیاه را که مثال رشته عمر آدمی ست و
بداں متداں است بدیں گفتند، بیچاره حیراں ماند که چه کند، اگر پایاں افتد اژدها نشسته
واگر بالا رود شیر ایستاده، تن به بلا در داده و منتظر هلاک نشست، ناگاه نظرش برلانه نحلے افتاد که
در کنج دیوار چاه شهدے قے کرده، مرد آں همه را فراموش کرد، هم از شیر و هم از اژدها و موش
چشم بربست، وانگشتے بآں شهد زده بآں مزاحمت مگساں و نیش زنبوراں شهد لیسیدن گرفت
دو سه انگشت شهد لیسیده بود که رشته عمر سست شد و در چاه محنت و اندوه بکام اژدهائے مرگ
فرو رفت، اکنوں ما شهد لیساں آں جائیم که شیر قضا در قفائے ماست و امروز فرداست
که در چاه بلا که دنیا است بکام اژدهائے مرگ فرو رفته‌ایم کاش که مدت حیات معین بودے و
امتداد ایں مسافت معلوم گشتے که چند ست تا موافق آں راه روشے بخود قرار دادندے و قطع
ایں مسافت بتانے و تدریج کردندے و یک قسم فراغتے و قرارے یافتندے، وقتے چند
براحت زدندے، هیچ معلوم نه که مدت عمر چند ست ولحد ازیں مسافت چه قدر در هر گام و در
هر نفس خطر ست واحتمال آنکه همیں نفس آخر باشد، روز و هفته و ماه را خود که داند واگر فرضا معلوم
بودے و دراز بودے هم چه بودے، چوں رفتنی است و گذشتنی، چه معلوم و چه نا معلوم و چه
دراز و چه کوتاه ؎

چوں قامت ما برائے غرق است — کوتاه و دراز را چه فرق است
اگر صد سال مانی ور یکے روز — بباید رفت زیں کاخ دل افروز
دریں صندل سرائے آبنوسی — گہے ماتم بود گاہے عروسی
چو بر شادی و غم جائے رو بند — بجائے سر بجائے پائے کوبند

دنیا اگر دائم بودے واسباب دنیا دائم وعیش وفراغ خاطر وآسائش وقت متصل
آنجا، اگر یکے بر محبت مولیٰ وشوق آں عالم ازاں صبر کردے وبر زخارف آں التفات نمودے
کارے بود اکنوں که فانی ست وسراسر وحشت وکدورت ومحنت ومشقت وصد بلا برپائے
هم افتاده ترک آں چه مقدار کار ست که بداں بنازند وبر فوت آں حسرت خورند، اگر یکے چندے
ازاں دست بدارد وکامے چند فراتر نهد تمام خود ممکن نیست صرفه روزگار خود کرده باشد و
نفعے بر جان وقت خود نهاده، اما خاصیت ایں خراب چنیں افتاده، هر جرعه که ازاں بخورند وهر
قطره که ازاں بنوشند حرص زیادتی کند وتشنه تر سازد تا مستی آرد وبے خبر گرداند، آنجا نصیحت
را گوش او راه نباشد واندیشه عاقبت را در سر او جائے، مستی وغرور دنیا وحکمرانی بجائے کشد
که دعوے خدائی وپیغمبری کنند، دیگر چه تواں گفت، فرعون آں سر حد زمین مصر که ملک او بود
وده روزه را بیش نبود دعوے خدائی کرد، دیگراں را چه گوید آں از خدا بیخبر نمیدانست که خدا
آفریدگار آسمان وزمین باشد، تو خود کلوخے یا گیاهے در عالم پیدا نکرده دیگر ایں دعوی چیست
دیوانه هم نبود تا اینها از سر دیوانگی گفته باشد، اگر دیوانه بودے موسیٰ پیغمبر را علیه السلام
بدعوت وے چرا میفرستادند، دعوت انبیا صلوات الله وسلامه علیهم عقلا را بود مجانین را
ایں نبود مگر غرور ومستی دنیا وملک وسلطنت که او را بدیں هذیانات میداشت در سرشت بعضی
غرور وحماقت ضمیر کرده اند که فهم وتمیز را از ایشاں بر میگیرند وبا وجود عقل عزیزے کار دیوانها
میکنند وسخن دیوانها میگویند، دیوانه نیستند اما دیوانه صفت اند، یکے دیگر برمی خیزد ودعوی پیغمبری
میکند وهیچ نمیداند که معنی پیغمبری چیست، پیغمبری میانجی شدن است میان خدا وخلق از خدا فیض
میگیرد وبخلق میرساند وپیغمبر از اول عمر تا آخر از گناهاں معصوم بود وبا عالم قدس وملکوت متصل
وفرشته بر وے بیاید وپیام حق بگذارد ومعجزات بنماید ودر زمین وآسمان تصرف کند وقرص
ماه را باشارهٔ انگشت دو پاره سازد وچشمها از انگشتاں رواں گرداند ودرختاں او را سجده برند و
سنگ وگیاه بر وے سلام کنند وباوے کتابے باشد که اگر جن وانس همه جمع شوند مانند سوره

وعقلائے عالم اورا تفسیر کنند بپایاں نتوانند آورد و پیغمبر چیزیے
ازاں نتوانستند آورد، واگر تمامه علماء کافراں را از کفر و جاهلاں را از جهل بیروں آورده ولی
بنهد و عالم را بنور علم و ایمان منور گرداند، و در تمامه خوبیهائے ظاهر و باطن و صورت و
را نزدیک گرداند و گمراهاں را براه راست برد و هیچکس در هیچ خوبی مانند وے نبود، و پیغامبر است
سیرت از همه کس افزوں تر و بالاتر باشد، نزدیکاں وے در علم و عمل و
بود و بصلاح و فلاح آراسته و بحلیه محبت و اعتقاد پیراسته، جامع کمالات و مظهر خوارق و کرامات
زهد و تقوی و نورانیت از همه بیشتر و بیشتر و بمتابعت وے روشن ست اما بامت
گشته، پیغمبری نه بمجرد دعوی و غلبه و سلطنت و شوکت ست اینها همه
نعوذ بالله من الغباوة والغواية۔

چه تواں گفت۔ جبلت نفس هم ازیں عالم کون و فساد ست و
در آدمی سه چیز ست، نفس و قلب و روح، و نفس زمینے ست و ظلماتے و از اجزائے
همیں لذات جسمانی و مستلذات حسی کمال او ست
بدن ست، اغایت آنکه نسبت باجزائے دیگر ایں قدر لطافت و نورانیت پیدا کرده که چیزے
از محسوسات تواند دریافت و ماده سمع و بصر و شم و ذوق و لمس گشت و نفس از لذات عقلی و
روحانی خبر ندارد و همیں نفس است که آدمی را گرفتار ایں عالم ساخته است و روح لطیف ست
و نورانی محض و از عالم بالا است و توجه او همیشه بعالم قدس و لذت وے بعلم و معرفت است
و محبت مولی تعالی شانه و شناخت ذات و صفات وے تعالی و تقدس نصیب او ست و
لیکن بعلت تعلقے که او را ببدن داده اند و از اختلاطے و ازدواجے که او را با نفس واقع شده
گرفتار عشق و محبت نفس گشته و سررشته گم کرده است و تعلق روح را با نفس بعینه مثل تعلق
مرد با زن گفته اند که از ازدواج آنها لطیفه قلبیه پیدا شده و قلب متقلب بود، میان روح و
نفس اگر بر یکے احکام روحانی غالب آید و نفس و قلب تابع او شوند و ایں بسے نادر افتد آنجا همه
خیر و صلاح آید و اگر نفس غالب آید و روح و قلب تابع افتاد همه شر و فساد خیزد و ایں سخن مشهور
ست در محل خود شرح تر ازیں بیان یافته است مقصود اینجا بیان نه مذهب در کشاکش

انداز آدمی زاد دست کہ از یک طرف عقلش بجانبی بخواند و از طرف دیگر ہوا بجانب دیگر
می برد و بصد محنت و شدت گرفتار است باز این معنی و شناید آں عالم تفصیل بیند شدہ
تصور کند از خود رودد و از ہم پاشد، و در حدیث آمدہ است

لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا و لبکیتم کثیرا

فرمودہ اگر بدانید آنچہ من دانم از احوال مبداء و معاد و آخرت کہ چہار رفتہ است و چہا پیش آید
ست کم بخندید و بسیار بگریید و لیکن چوں حکمت ابتلائے و تعلیلے الٰہی اقتضائے آں کردہ
کہ این عالم را از نظر ہا پوشیدہ و در پردہ غیب داشتہ است و آنچہ می بینند و می یابند عین عالم
ظاہر است از ینجا فریب خوردند و سر رشتہ گم کردہ کہ یعلمون ظاھرا من الحیوۃ الدنیا
وھم عن الاخرۃ ھم غافلون مخبران صادق کہ حضرات انبیا اند صلوٰۃ اللہ و سلامہ علیہم
اجمعین خبر آں عالم میرسانند و انوار علم و ہدایت می نمایند اما مردم چناں در ظلمات نفس و
طبیعت افتادہ اند کہ قطعاً گوش نمی نہند و قدم نمی زنند حقیقت حال بعد از مردن منکشف
گردد کہ بیت ؎

باش تا پردہ براندازد جہاں از روئے کار
آنچہ امشب کردۂ فردات گردد آشکار

الناس نیام فاذا ماتوا انتبھوا فرمودہ مردم در خواب غفلت اند چوں بمیرند بیدار شوند
و آگاہ گردند ؎

خلق تا در جہانِ اسباب اند
ہمہ در کشتی اند و در خواب اند

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، اکنوں اگر گویند پس چہ کار باید کرد و کجا باید رفت، سخن بر
نعیف آمد ترک دنیا می فرمایند و تجرید از خلق و خلاف طبیعت و مخالفت نفس می خوانند وجود
ایں حال محال و از دست آمدن ایں کار مشکل آدمی زاد تا در قید حیات ست و در دنیاست

از اسباب دنیا و معیشت با بنی نوع و آسائش طبع و قید نفس چاره ندارد و مدار حیات دنیا
و انتظام کار عالم برین ست، جوابش بدانکه تا سخن را یک اشخند و یکبار آں در خورند دل نشین
نگردد و جز حیرت و سراسیمگی نیارد مقصود ازانکه گویند ترک دنیا باید داد و از خلق برکرانه باید
بود و براه مخالفت نفس و طبیعت رفت آنست که خلاف حق نکنند و از جاده بیروں نروند
و راه و روشے که در دین و شریعت قرار داده اند از دست ندهند، بایں نوع اگر بظاهر
با خلق باشند در باطن با حق اند و اگر بصورت در دنیا باشند بمعنی ترک دنیا اند چه دریں
صورت اگر موافق نفس عمل نمایند در حقیقت مخالف آں کرده باشند، محققان گفته اند که
مقصود اصلی موافقت حق ست نہ مخالفت نفس یعنی سالکاں که برخلاف نفس روند و
بر ضد وے کارے کنند برائے آں کنند که نفس موافق حق گردد و براه راست رود و اگر
او خود براه راست رود مخالفت او معنی ندارد فقرا اند و اغنیا و امرا اند و رعایا و مالکانند و
مملوک خادمانند و مخدوم و علیٰ ہذا القیاس، فقرا را صبر باید، و اغنیا را شکر، و امرا را
عدل، و رعایا را انقیاد، و مالکاں را رحم، و مملوکاں را خدمت، و خادماں را ادب، و مخدوماں
را عنایت، ہر کدام از ہر طائفه که براه و روش خود روند و طریقه بندگی و انصاف از دست
ندهند واصل و مقرب و مقبول درگاه باشند، ازینجا گفته اند که سلوک ہر طائفه حرفت اوست
یعنی ہر کسے بر ہر حرفتے و کارے که باشد اگر بر منہاج قاعده و ادب رود سالک ست دعوت
شریعت غرا ہمبریں نہج است، سرور کائنات و سید رسل صلوٰة الله و سلامه علیه ہیچکس را
از ہر حرفتے که داشت بیروں نیاورد، مزارعان را در کار زراعت گذاشت و تاجراں را
در تجارت و متاہلاں را با اہل و عیال و مجرداں را در ترک و تجرید و اغنیا را با مال و منال
و فقرا را با فقر و فاقه و لیکن ہر طائفه را قاعده و دستور العمل مقرر داشت تا براں نمایند و
از جاده بیروں نروند، بیروں که آورد از کفر و معاصی بیروں آورد و دیگر ہمه را درون دائره گذاشت
سر سعادت ہما انقیاد شریعت و اعتقاد مسلمانی ست و یقین داشتن برآنکه ہر عمل را اجرے ست

وہر گروہ را جزائے و عاقبت عمل نیک نیک وعمل بد بد فمن یعمل مثقال ذرة
خیراً یره ومن یعمل مثقال ذرة شراً یره غایت آنکہ فرقہ جزائے خیر را ہم در دنیا
طلبند و از آخرت غافل باشند و جماعۃ دیگر را مطمح نظر جزاء آخرت ست و کار دنیا
سہل انگارند و ہر کس ہر کارے مشروع کہ برائے خدا کند او را ہم دنیا شود و ہم آخرت فعند
اللہ ثواب الدنیا والآخرة عاقبت بخیر باد۔

اہم سیاسی، ادبی اور مذہبی واقعات

(بہ اعتبار سنین)

سنہ	واقعہ
۹۵۸ ہجری	ولادت شیخ عبدالحق محدث دہلوی
۹۶۰ھ	انتقال سلیم شاہ سوری
۹۶۱ھ	ہمایوں نے دوبارہ اقتدار حاصل کیا
۹۶۳ھ	شمالی ہندوستان میں شدید قحط
	ہمایوں کا انتقال اور اکبر کی تخت نشینی۔
	شیخ عبدالوہاب متقیؒ مکہ معظمہ میں۔
۹۶۸ھ	بیرم خاں کا قتل
۹۶۹ھ	اکبر اجمیر میں
۹۷۰ھ	وصال شیخ محمد غوث گوالیاری شطاری۔
۹۷۱ھ	ولادت شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانیؒ
	جزیہ معاف کیا گیا۔
۹۷۲ھ	ولادت خواجہ محمد باقی باللہؒ
	شیخ عبدالنبی صدر الصدور مقرر ہوئے
۹۷۵ھ	وفات شیخ علی متقیؒ ـــ فیضی دربار اکبری میں۔
۹۷۶ھ	وفات شیخ ادہن بن بہاء الدین جونپوری۔
	ولادت شیخ بلاول ـــ پیدائش شہزادہ سلیم۔
۹۷۷ھ	فتح پور سیکری کی تعمیر کے لیے احکامات جاری ہوئے۔

۹۷۸ھ	ولادت شہزادہ مراد
۹۷۹ھ	وفات شیخ نظام الدین انبیٹھوی
۹۸۱ھ	تصنیف "خوارقات" درحالات سید محمد گیسو دراز۔ وفات شیخ سلیم چشتی ابوالفضل اور بدایونی دربار میں پیش ہوئے۔ تصنیف "صراط المستقیم" از شیخ خوب محمد چشتی
۹۸۲ھ	گجرات میں قحط۔
۹۸۳ھ	گلبدن بیگم کی روانگی حج کے لیے۔
۹۸۶ھ	عبادت خانہ میں جلسے شروع ہوئے۔
۹۸۷ھ	اکبر نے خطبہ پڑھا۔ محضر جاری ہوا۔ تصنیف "تحفۂ اکبر شاہی" عباس شیروانی۔
۹۸۸ھ	مخدوم الملک اور عبدالنبی جلاوطن کیے گئے۔ وفات مولانا محمد یزدی۔
۹۸۹ھ	اجراء دین الٰہی۔ محمد حکیم مرزا گورنر کابل کی بغاوت وفات شیخ رزق اللہ مشتاقی۔ وفات شیخ جلال الدین تھانیسری وفات شیخ محمد اسحاق سہروردی۔
۹۹۰ھ	ترجمہ مہابھارت (رزم نامہ) از بدایونی۔ وصال شیخ سیف الدین
۹۹۲ھ	سنہ الٰہی جاری ہوا
۹۹۳ھ	"مرکز ادوار" فیضی مکمل ہوئی۔ "تاریخ الفی" شروع ہوئی۔ نور اللہ شستری نے "مجالس المومنین" لکھنی شروع کی۔
۹۹۴ھ	"بابرنامہ" کا فارسی ترجمہ شروع ہوا۔
۹۹۵ھ	ابوالفضل نے "رزم نامہ" کا مقدمہ لکھا۔ فیضی نے لیلاوتی کا ترجمہ کیا۔

جوہر نے "تذکرۃ الواقعات" کی ابتدا کی۔

۹۹۵ھ شیخ عبد الحق دہلویؒ گجرات پہنچے۔

شیخ عبد الحق دہلویؒ حجاز میں۔

۹۹۶ھ کلیات عرفی کی تکمیل ہوئی۔

ملا احمد تتاوی (تاریخ الفی) کا قتل

ابوالفضل نے "عیار دانش" مکمل کی۔

شیخ نظام نارنولیؒ کی وفات۔

۹۹۷ھ "بابرنامہ" کا فارسی ترجمہ مکمل ہوا۔

۹۹۸ھ شیخ وجیہ الدین گجراتیؒ کی وفات

"جذب القلوب الی دیار المحبوب" شروع کی گئی۔

تکمیل ترجمہ "راماین" از عبد القادر بدایونی۔

۹۹۹ھ تکمیل "اخبار الاخیار"

وفات عرفی۔

ولادت شاہجہاں

۱۰۰۰ھ تکمیل "تاریخ ہمایوں" از بایزید۔

"برہان المآثر" (علی بن عزیز اللہ طباطبائی) کی ابتدا

انتقال شیخ مبارک ناگوری۔

۱۰۰۱ھ "جذب القلوب" مکمل ہوئی۔

"سواطع الالہام" فیضی مکمل ہوئی

۱۰۰۲ھ "ہفت اقلیم" امین رازی مکمل ہوئی۔

"طبقات اکبری" (نظام الدین) کی آخری تاریخ۔

۱۰۰۳ھ	وفات مرزا نظام الدین احمد بخشی۔
	تکمیل "زاد المتقین"
	تکمیل "نل دمن" فیضی
	"منتخب التواریخ" (بدایونی) کی آخری تاریخ
	وفات حکیم عین الملک والد نور الدین محمد جامع "لطیفۂ فیضی"
۱۰۰۴ھ	تکمیل "برہان المآثر"۔
	"تاریخ حقی"
	انتقال فیضی
	تکمیل "منتخب التواریخ"
	تکمیل "اکبر نامہ"
۱۰۰۵ھ	وفات نور الدین طباطبائی۔
۱۰۰۶ھ	تکمیل "سراج الاستخراج" ملا فرید الدین مسعود بن حافظ ابراہیم دہلوی
	ترجمہ "یوگ وشسٹھ"
۱۰۰۷ھ	ولادت خواجہ محمد معصوم رح
۱۰۰۹ھ	تصنیف "حفظ مراتب" شیخ خوب محمد چشتی"
	ایسٹ انڈیا کمپنی کو منشور ملکہ ایلزبتھ کی جانب سے۔
	"اکبر نامہ" کی تکمیل۔
۱۰۱۰ھ	"احوال ائمہ اثنا عشر خلاصہ اولاد سید البشر"
۱۰۱۱ھ	قتل ابوالفضل
۱۰۱۴ھ	انتقال اکبر۔ تخت نشینی جہانگیر
	سلطان خسرو بن جہانگیر، شیخ نظام الدین بن عبد الشکور تھانیسری کی

خدمت میں۔

۱۰۱۴ھ "اخبار الاصفیاء" از عبد الصمد

"نور العین" (شرح قران السعدین) از شیخ نور الحقؒ

وفات محمد معصوم مصنف تاریخ سندھ۔

۱۰۱۵ھ "گلشن ابراہیمی" فرشتہ۔

"فرہنگ جہانگیری" از جمال الدین حسین۔

۱۰۱۷ھ "تذکرۃ الملوک" از رفیع شیرازی

"اشعۃ اللمعات" کی ابتداء

۱۰۱۹ھ "مرآۃ سکندری" از سکندر محمد بن محمد اکبر

۱۰۲۰ھ "تاریخ خان جہانی و مخزن افغانی" نعمت اللہ ہروی

۱۰۲۱ھ "مفتاح فتوح الغیب"

۱۰۲۳ھ وفات شاہ ابو المعالیؒ

۱۰۲۴ھ پیدائش دارا شکوہ

وفات شیخ محمد صادق بن شیخ احمد سرہندیؒ

۱۰۲۵ھ پیدائش شہزادہ شجاع

تکمیل "اشعۃ اللمعات"

تکمیل "لمعات التنقیح"

ترتیب مکتوبات شیخ احمد سرہندیؒ

۱۰۲۸ھ پیدائش اورنگ زیب

۱۰۳۳ھ وفات ہندو شاہ فرشتہ

تکمیل "شرح سفر السعادت"

۱۰۳۳ھ دنشار ہرکرن

۱۰۳۷ھ وفات جہانگیر

۱۰۳۵ھ وفات میاں میرؒ

۱۰۳۶ھ وفات شیخ بلاولؒ

۱۰۳۹ھ وفات محمد شریف معتمد خان "اقبال نامہ جہانگیری"
"سفینۃ الاولیاء"

۱۰۵۰ھ انشائے منیر

۱۰۵۲ھ وفات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ